وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق
بكم عن سبيله (الانعام: ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو
کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی

عقیدہ کے موضوع پر علامہ ابن ابی زید القیروانی کے مقدمہ پر مدینہ یونیورسٹی
کے سابق وائس چانسلر شیخ عبد المحسن بن حمد العباد کی عظیم الشان شرح
بنام قطف الجنی الدانی کا اردو ترجمہ بنام

بنیادی عقائد

ترجمہ و تقدیم

عبد اللہ ناصر الرحمانی



مکتبہ عبد اللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام



وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله (الانعام: ١٥٣)

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی

عقیدہ کے موضوع پر علامہ ابن ابی زید القیروانی کے مقدمہ پر مدینہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر شیخ عبد المحسن بن حمد العباد کی عظیم الشان شرح بنام قطف الجنی الدانی کا اردو ترجمہ بنام



ترجمہ وتقدیم

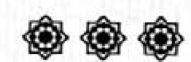
عبد اللہ ناصر الرحمانی



مکتبہ عبد اللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین



مقدمہ از مترجم

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين إمام المتقين وقدوة الكاملين وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين ،وبعد:

زیرِ نظر کتاب ہمارے ادارہ "مكتبة عبد الله بن سلام لترجمة كتب الاسلام" کی ایک انتہائی فخریہ پیشکش ہے، اس انتہائی اہم اور نافع کتاب کو پیش کرتے ہوئے ہم اپنے خالق ومالک کے سامنے اظہارِ شکر کیلئے سربسجود ہیں۔ فنحمد الله تعالیٰ ونشکرہ، فبنعمته وفضله سبحانه وتعالیٰ تتم الصالحات.

یہ کتاب اصول وفروع کا ایک حسین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ ،تمام مسائل کو کتاب وسنت واقوالِ سلف صالحین کی روشنی میں پیش کرنے کا گرانقدر مجموعہ ہے۔

امام عبداللہ ابومحمد بن ابی زید القیروانی ،جن کا چوتھی صدی ہجری کے محدثین وفقہاء میں شمار ہوتا ہے نے "الرسالة" کے نام سے ایک مبسوط کتاب تالیف فرمائی، اس کتاب پر ایک نہایت مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر فرمایا، جو اگرچہ چند سطور پر مشتمل ہے، مگر اس پر علوم ومعارف اور معانی ومطالب کا ایک بحرِ زخار موجزن ہے۔

یہ بات بالکل درست اورمبنی بر حقیقت ہے کہ ابن ابی زید نے اصول وفروع کے حوالے سے ان چند سطور کے کوزے میں دریا بند کردیا ہے۔ اس مختصر مقدمہ کو وقت کے عظیم محدث، سابق وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی، کتبِ کثیرہ ونافعہ کے مؤلف ،فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن بن حمد العباد حفظہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت نفیس اورلطیف شرح کے ساتھ مزین، منوراور معطر فرمادیا۔

شیخ موصوف ومحترم نے ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث کے دلائل کا انبار لگادیا ہے، نیز جابجا اقوالِ أئمہ سلف کے ذکر سے کتاب کی اہمیت وافادیت کو مزید بڑھا کر اس کے حسن میں چار چاند لگادیئے۔

شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد جو عصرِ حاضر میں منہج سلف صالحین اہل الحدیث کے امین ومحافظ تصور کیئے جاتے ہیں، تحریر وتقریر میں بڑے نمایاں اور منفرد مقام کے حامل ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ہمارے اس مؤقف کی پوری پوری تائید کرے گی۔ ہمارا یہ متواضع سا ادارہ جو اپنی تأسیس کا ایک سال مکمل کر چکا ہے، اس لحاظ سے انتہائی منفرد ومتمیز ہے کہ اس کے اہداف ومقاصد میں سرِ فہرست موضوع ''اہتمام بالعقیدۃ السلفیۃ'' ہے، ہماری اب تک نشر ہونے والی تمام کتب کا بنیادی موضوع عقیدہ ہی ہے، بالخصوص ''توحید اسماء وصفات'' کے حوالے سے ہمارے ادارہ کی جہود انتہائی قابلِ قدر اور لائق تحسین وستائش ہیں۔ ''وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء''

قارئین کرام! اس قدر اہتمامِ عقیدہ سے ہمارا مقصود، لوگوں کو اس اہم موضوع سے روشناس کرانا ہے، کیونکہ عقیدہ، دینِ اسلام کی اساس ہے، قبولِ اعمال کا انحصار، اصلاحِ عقیدہ پر ہے (دیگر شرائط وقیود کی پابندی کے ساتھ ساتھ) بالخصوص آج کے پرفتن دور میں تو عقیدہ کی معرفت نہایت ہی مؤکد ومھم ہے، رسول اللہ ﷺ نے پرفتن دور میں ان لوگوں کو کامیاب اور فائز المرام قرار دیا ہے جو اس صافی منہج کو سینے سے لگائے بیٹھیں گے جسے اصحابِ رسول اللہ نے پوری زندگی تھامے رکھا ''المتمسک یومئذ بما أنتم علیه له أجر خمسین رجلا'' گویا یہ کام، مٹھی میں آگ کا انگارہ دبانے کے مترادف ہے، لہٰذا علم وعمل اور بالخصوص عقیدے کی معرفت نہایت ہی اہم اور ضروری امر ہے، ورنہ بمصداقِ حدیثِ رسول ﷺ: [یصبح الرجل فیها مؤمنا ویمسی کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا، یبیع دینه بعرض من الدنیا]

نہایت ہی خطرناک تلوار ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے، یعنی پرفتن دور میں انسان صبح کو مؤمن، شام کو کافر، اور شام کو مؤمن اور صبح کو کافر بن جائے گا، دنیا کے معمولی مال، اور گھٹیا عہدوں کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالے گا۔

مخرج یہی ہے کہ بندہ علم، عمل، عقیدہ اور خُلق میں پہاڑ جیسی صلابت واستقامت پر قائم

ہوجائے ،اور کتاب وسنت اور منہج أصحاب رسول ﷺ وسلفِ صالحین کو سینے سے چمٹا رکھے "ماأناعليه اليوم وأصحابي"

[تركت فيكم ما إن اعتصمتم به لن تضلوا أبدا كتاب الله وسنة رسوله] والتوفيق بيد الله تعالى.

کتاب ھذا عقیدہ کے اہم مسائل پر مشتمل ہے،اس کی تیاری میں جن احباب نے حصہ لیا سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں نیز اضافہ علم وعمل کیلئے دعا گوہوں۔

اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو اپنی رضاء کیلئے خالص بنادے،اس کتاب کا نفع عام بنادے،میرے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کی مغفرت فرمادے۔

اس متواضع سی نیکی کو میرے لئے ذخیرہ آخرت بنادے، إنه سميع قريب مجيب للدعوات ،وصلى الله على نبيه محمد و على آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين.

وکتب ذلک/عبداللہ ناصر الرحمانی

مدیر:مکتبة عبدالله بن سلام لترجمة كتب الاسلام



مقدمہ از شارح

الحمد لله رب العالمین، الرحمن الرحیم، مالک یوم الدین، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شریک له، إله الأولین والآخرین، وقیوم السموات والأرضین، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، سید المرسلین، وإمام المتقین، وقائد الغر المحجلین، المبعوث رحمة للعالمین، صلى الله وسلم وبارک علیه، وعلى آله الطیبین الطاهرین، وعلى من اتبعهم باحسان وسار على نهجهم إلى یوم الدین.

أما بعد:

تمام تعریفیں، اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے، روزِ جزاء کا مالک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، تمام اولین وآخرین کا وہی معبود ہے، اور آسمانوں اور زمینوں کے نظام کو وہی سنبھالنے والا ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسی کے بندے اور رسول ہیں، تمام رسولوں کے سردار ہیں، تمام متقین کے امام ہیں، اس اُمت کے رہبر ورہنما ہیں، جن کے اعضاءِ وضوء قیامت کے دن چمک رہے ہونگے، جو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی پاکیزہ آل پر، اور صحابہ کرام جیسی مثالی اور مبارک جماعت پر، اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے، اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کرام ذریعے اپنے دین کو حفاظت اور ظہور وغلبہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر بھی اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے جو اچھے طریقے سے صحابہ کرام کی اتباع کرتے رہیں اور ان کے منہج کی پیروی کرتے رہیں، قیامت کے قائم ہونے تک۔

اما بعد:

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی (کئی اعتبار سے) ایک ممتاز اور نرالی شان ہے۔

(۱) یہ نہایت صاف ستھرا اور بالکل واضح عقیدہ ہے۔

(۲) اس میں ابہام یا پیچیدگی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔

(۳) یہ مبارک عقیدہ، نصوصِ وحی یعنی قرآن وحدیث سے مستند و مأخوذ ہے۔

(۴) سلف صالحین، اسی عقیدہ پر قائم تھے۔

(۵) یہ عقیدہ، فطرت کے عین مطابق ہے۔

(۶) عقلِ سلیم جو شبہات کے امراض سے پاک ہو، بھی اسی عقیدہ کو قبول کرتی ہے۔

دوسرے تمام عقائد، شخصیات کی آراء اور متکلمین کے اقوال سے مأخوذ ہونے کی بناء پر، اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ سے یکسر مختلف ہیں۔ ان میں بُری طرح سے ابہام، پیچیدگی، خبط اور خلط ہے۔ بھلا یہ فرق کیوں نہ ہو؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جبریل امین کے واسطے سے، رسولِ اکرم ﷺ پر اترا، اور دیگر تمام عقائد ان مبتدعین کی اختراع ہیں جو زمین سے نکلے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر پانی کے قطرہ سے پیدا کیا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نبی ﷺ کی بعثت اور نزولِ وحی کے ساتھ ہی شروع اور ظاہر ہوا، جس پر نبی ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام قائم رہے، نیز وہ سب لوگ قائم ہیں جو منہجِ اصحابِ رسول ﷺ کے پیروکار ہیں۔

دوسرے تمام عقائد کا، زمانۂ نبوت میں کوئی وجود نہیں تھا، صحابۂ کرام میں سے بھی کسی نے انہیں اختیار نہ کیا، بلکہ ان عقائد کے حاملین میں سے کچھ لوگ، دورِ صحابہ میں پیدا ہوئے تھے، مگر اکثر ان کے مبارک دور کے ختم ہونے کے بعد پیدا ہوئے، لہذا یہ سارے عقائد، محدثاتِ امور میں سے ہیں، (جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بدعت کہا،) اور ان سے پوری زندگی ڈراتے رہے۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: [وایاکم ومحدثات الامور ؛فان کل محدثة بدعة، وکل بدعة ضلالة] یعنی: [تم نئے نئے امور سے بچو! کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر

بدعت گمراہی ہے]

(متکلمین کے عقائد اگر حق ہیں تو) یہ بات نہ تو معقول ہے، اور نہ کسی صورت قابلِ قبول کہ حق، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی پاکیزہ جماعت سے مخفی اور اوجھل ہو اور ان لوگوں کو حاصل ہو جائے جو صحابۂ کرام کے مبارک زمانہ کے بعد آئے۔

لہذا ان عقائد میں اگر کوئی بھی خیر کا پہلو ہوتا تو سب سے پہلے یہ صحابۂ کرام کو نصیب ہوتے، لیکن چونکہ یہ عقائد سراسر شر ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو ان سے محفوظ رکھا اور بعد میں آنے والوں کو مبتلا فرما دیا۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ جو نورِ وحی سے ماخوذ ہے، اور متکلمین کے عقائد جن کا مبنیٰ لوگوں کی آراء وعقول ہیں، کے درمیان وہی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے بیچ۔

یہ بالکل وہی بات ہے جو شریعت کے حوالہ سے کی جاتی ہے، یعنی شریعتِ اسلامیہ جو انتہائی رفیع القدر اور منزل من اللہ ہے، اور ان گھٹیا وضعی قوانین ودساتیر کہ جنہیں انسانوں نے بنایا، کے مابین وہی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان۔

﴿ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴾

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، یقین رکھنے والے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟'' (المائدۃ: ۵۰)

اکثر لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا کہ عقیدہ اور شریعت کے تعلق سے اس انتہائی واضح اور روشن حقیقت سے غافل ہیں، وہ انتہائی بہتر چیز کے بدلے، انتہائی ردی اور گھٹیا چیز خریدے بیٹھے ہیں۔

اے اللہ! جو مسلمان راہِ راست سے گمراہ ہو گئے انہیں سلامتی کے راستے پر چلا دے، انہیں ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف پھیر دے، بلاشبہ تو سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

علماءِ سنت نے، قدیم وجدید، ہر دور میں ایسی کتب تالیف فرمائی ہیں، جو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی بہترین توضیح شمار ہوتی ہیں، کچھ مختصر، کچھ مطول۔

مختصر کتب میں، امام ابن ابی زید القیروانی المالکی رحمہ اللہ کا اپنے رسالہ پر لگایا ہوا ایک مقدمہ ہے جو سلف صالحین کے منہج کے عین مطابق، مختصر اور مفید ہے، یہ مقدمہ اصول وفروع کا ایک حسین مرقع ہے، جبکہ اصول وفروع کا ایک ہی کتاب میں جمع ہونا، تالیفی دنیا میں ایک نادر چیز ہے، اس لحاظ سے یہ مقدمہ ایک بہترین تحفہ ہے جو اس شخص کو کہ جو عبادات ومعاملات کی فقہ میں مشغول ہے، فقہ اکبر یعنی عقائدِ سلف صالحین سے روشناس کراتا ہے۔

یہ مقدمہ اپنے اختصار اور قلتِ الفاظ کے باوجود عقیدۂ سلف صالحین جو عین مطابقِ فطرت ہے اور کتاب وسنت کے نصوص پر مبنی ہے، کو بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

یہ مختصر رسالہ اس مشہور مقولہ کی عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے: ''سلف صالحین کا کلام لفظوں میں کم لیکن برکت میں بہت زیادہ ہوتا ہے، جبکہ متکلمین کا کلام لفظوں میں بہت زیادہ مگر برکت میں بہت تھوڑا ہوتا ہے۔''

مثال کے طور پر اس مقدمہ کا آغاز اللہ تعالیٰ سے چند امور کی نفی جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کیلئے اثباتِ کمال کو متضمن ہے، کے ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ ابن ابی زید اپنے مقدمہ کے آغاز میں فرماتے ہیں: ''إن اللہ إلٰہ واحد لا إلٰہ غیرہ، ولا شبیہ لہ، ولا نظیر لہ، ولا ولد لہ، ولا والد لہ، ولا صاحبة لہ، ولا شریک لہ''

یعنی: ''اللہ تعالیٰ معبودِ حق ہے، اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شبیہ اور نظیر نہیں ہے، نہ ہی اس کی اولاد ہے نہ والد، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی شریک''

اس عبارت میں اللہ تعالیٰ سے جن امور کی نفی مذکور ہے، وہ سب کے سب کتاب وسنت کے نصوص سے مستند وماخوذ ہیں۔

اب ذرا متکلمین کا کلام ملاحظہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کس کس چیز کی نفی کرتے ہیں، آپ کو دکھائی دے گا کہ ان کا کلام تکلف پر مبنی اور ابہام وغموض کے ساتھ متصف ہے، چنانچہ "عقائدِ نسفیہ" کا مؤلف، اللہ تعالیٰ سے بعض امور کی نفی کرتے ہوئے کہتا ہے: "لیس بعرض، ولا جسم، ولا جوهر، ولا مصور، ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعض، ولا متجز، ولا متركب، ولا متناه"

اللہ تعالیٰ سے ان منفی امور کی کتاب وسنت میں کوئی نص وارد نہیں، اور یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں جس صفت کی وحی سے دلیل موجود نہ ہو، اس میں سکوت اختیار کیا جائے، اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کے ساتھ متصف ہے اور ہر نقص وعیب سے منزہ ہے۔

پھر ان سلبی اور منفی صفات کو عوام الناس بالکل نہیں سمجھ پاتے، نہ ہی یہ باتیں ان کی سادہ فطرت سے مطابقت رکھتی ہیں، یہ تو متکلمین کا تکلف ہے، جس میں ابہام وغموض کے ساتھ ساتھ حق وباطل کا اختلاط بھی ہے، ہم بطورِ اشارہ ایک ہی نکتہ سے اپنی اس بات کی وضاحت کرتے ہیں:

مذکورہ عبارت میں اللہ تعالیٰ کے جسم کی نفی ہے، جس کے معنی میں دو احتمال ہیں:

چنانچہ اگر جسم سے ایسی ذات مراد ہو جو مخلوقات کے مشابہ ہو تو یہ احتمال لفظاً ومعنیً باطل اور مردود ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:11) اور اگر جسم سے وہ ذات مراد ہے جو قائم بنفسھا ہے، جو تمام مخلوقات سے مباین یعنی جدا ہے اور جو تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، تو یہ معنی حق ہے جس کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا جائز نہیں ہے، لیکن "جسم" کے لفظ کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ لفظ، معنی حق اور معنی باطل دونوں پر مشتمل ہے۔ (لہذا ایسا لفظ جس میں معنی حق کے ساتھ ساتھ معنی باطل کے پائے جانے کا احتمال ہو، اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہوسکتا، البتہ اس لفظ میں پایا جانے والا معنی حق، اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہوگا اور معنی باطل منفی ومردود ہوگا)

آپ عنقریب امام مقریزی کا کلام ملاحظہ فرمائیں گے، جس میں وہ صحابہ کرام کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''اسی طرح صحابۂ کرام نے ان تمام الفاظ وصفات کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ کریمہ کیلئے ثابت کیئے، ثابت وبرقرار رکھے۔ مثلاً: الوجہ (چہرہ) اور الید (ہاتھ) وغیرہ

اوران صفات کا اثبات کرتے ہوئے انہوں نے خالق کی مخلوق سے مشابہت ومماثلت کی مکمل نفی کی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے صفاتِ ثبوتیہ کا اس طرح اثبات کیا کہ وہ اثبات ہر طرح کی تشبیہ سے پاک تھا، اور صفاتِ نقص کی اس طرح نفی وتنزیہ کی وہ تنزیہ تعطیل سے پاک تھی۔

صحابۂ کرام میں سے کسی ایک شخص نے بھی صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی ایک صفت کی تاویل کرنے کا تعرض وتکلف نہیں کیا، بلکہ وہ تمام اس عقیدہ پر متفق ومجتمع تھے کہ ان صفات کو جس طرح وارد ہوئی ہیں، اسی طرح ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کیلئے ان کا مستدل کتاب اللہ کے سوا اور کچھ نہ تھا...... وہ علمِ کلام کی الجھنوں اور فلسفہ کی موشگافیوں سے قطعی ناواقف تھے۔''

اسی طرح آپ آئندہ صفحات میں ابومظفر السمعانی کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں گے، وہ منہجِ متکلمین کا ابطال وافساد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تبلیغِ دین کے مشن پر مامور کیا ہے، اور سب سے مؤکد ومحکم چیز جسے پہنچا دینے کا حکم ہے وہ عقیدۂ توحید ہے، بلکہ توحید تو اصلِ دین اور اساسِ دین ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے امورِ دین کے تمام اصول، قواعد اور شرائع ایک نکتہ چھپائے بغیر بیان فرمادیے، پورے دین میں یہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے متکلمین کے نظریات یعنی جوہر وعرض سے استدلال کی دعوت دی ہو، بلکہ آپ ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی ثابت نہیں...... جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ متکلمین ایک ایسی راہ پر چل

نکلے ہیں کہ جو نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کی راہ سے یکسر مخالف ہے، اور اس مخالف راہ پر چلنے کیلئے انہوں نے جن اصول وقواعد کا سہارا لیا ہے وہ بالکل نئے اور انکے اپنے اختراع کردہ ہیں۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اپنی اس باطل راہ پر چل نکلنے کے بعد انہوں نے سلف کو اپنی قدح وطعن کا نشانہ بنالیا، انہیں قلتِ علم ومعرفت کا الزام دیا اور ان کے طریق کو مشتبہ قرار دے دیا۔

ہم تمام لوگوں کو متکلمین کے کلام ومقالات سے بچنے اور دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں ان کی تمام گفتگو کا مبنیٰ ریت کی دیوار کے سوا کچھ بھی نہیں، جبکہ انکے مقالات آپس میں ہی متضادات ومتناقض ہیں۔"

ابو مظفر السمعانی کا یہ کلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرح، فتح الباری میں "باب قول اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ" کے تحت نقل فرمایا ہے، اس کے بعد حسن بصری کا یہ قول بھی ذکر فرمایا: "لو كان مايقول الجعد حقا لبلغه النبی ﷺ" یعنی: "عقائد میں جو باتیں جعد (بن درھم) کرتا ہے، اگر وہ حق ہوتیں تو نبی ﷺ یقیناً بیان فرماتے" (فتح الباری: (۱۳/۵۰۴)

واضح ہو کہ فرقۂ جہمیہ اگرچہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے، لیکن اس کا اصل بانی اور مؤسس جعد بن درھم ہی ہے؛ کیونکہ سب سے پہلے اس باطل مذہب کا نشر واظہار اسی نے کیا۔

اور میں حسن بصری رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی بنیاد پر یہ کہتا ہوں: آج اشاعرہ اور دیگر متکلمین صفاتِ باری تعالیٰ کے بارہ میں جو کلام کرتے ہیں اگر وہ حق ہے تو نبی ﷺ بھی یقیناً وہ باتیں اپنی امت کا بتاتے۔

میں نے ابن ابی زید کے اس مقدمہ کی ایسی شرح لکھنے کا فیصلہ کرلیا جو اس کی چمک دمک میں مزید اضافہ کردے اور اس کے مضامین ومشمولات کی مزید تفصیل کردے۔ شرح سے قبل میں نے بطورِ تمہید، عقیدۂ سلف کے حوالے سے دس فوائد کا ذکر کیا ہے۔

اس مقدمہ کو شیخ احمد بن مشرف الاحسائی المالکی المتوفی ۱۲۸۵ھ نے بڑے عمدہ اسلوب سے نظم کردیا تھا، میں نے شرح سے قبل، مقدمہ کی مکمل عبارت، مذکورہ نظم کے ساتھ شاملِ اشاعت کردی ہے۔میں نے اس شرح کا نام ''قطف الجنی الدانی شرح مقدمة رسالة ابن ابی زید القیروانی'' رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ میری اس شرح کو، اصل رسالہ کی طرح نافع اور فائدہ مند بنادے، تمام مسلمانوں کو دین میں تفقہ کی توفیق عطا فرمادے، نیز عقیدہ وعمل میں انہیں سلف صالحین کے منہج پر قائم ودائم رکھے۔ مجھے ہر قسم کی لغزش سے سلامتی عطا فرمادے، گفتگو میں صدق اور عمل میں اخلاص جیسی نعمتوں سے مالا مال فرمادے، بے شک وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلی اللہ وسلم وبارک علی عبده ورسوله نبینا محمد وعلی آله وصحبه أجمعین .





مؤلف ابن ابی زید القیر وانی کے مختصر حالاتِ زندگی

آپ کا نام عبداللہ، اور کنیت ابو محمد ہے، ابوزیدان کے والد کی کنیت ہے، جن کا اصل نام عبدالرحمن تھا،، قیروان ان کا مولد مسکن تھا، اپنے وقت میں، مالکی مذہب کے امام اور قدوہ شمار ہوتے تھے، انہوں نے امام مالک کی فقہ کو نہ صرف جمع کیا بلکہ بڑے عمدہ پیرائے میں اس کی تشریح بھی کی، ان کا علم انتہائی وسیع اور حفظ وروایت میں کثرت مثالی تھی، ان کی تصنیفات اس پر شاہدِ عدل ہیں، تحریر وتقریر میں فصاحت نمایاں تھی، جب گفتگو فرماتے تو علم ومعرفت کے خزانے لٹادیتے، اہلِ بدعت کا رد کرنا بخوبی جانتے تھے۔ عمدہ قسم کے اشعار بھی کہا کرتے تھے۔

ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ استقامت، ورع، عفت اور تقویٰ کے بڑے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، گویا دین ودنیا کی سعادت وریاست کو سمیٹ رکھا تھا۔

علم وعرفان کے پیاسے، مختلف شہروں اور بستیوں سے دور دراز کا سفر کرکے آپ تک پہنچتے، آپ کے شاگردوں کی بڑی لمبی فہرست ہے، جو سب کے سب آپ سے خوب محبت رکھتے تھے، آپ کے دور کے اکابر علماء آپ کی قدر ومنزلت پہنچانتے تھے، آپ ''مالک الصغیر'' یعنی ''چھوٹے مالک'' کے لقب سے معروف تھے۔

امام قابسی آپ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

وہ امام تھے، اور دین اور روایتِ حدیث میں انتہائی ثقہ تھے۔ علم، ورع، فضل اور عقلِ راسخ، یہ تمام خوبیاں آپ کی ذات میں مجتمع تھیں، آپ کی شخصیت ان تمام امور میں شہرت کی بناء پر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ 1

آپ رجوع إلی الحق اور انقیاد للحق کیلئے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے، اپنے شہر کے فقہاء ومشائخ سے تفقہ اور سماعِ حدیث سے فیضیاب ہوتے، طلب علم میں زیادہ تر انحصار واعتماد ابوبکر بن اللباد اور ابوالفضل القیسی پر فرمایا۔

جبکہ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے فقہ وحدیث میں استفادہ کیا۔ آپ کا سنِ وفات ۳۸۶ھ ہے۔

آپ کی مشہور مؤلفات میں "کتاب النوادر" اور "الزيادات على المدونة" ہیں، یہ کتاب ایک سو اجزاء سے زائد ہے، اس کے علاوہ "مختصر المدونة" بھی آپ کی مشہور کتاب ہے، آخر الذکر دونوں کتابیں فقہ مالکی میں معتمد بہ شمار ہوتی ہیں۔ آپ کی کتب کی مکمل فہرست "الديباج المذهب لابن فرحون المالكي" (ص:۱۳۶تا۱۳۸) میں ملاحظہ فرمایئے، یہ مختصر حالات بھی اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

امام ذھبی نے "سير أعلام النبلاء" (۱۷/۱۰) میں آپ کے ترجمہ کے آغاز میں آپ کے متعلق فرمایا ہے: "الامام العلامة، القدوة الفقيه عالم أهل العرب"

جبکہ آپ کے ترجمہ کے آخر میں فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، آپ عقیدہ میں سلف صالحین کے منہج پر قائم تھے، علمِ کلام کو کچھ نہ جانتے، نہ ہی تاویل کی باطل روش اپناتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق وہدایت کا سوال کرتے ہیں۔





چند اہم فوائد کا ذکر

فوائد بین یدی الشرح

شرح سے قبل چند اہم فوائد کا ذکر

پہلا فائدہ:

عقیدہ کے باب میں اہل السنۃ والجماعۃ کا منہج یہ ہے کہ سلفِ صالحین کے فہم کے مطابق کتاب وسنت کی اتباع کی جائے، واضح ہو کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی دلیل پر مبنی ہے، جبکہ اس دلیل کا فہم اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے فہم کے مطابق ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (الاعراف:۳)

ترجمہ: ''تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ: ''اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پہ چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

اور فرمایا: ﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۳۸)

ترجمہ: ''تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں''

اورفرمایا:﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾ (طٰہٰ:۱۲۳)

ترجمہ:"جومیری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بھٹکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا"

اورفرمایا:﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

(الاحزاب:۳۶)

ترجمہ:(اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اسکے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد (رکھو) اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑے گا)

نیزفرمایا:﴿ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (الحشر:۷)

ترجمہ:"تمہیں جو کچھ رسول دے، لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ"

نیزفرمایا:﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النور:۶۳)

ترجمہ:"جولوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے"

حدیثِ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[فانه من يعش منكم بعد فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الامور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ:[میرے بعد زندہ رہنے والا شخص بہت اختلافات دیکھے گا، تو اس وقت تم لوگ میری سنت اور خلفاءِ راشدین کی سنت کے ساتھ چمٹ جانا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اور داڑھوں میں

دبالینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، کیونکہ ہرنئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے] (اسے ابوداؤد (۴۶۰۷) اور ترمذی (۲۶۷۶) نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے)

صحیح بخاری (۷۲۸۰) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[کل أمتی یدخلون الجنة الا من أبی، قالوا: یا رسول الله! ومن یأبی ؟ قال: من أطاعنی دخل الجنة، ومن عصانی فقد أبی]

ترجمہ: [میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی علاوہ اس شخص کے جس نے جنت میں داخل ہونے سے خود انکار کردیا ہو، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کردیا]

صحیح مسلم (۸۶۷) میں جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے: [أما بعد، فان خیر الحدیث کتاب الله، وخیر الهدی هدی محمد، وشر الأمور محدثاتها، وکل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [بے شک سب سے بہترین حدیث کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہترین ہدایت اور طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، اور سب سے بدترین امر وہ ہے جو نیا ہو، اور ہر بدعت گمراہی ہے]

صحیح بخاری (۱۵۹۷) اور صحیح مسلم (۱۲۷۰) میں عابس بن ربیعہ سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اسے بوسہ دیا اور فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتے، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

صحیح بخاری (۲۶۹۷) اور صحیح مسلم (۱۷۱۸) میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی

ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [من أحد ث في ا مرنا هذ ا ما ليس منه فهو ر د]

ترجمہ: [جو بھی شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز شامل کرے گا جو دین میں نہ ہوتو وہ مردود ہے]

صحیح مسلم میں یہ لفظ بھی منقول ہیں: [من عمل عملا ليس عليه أ مرنا فهو ر د]

ترجمہ: [جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا اُمر (موافقت) نہ ہوتو وہ مردود ہے]

صحیح مسلم کی اس روایت میں زیادہ عموم ہے، کیونکہ پہلی روایت محدِث یعنی بدعت ایجاد کرنے والے کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ دوسری حدیث عام ہے، اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہورہا ہے جو خود کوئی نیا عمل ایجاد کرے اور اس شخص پر بھی جو نیا عمل ایجاد کرنے والے کی تابعداری کرے۔

مسند احمد (۱۶۹۳۷) اور سنن ابی داؤد (۴۵۹۷) میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (اور یہ الفاظ مسند احمد کے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إن أهل الكتا بين ا فتر قوا في د ينهم على ثنتين وسبعين ملة ، وان هذه الأمة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعني الأهوا ء ، كلها في ا لنار الا وا حد ة، وهي ا لجماعة]

ترجمہ: [یہود ونصاریٰ اپنے دین کے اندر بہتر فرقوں میں بٹ گئے ، اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹے گی ("ا لأهـواء" یعنی خواہشِ نفس کا شکار ہوگی) سب فرقے جہنم میں جائیں گے، ایک کے سوا، اور وہ "الـجماعة" ہے] (اس حدیث کی تخریج اور شواہد الأرنؤ ط کے مسند احمد کے حاشیہ میں اس حدیث کے تحت انکی تعلیق پر ملاحظہ کیجئے۔)

۱

صحیح بخاری (۵۰۶۳) اور صحیح مسلم (۱۴۰۱) میں جنابِ انس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے:

[فمن رغب عن سنتي فليس مني]

ترجمہ:[جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں]

واضح ہو کہ اُھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ کتاب وسنت کی دلیل پر مبنی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معتقدات کا تعلق علم غیب سے ہے، اور علم غیب کی معرفت وحی یعنی قرآن وحدیث کے بغیر ممکن نہیں، اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں جو کچھ وارد اور ثابت ہے، عقلِ سلیم اس کی پوری طرح موافقت کرتی ہے، اور کسی طرح کی کوئی مخالفت نہیں کرتی، اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بڑی جامع کتاب جس کا نام "درء تعارض العقل والنقل" کا مطالعہ کیجئے۔

کتاب وسنت کے نصوص کو سمجھنے کیلئے معتمد علیہ، صحابۂ کرام ہیں، نیز ان کی طرف سے ملنے والا فہم صائب، فکر سدید اور علم نافع ہے۔ اللہ تعالی کی صفات کے بارے میں ان تک اللہ تعالی کا جو خطاب پہنچا ان کے معانی ومطالب وہ خوب سمجھ چکے تھے، کیونکہ قرآن حدیث انہی کی زبان میں اترے تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ ان صفات کی کیفیت کا علم بھی اللہ کے سپرد کرنا ضروری تھا، کیونکہ صفات کی کیفیات کا تعلق بھی علمِ غیب سے ہے جسے اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

امام مالک رحمہ کا ایک قول صفات کی کیفیات کے تعلق سے اس منہجِ صحیحہ کی خوب عکاسی کرتا ہے، چنانچہ ایک مجلس میں ان سے اللہ تعالی کے استواء علی العرش کی کیفیت کی بابت پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالی کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، لیکن مستوی ہونے کی کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے، اور کیفیت کا سوال بدعت ہے"

شیخ ابو العباس احمد بن علی المقریزی (المتوفی ۸۴۵ھ) نے اللہ تعالی کی صفات کے حوالے سے صحابۂ کرام کے منہج کی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ اپنی کتاب "المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار" (۳۵۶/۲) میں فرماتے ہیں: (عقائدِ اہلِ اسلام کی حالت کا ذکر، ملتِ اسلام کی ابتداء سے لیکر مذہب اشاعرہ کے پھیلنے تک)

"اللہ تعالیٰ نے جب اہل عرب میں سے اپنے نبی ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا بھیجا، تو انہوں نے رب سبحانہ وتعالیٰ کی صفات، جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں کہ جسے روح الامین آپ کے قلب پر لیکر نازل ہوا تھا، بیان فرمائی تھیں لوگوں کو بتلائیں، نیز وہ صفات بھی لوگوں کو بتلائیں جو بذریعہ (وحی خفی) اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تھیں۔ تمام اہلِ عرب خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی، نے ان صفات کو سنا لیکن کسی صفت کے معنی کا نبی ﷺ سے سوال نہیں کیا، جیسا کہ ان کا دیگر مسائل مثلاً: نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں جو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ہیں، کی بابت نبی ﷺ سے سوال کرنا وارد ومنقول ہے، اور جیسا کہ انہوں نے احوالِ قیامت اور جنت وجہنم کے بارہ میں سوالات کیئے ...... چنانچہ اگر کسی صحابی نے نبی ﷺ سے صفاتِ الٰہیہ کے معنی کے متعلق سوال کیئے ہوتے تو وہ یقیناً منقول ہوتے اور نبی ﷺ کے جوابات بھی ثابت ہوتے، جیسا کہ احکامِ حلال وحرام، ترغیب وترہیب، احوالِ قیامت اور فتن وملاحم وغیرہ کے سلسلہ میں ان کے سوالات واستفسارات اور نبی ﷺ کے جوابات کے تعلق سے بہت سی احادیث وارد ہیں، جو کتبِ حدیث: معاجم، مسانید، اور جوامع کے اندر موجود ومحفوظ ہیں۔

احادیثِ رسول پر مشتمل دفاتر، اور سلفِ صالحین سے منقول آثار پر گہری نگاہ رکھنے والا اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ کسی صحیح یا ضعیف سند سے، کسی ایک صحابی سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس نے نبی ﷺ سے، رب تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں قرآن وحدیث میں وارد صفات میں سے کسی صفت کے معنی کا سوال کیا ہو، حالانکہ صحابۂ کرام کے طبقات بھی متنوع تھے اور تعداد بھی کثیر تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ان صفات کا ظاہری معنی سمجھا اور ان پر کلام سے گریز کیا، اور سکوت اختیار کیا۔ بلکہ صحابۂ کرام نے تو صفاتِ باری تعالیٰ میں صفاتِ ذات اور صفاتِ فعل کی تقسیم وتفریق بھی نہیں کی، انہوں نے تو تمام صفات کو صفاتِ ازلیہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت رکھا۔ مثلاً: صفتِ علم، قدرت، حیاۃ، ارادہ، سمع، بصر، کلام، الجلال، الاکرام،

الجود (سخاوت)، انعام ،العزة اور العظمة وغیرہ ان تمام صفات کے بارہ میں ان کا ایک ہی سیاق کلام تھا۔

اسی طرح صحابۂ کرام نے ان تمام الفاظ وصفات کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ کریمہ کیلئے ثابت کیئے ،ثابت وبرقرار رکھے۔مثلاً: الوجہ (چہرہ) اور الید (ہاتھ) وغیرہ

اوران صفات کا اثبات کرتے ہوئے انہوں نے خالق کی مخلوق سے مشابہت ومماثلت کی مکمل نفی کی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے صفاتِ ثبوتیہ کا اس طرح اثبات کیا کہ وہ اثبات ہر طرح کی تشبیہ سے پاک تھا،اور صفاتِ نقص کی اس طرح نفی وتنزیہ کی وہ تنزیہ تعطیل سے پاک تھی۔

صحابۂ کرام میں سے کسی ایک شخص نے بھی صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی ایک صفت کی تاویل کرنے کا تعرض وتکلف نہیں کیا ، بلکہ وہ تمام اس عقیدہ پر متفق ومجتمع تھے کہ ان صفات کو جس طرح وارد ہوئی ہیں، اسی طرح ان کے ظاہر پر معمول کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کیلئے ان کا مستدل کتاب اللہ کے سوی اور کچھ نہ تھا...... وہ علمِ کلام کی الجھنوں اور فلسفہ کی موشگافیوں سے قطعی ناواقف تھے۔

صحابۂ کرام کا دور اس پاکیزہ منہج پر گزرا حتی کہ انکے آخری دور میں فرقۂ قدریہ ظہور میں آیا، جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی کوئی تقدیر نہیں بنائی ، بلکہ سارا معاملہ ’’اُنف‘‘ (نیا) ہے۔‘‘

مقریزی نے جو کچھ بتایا واقعۃً مختلف فرقوں کے ظہور سے قبل صحابۂ کرام کا یہی منہجِ صافی تھا اور حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ جو قریب ہی گزری ہے میں رسول اللہ ﷺ نے اس اختلاف کے ظاہر ہونے کی خبر دی اور اس حوالے سے رہنمائی بھی فرمادی۔حدیث کا ترجمہ دوبارہ ملاحظہ ہو:

[میرے بعد زندہ رہنے والا شخص بہت اختلافات دیکھے گا،تو اس وقت تم لوگ میری سنت

اور خلفاءِ راشدین کی سنت کے ساتھ چمٹ جانا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اور داڑھوں میں دبا لینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے]

صحابہ کرام کے دور کے بعد، یا ان کے آخری دور میں عقیدہ کے تعلق سے جو مختلف گروہ اور فرقے ظاہر ہوئے مثلاً: قدریہ، مرجئہ یا اشاعرہ، ان میں سے کسی کو حق اور صواب کہنا ہرگز معقول نہ ہوگا، بلکہ یقینی اور قطعی طور پر حق تو صرف وہ ہے جس پر اصحابِ رسول قائم تھے اور یہ بات کہنے میں ہمیں ادنیٰ سا بھی شک یا تأمل نہیں ہے، ان مذاہب میں اگر کچھ بھی حق ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اسے پہلے ہی اختیار کر چکے ہوتے۔ یہ بات عقل میں سماہی نہیں سکتی کہ صحابہ کرام (جن کا ایمان امت کیلئے مثالی قرار دیا گیا ہے) سے حق چھپا لیا جائے اور بعد کے ادوار میں پیدا ہونے والے لوگوں کیلئے وہ خزانہ کھول دیا جائے۔

حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۱/۷۹) میں مشہور تابعی ابراھیم النخعی کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ''تمہارے لیئے (حق کا) ایسا کوئی ذخیرہ یا خزانہ نہیں ہے جو اس عظیم قوم (صحابہ کرام) سے تمہاری کسی فضیلت کی بنا پر مخفی رکھا گیا ہو''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں (باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ﴾ کی شرح کرتے ہوئے ابوالمظفر السمعانی کا بڑا عمدہ اور نفیس کلام نقل کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں (۱۳/۵۰۷)

''المظفر السمعانی نے اس باب کی آیات واحادیث سے مذہب متکلمین کے فاسد ہونے پر استدلال کیا ہے، چنانچہ متکلمین اشیاء کو جسم، جوہر اور عرض کی طرف تقسیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک جسم سے مراد ہر وہ چیز جو مختلف اجزاء سے مل کر بنے، اور جوہر وہ چیز ہے جو عرض کو اٹھاتا ہے۔ اور عرض وہ چیز ہے جو اپنی ذات پر قائم نہیں ہو سکتی (بلکہ قائم ہونے کیلئے جوہر کی محتاج ہوتی ہے)۔ اسکے بعد انہوں نے روح کو عرض قرار دیا ہے، اور نتیجۃً ان تمام احادیث کو رد کر دیا ہے جن

میں روح کے جسم سے قبل پیدا ہونے کا ذکر ہے، نیز ان احادیث کو بھی جن میں عقل کا مخلوقات سے قبل پیدا ہونا مذکور ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے سارا اعتماد اپنے ظن وتخمین پر اور اپنے افکار ونظریات کے نتائج پر کیا...... اب وہ نصوصِ شرعی اپنے خود ساختہ نظریات پر پیش کرتے ہیں، جو نصِ شرعی ان نظریات کے موافق ہو اسے قبول کر لیتے ہیں اور جو مخالف ہو اسے رد کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تبلیغ دین کے مشن پر مأمور کیا ہے، اور سب سے مؤکد ومحکم چیز جسے پہنچا دینے کا حکم ہے وہ عقیدۂ توحید ہے، بلکہ توحید تو اصلِ دین اور اساسِ دین ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے امورِ دین کے تمام اصول، قواعد اور شرائع ایک نکتہ چھپائے بغیر بیان فرمادیئے، پورے دین میں یہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے متکلمین کے نظریات یعنی جوہر وعرض سے استدلال کی دعوت دی ہو، بلکہ آپ ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی ثابت نہیں...... جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ متکلمین ایک ایسی راہ پر چل نکلے ہیں کہ جو نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کی راہ سے یکسر مخالف ہے، اور اس مخالف راہ پر چلنے کیلئے انہوں نے جن اصول وقواعد کا سہارا لیا ہے وہ بالکل نئے اور انکے اپنے اختراع کردہ ہیں۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اپنی اس باطل راہ پر چل نکلنے کے بعد انہوں نے سلفِ کو اپنی قدح وطعن کا نشانہ بنالیا، انہیں قلتِ علم ومعرفت کا الزام دیا اور ان کے طریق کو مشتبہ قرار دے دیا۔

ہم تمام لوگوں کو متکلمین کے کلام ومقالات سے بچنے اور دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں ان کی تمام گفتگو کا مبنیٰ ریت کی دیوار کے سوا کچھ بھی نہیں، جبکہ انکے مقالات آپس میں ہی متضادات ومتناقض ہیں، ان کے کسی گروہ کا کوئی کلام آپ سنیں تو معاً کوئی دوسرا گروہ اس کی مخالفت کرتا ہوا دکھائی دے گا، تو ان کے سارے مذہب کی حقیقت یہی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مقابل، معارض اور مخاصم ہیں۔

ان کے مذہب کے قبیح اور فاسد ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر ہم ان کی راہ پر چلتے ہوئے

عامۃ الناس کو ان کا مذہب اختیار کرنے کی دعوت دینگے، تو شاید ان سب کا کافر ہونا لازم آجائے، کیونکہ عامۃ الناس تو سیدھی سادھی اتباع کو پہنچاتے ہیں، اور متکلمین کا راستہ اور اسلوب اتنا گنجلک ہے کہ عامۃ الناس اسے سمجھ ہی نہیں سکتے، صاحب نظر ہونا تو بہت دور کی بات ہے، عامۃ الناس کی اختیار توحید کی حد اور غایت اسی قدر ہے کہ انہوں نے عقائد دین میں ائمۂ سلف کو جس راہ پر چلتے ہوئے پایا اس کو سینے سے چمٹا لیا اور دانتوں تلے دبا لیا، بڑی سادہ دلی کے ساتھ عبادات واذکار کی مسلسل آدائیگی میں مصروف ہیں اور ان کا منہج شکوک وشبہات سے قطعی پاک ہے، وہ اپنے معتقدات سے دستبردار ہونے کیلئے قطعا تیار نہیں خواہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں۔انہیں یقین کی پختگی اور عقیدہ کی سلامتی مبارک ہو، یہ لوگ سوادِ اعظم اور جمہور امت ہیں، اگر انہیں کافر قرار دیا جائے تو پھر اسلام کی بساط کے سمیٹ دیئے جانے اور اس کی بنیادوں کو ڈھا دینے کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا۔" واللہ اعلم

واضح ہو کہ ابو المظفر کے کلام میں خلقِ عقل کا جو ذکر ہے وہ محلِ نظر ہے، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے "المنار المنیف" (۵۰) میں خلقِ عقل والی تمام روایات کو موضوع اور مکذوب قرار دیا ہے۔

ابو الفتح الازدی فرماتے ہیں کہ خلقِ عقل کے بارہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ابو جعفر العقیلی اور ابو حاتم ابن حبان نے بھی یہی فرمایا ہے۔واللہ اعلم

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں علماءِ سلف کے ایک بڑی جماعت کے اقوال جمع کیئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا بلا تشبیہ، بلا تحریف اور بلا تعطیل اثبات کیا جائے، پھر اس بات کو ایک عمدہ اور نفیس کلام سے ختم کیا: فرماتے ہیں: (ج ۱۳ر ۴۰۷، ۴۰۸)

" بیہقی نے ابوداود الطیالسی کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید، حماد بن سلمۃ، شریک اور ابو عوانۃ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارہ میں تحدید کے قائل تھے نہ تشبیہ

کے، وہ صفاتِ باری تعالیٰ پر مشتمل احادیث روایت کرتے لیکن صفات کی کیفیت کے تعلق سے کبھی ایک حرف بھی نہ کہا۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں ہمارا مسلک بھی یہی ہے، اور امام بیہقی فرماتے ہیں: ہمارے اکابرین اسی منہج پر قائم و مستمر رہے"

امام لالکائی نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن الحسن الشیبانی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"مشرق سے لیکر مغرب تک کے تمام فقہاء قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ میں وارد اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر بلا تشبیہ اور بلا تفسیر ایمان لانے پر متفق ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی جہم بن صفوان کے قول سے تفسیر کرنے کی کوشش کرے وہ نبی ﷺ اور اصحاب کرام کے منہج سے خارج ہوگیا اور جماعتِ حقہ سے علیحدگی اختیار کرلی، کیونکہ وہ شخص رب سبحانہ وتعالیٰ کو معدوم ہونے کے ساتھ متصف قرار دے رہا ہے۔"

ولید بن مسلم فرماتے ہیں: "میں نے اوزاعی، مالک، سفیان ثوری اور لیث بن سعد سے ان احادیث کی بابت پوچھا جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات مذکور ہیں، تو ان سب نے جواب دیا: ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح وارد ہوئی ہیں اسی طرح بلا کیفیت قبول کرلو۔"

ابنِ ابی حاتم نے "مناقب الشافعی" میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "اللہ تعالیٰ کے کچھ اسماء وصفات ہیں کسی کے پاس ان کے رد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور جس شخص نے ثبوتِ حجت کے بعد کسی صفت کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا، البتہ اقامتِ حجت سے قبل وہ جہل کی بناء پر معذور قرار دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم عقل، رؤیت یا تفکیر سے حاصل نہیں ہوتا، لہذا ہم ان صفات کو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کریں گے اور تشبیہ کی نفی کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود تشبیہ کی نفی کردی ہے، فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ ترجمہ: "اس کے مثل کوئی چیز نہیں"

بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ احمد بن ابی الحواری کے واسطے سے سفیان بن عیینہ کا یہ قول نقل کیا

ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر جو اپنی صفات بیان کی ہیں، ان کی تفسیر یہ ہے کہ ان کی تلاوت کرو اور پھر خاموش ہو جاؤ"

اور ابو بکر الضبعی کے طریق سے سفیان بن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"قولہ تعالیٰ ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ میں اھل السنۃ کا مذہب یہ ہے کہ اسے بلا کیفیت قبول کیا جائے"

سلفِ صالحین سے اس بارہ میں بے شمار آثار ملتے ہیں اور یہی امام شافع اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا منہج ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع میں نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں حدیثِ ابی ھریرۃ کے تحت فرماتے ہیں: "اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے عرش پر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں اپنا یہ وصف بیان فرمایا ہے، بہت سے اہلِ علم نے اس حدیث اور اس جیسی دیگر صفات کے متعلق یہی کہا ہے۔"

اسی طرح "فضل الصدقة" کے باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" یہ تمام روایات ثابت ہیں، لہذا ہم ان پر ایمان لاتے ہیں، اور کسی وہم کا شکار نہیں ہوتے، اور نہ ہی اس صفت کی کیفیت کا سوال کرتے ہیں۔ امام مالک، سفیان بن عیینہ اور عبد اللہ بن مبارک سے یہی منقول ہے کہ وہ ان صفات کو بلا کیفیت قبول کرتے تھے، اور اہل السنۃ والجماعۃ کے اہل علم کا بھی یہی قول ہے، البتہ جمیہ ان صفات کو تشبیہ قرار دیکر انکار کرتے ہیں، اسحٰق بن راھویہ فرماتے ہیں: تشبیہ تو تب ہو جب یوں کہا جائے کہ اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا اور اس کا سننا ہمارے سننے جیسا ہے"

سورۃ المائدۃ کی تفسیر میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أ ئمہ کرام فرماتے ہیں: ہم ان احادیثِ (صفات) پر بلا تاویل ایمان لاتے ہیں۔ ان أئمہ میں سفیان ثوری، مالک، ابن عیینہ اور ابن المبارک کے نام قابلِ ذکر ہیں۔"

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں: "اہل السنہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کہ جو کتاب وسنت میں وارد ہیں کے بلا کیف اقرار پر متفق ہیں، البتہ گمراہ فرق جہمیہ، معتزلہ اور خوارج کا کہنا ہے کہ ان صفات کو ماننے والا مشبہ ہے" (فسما هم من أقر بها معطلة)

امام الحرمین "الرسالة النظاميه" میں فرماتے ہیں:

"صفاتِ باری تعالیٰ کے ظواہر کے بارہ میں علماءِ کرام کے مختلف مسالک ہیں، بعض تو آیاتِ قرآنی اور صحیح احادیث میں وارد شدہ صفات میں تاویل کے قائل ہیں، بلکہ وہ بالالتزام تاویلیں کرتے ہیں۔ جبکہ ائمہ سلف تاویل سے یکسر گریز کرتے ہیں، ان کا منہج یہ ہے ان ظواہر کو ان کے اصلی موارد پر محمول کریں اور معانی (حقیقت وکیفیت) کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ رائے اور بہترین عقیدہ ومنہج، ائمہ سلف کی اتباع ہے، کیونکہ اجماعِ امت کے حجت ہونے پر قطعی دلیلیں موجود ہیں۔ اگر ان ظواہر کی تاویل ہی ضروری ہوتی تو أئمہ سلف فروعِ شریعت سے کہیں بڑھ کر اس کا اہتمام کرتے، لیکن اس کے برعکس صحابہ کرام اور تابعین عظام کا پورا زمانہ صفاتِ باری تعالیٰ میں تاویل کرنے سے گریز کرتے ہوئے گزر گیا تو پھر یہی منہج قابلِ اتباع ہے۔"

اور تیسرے دور کے مختلف علاقوں کے علماء وفقہاء مثلاً: سفیان ثوری، اوزاعی، مالک، لیث بن سعد اور ان کے ہم عصر علماء اور ان سے روایت لینے والے بہت سے أئمہ کرام کے اقوال گزر چکے ہیں (ان سب کا منہج صفاتِ باری تعالیٰ کو بلا تشبیہ وتکییف وتاویل قبول کرنے کا تھا)۔

تو پھر اس منہج پر کیوں نہ اعتماد ویقین کیا جائے جس پر قرونِ ثلاثہ کے علماء متفق تھے، جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ صاحب شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان قرونِ ثلاثہ کے متعلق سب سے

بہترین قرون ہونے کی شہادت دی ہے۔

امام الحرمین جوینی کے کلام میں جو یہ بات آئی ہے کہ ائمہ سلف صفات کے معانی کی تفویض کے قائل تھے، درست نہیں ہے۔ ائمہ سلف معانی کی تفویض کے نہیں بلکہ صفات کی کیفیت کی تفویض کے قائل تھے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ، جب ان سے استواء علی العرش کی کیفیت کی بابت سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش معلوم ہے لیکن کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی کیفیت کا سوال بدعت ہے۔



الفائدة الثانية

وسطية أهل السنة والجماعة في العقيدة بين فرق الضلال.

دوسرا فائدہ:

أهل السنة والجماعة کا دیگر گمراہ فرقوں کے مابین وسطیت واعتدال پر قائم رہنا

ہمارے نبی محمد ﷺ کی امت دیگر امتوں کے مقابلے میں وسطیت اور اعتدال پر قائم ہے، چنانچہ یہود ونصاریٰ میں افراط وتفریط کے اعتبار سے بڑا تضاد ہے، یہودیوں نے انبیاءِ کرام کے حق میں اس قدر ظلم وزیادتی کا مظاہرہ کیا کہ بعض انبیاء کو قتل تک کردیا جبکہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کے تعلق سے ایسا غلو اختیار کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود ٹھہرادیا، یہ عقیدہ کے اندران کے تضاد کی مثال ہے۔ احکام کے اندر افراط وتفریط کے لحاظ سے تضاد کی دلیل یہ ہے کہ یہودی اپنی حائضہ عورتوں کے ساتھ کھانا پینا بلکہ قریب بیٹھنا تک بند کردیتے ہیں، جبکہ نصاریٰ نے اس کے برعکس تفریط کا راستہ اختیار کیا ایسی عورتوں کے ساتھ جماع تک کرلیتے تھے۔

جس طرح امتِ محمدیہ دیگر امتوں کے افراط وتفریط کے مقابلے میں وسطیت واعتدال پر قائم ہے، اسی طرح اہلِ السنۃ والجماعۃ اس امت میں بنے ہوئے دیگر فرقوں کے افراط وتفریط کے مقابلے میں وسطیت واعتدال پر قائم ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) اہل السنۃ والجماعۃ صفاتِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں معطلہ اور مشبہ کی افراط وتفریط کے مقابلے میں طریق وسط پر قائم ہیں، چنانچہ مشبہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو قبول تو کیا لیکن اتنی بڑی کوتاہی کے مرتکب ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مخلوق کے ساتھ تشبیہ وتمثیل کے عقیدۂ باطلہ کو اپنا بیٹھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور وہ ہمارے ہاتھوں جیسا ہے، اور اس کا چہرہ ہے اور وہ ہمارے چہروں جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عقیدہ سے بہت بلند اور منزہ ہے۔

اس کے مقابلے میں معطلہ نے خود ہی یہ مفروضہ گھڑ لیا کہ اثباتِ صفات، تشبیہ کو مستلزم ہے،

لہٰذا انہوں نے صفات کی تعطیل وانکار کا عقیدہ اپنالیا، اس طرح وہ بزعمِ خویش اللہ تعالیٰ کی مشابہت مخلوق سے تنزیہ کر رہے ہیں، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ اس سے بھی بدترین تشبیہ میں داخل ہو چکے ہیں، اور وہ ہے خالق کی معدومات سے تشبیہ...... کیونکہ ایسی کسی ذات کا تصور موجود نہیں ہے جو صفات سے خالی ہو۔

أھل السنۃ والجماعۃ اس افراط وتفریط کے مقابلے میں ایک درمیانی راہ پر قائم ہیں، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس طرح اثبات ہو کہ وہ ہر قسم کی تشبیہ وتمثیل سے پاک ہو...... اور صفاتِ نقص سے اس طرح تنزیہ کی جائے کہ وہ ہر قسم کی تعطیل سے پاک ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ أھل السنۃ والجماعۃ اللہ تعالیٰ کیلئے سمع وبصر کی صفات ثابت کرتے ہیں کیونکہ ان دونوں صفات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیئے ثابت کیا ہے، اس طرح وہ تعطیل وانکار سے بچ گئے، پھر أھل السنۃ والجماعۃ اثباتِ صفات کے ساتھ ساتھ تنزیہ کے بھی قائل ہیں اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، مخلوق کی صفات سے قطعی مماثل ومشابہ نہیں ہیں، چنانچہ مشبہ کے پاس اثبات ہے لیکن تشبیہ کے ساتھ، اور معطلہ کے پاس تنزیہ ہے لیکن تعطیل کے ساتھ، یعنی أھل السنۃ والجماعۃ نے اس تعلق سے ہر دو گروہوں کی خوبی لے لی اور وہ اثبات اور تنزیہ ہے، اور ہر دو گروہوں کی برائی سے اپنے آپ کو بچالیا اور وہ تشبیہ اور تعطیل ہے۔

معطلہ أھل السنۃ والجماعۃ کو مشبہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں جو جھوٹ پر مبنی ہے؛ کیونکہ ان کے ہاں اثبات کا تشبیہ کے بغیر کوئی تصور نہیں ہے، جبکہ أھل السنۃ والجماعۃ کا کہنا ہے کہ معطلہ کا عقیدہ معبود کی نفی وانکار پر قائم ہے۔

۱

حافظ ابن عبد البر "التمہید" (۱۴۵/۷) میں فرماتے ہیں:

"اہل بدعت، جہمیہ، معتزلہ اور خوارج صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور کسی صفت کو اس کی اصل حقیقت پر محمول نہیں کرتے، اور وہ اپنے زعم میں صفات کا اقرار کرنے والوں کو مشبہ

سمجھتے ہیں، حالانکہ صفات باری تعالیٰ کا اقرار کرنے والے "اہل السنۃ والجماعۃ" انہیں معبود کی نفی وانکار کرنے والا قرار دیتے ہیں"

امام ذہبی نے ابن عبدالبر کا یہ قول "کتاب العلو" (۲۶۱۳) میں نقل کر کے اس پر درج ذیل تعلیق لگائی ہے:

اللہ کی قسم ابن عبدالبر نے بالکل سچ کہا ہے کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تاویلیں کرتے ہیں اور انہیں مجاز پر محمول کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی ذات کی نفی وتعطیل اور اس کے معدوم کے مشابہ ہونے کے عقیدۂ باطلہ میں مبتلا ہو گئے، جیسا کہ حماد بن زید کا قول ہے، فرماتے ہیں: جہمیہ کی مثال اس قوم جیسی ہے جو کہے ہمارے گھر میں کھجور کا درخت ہے، ان سے پوچھا گیا:

اس کی شاخیں ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

اس کی ٹہنیاں ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

اس میں تازہ پھل اور خوشے ہیں؟ جواب دیا نہیں۔

اس کا تنا ہے؟ جواب دیا نہیں۔

تو اس قوم سے یہی کہا جائے گا: تمہارے گھر میں کھجور کا کوئی درخت نہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے صفات کی نفی کر رہا ہے وہ درحقیقت معبود کی نفی کر رہا ہے، اس لیئے کہ ایسی کسی ذات کا وجود نہیں جو صفات سے خالی ہو۔ اس لیئے حافظ ابن القیم اپنے قصیدۂ نونیہ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"مشبہ صنم کا پجاری ہے، جبکہ معطل عدم کا، اور موحد اس الٰہ کی عبادت کرتا ہے، جو واحد وصمد ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ ذات سمیع وبصیر ہے۔"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"معطل کا دل عدم کے ساتھ معلق ہے، اور وہ احقر الحقیر چیز ہے، جبکہ مشبہ کا دل صنم کے

ساتھ معلق ہے جو تصویروں اور اندازوں سے گھڑا اور تراشا جاتا ہے، جبکہ موحد کا دل اس ذات کی پرستش کر رہا ہے، جس جیسی کوئی چیز نہیں ہے، اور وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے"

(۲) أھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ افعالِ عباد کے تعلق سے جبریہ اور قدریہ کے افراط وتفریط کے درمیان واقع ہے۔

جبریہ، بندوں سے ہر قسم کے اختیار کی نفی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بندوں سے جو اعمال وافعال سرزد ہورہے ہیں وہ بلا قصد واختیار سرزد ہورہے ہیں، جس طرح کے درختوں کی شاخوں اور پتوں کی حرکت غیر اختیاری ہے۔ جبکہ قدریہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بندہ اپنے ہر طرح کے افعال کا خود ہی خالق ہے۔ جبکہ أھل السنۃ والجماعۃ، بندے کیلئے اس حد تک مشیئت واختیار ثابت کرتے ہیں جسے بروئے کار لا کر وہ اجر وثواب یا عذاب وعقاب کا مستحق بنتا ہے، لیکن وہ بندے کو اس مشیت واختیار میں مستقل نہیں سمجھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے تابع قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِمَنْ شَاءَ مِنكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ .وَمَا تَشَاءُ وْنَ اِلَّآاَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ﴾

ترجمہ: "(یہ قرآن نصیحت ہے بالخصوص) اس کیلئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا ہے۔ اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے" (التکویر:۲۸،۲۹)

اور یہ عقیدہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں اور ان کے تمام افعال کا خالق ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصافات:۹۶)

ترجمہ: "حالانکہ تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو، کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے"

(۳) أھل السنۃ والجماعۃ، وعد ووعید کے باب میں مرجئہ اور خوارج ومعتزلہ کی افراط وتفریط کے مابین اعتدال کی راہ پر قائم ہیں۔

مرجئہ کا عقیدہ ہے کہ جس طرح کفر کی حالت میں کی گئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، اسی طرح ایمان کی حالت میں کیئے گئے گناہ کا کوئی نقصان نہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا اعتماد صرف نصوصِ وعد پر ہے جبکہ نصوصِ شرعیہ کو انہوں نے مہمل ومعطل قرار دے دیا ہے۔ نصوصِ وعد سے مراد ثواب وبشارت پر مشتمل آیات واحادیث ہیں، جبکہ نصوصِ وعید سے مراد وہ آیات واحادیث جن میں سزا اور عذاب وعقاب کا ذکر ہے۔ گویا مرجئہ اس قدر تفریط کا شکار ہیں کہ ان کے نزدیک گناہ کا کوئی نقصان نہیں...... اس کے برخلاف خوارج ومعتزلہ کا افراط ہے، جنہوں نے ایک کبیرہ گناہ کے مرتکب کو دنیا میں ایمان سے خارج قرار دے دیا اور آخرت میں اس کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنمی ہونے کا عقیدہ اپنالیا۔ خوارج ومعتزلہ نے یہ عقیدہ اختیار کرنے کیلئے نصوصِ وعید پر اکتفاء کرلیا اور نصوصِ وعد کو پسِ پشت ڈال دیا۔ جبکہ أھل السنۃ والجماعۃ نے نصوصِ وعد اور نصوصِ وعید دونوں کو ساتھ ساتھ لیا، ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ تو ایمان سے خارج ہے اور نہ آخرت میں مخلد فی النار ہے، بلکہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا چاہے عذاب دے دے اور چاہے معاف فرمادے، اگر عذاب دے گا تو ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھے گا جس طرح کہ کفار کیلئے جہنم کی ہیشگی ہے، بلکہ اسے جہنم سے بالآخر نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

(۴) أھل السنۃ والجماعۃ، ایمان کے باب میں مرجئہ اور خوارج ومعتزلہ کی افراط وتفریط کے مابین اعتدال کی راہ پر قائم ہیں۔

اس سلسلہ میں مرجئہ کی تفریط یہ ہے کہ وہ نافرمان مؤمن کو کامل الایمان تصور کرتے ہیں۔ اور خوارج ومعتزلہ کی تفریط یہ ہے کہ وہ نافرمان مؤمن کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد خوارج تو اس کے کافر ہونے کا حکم لگاتے ہیں، لیکن معتزلہ کے نزدیک وہ ایمان سے خارج تو ہے لیکن کفر میں داخل نہیں، بلکہ ایمان وکفر کے درمیان ایک ٹھکانے پر کھڑا ہے۔

أھل السنۃ والجماعۃ، نافرمان مؤمن کو ناقص الایمان تصور کرتے ہیں، اسے نہ تو مرجئہ کی

طرح کامل الایمان تصور کرتے ہیں کہ یہ تفریط کا راستہ ہے، اور نہ ہی خوارج و معتزلہ کی طرح ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں کہ یہ افراط کا راستہ ہے۔ بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہنے کی بناء پر مؤمن ہے، اور کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہے، نہ تو اسے ایمان مطلق کا پروانہ دیتے ہیں اور نہ ہی اس سے مطلق ایمان کا حکم سلب کرتے ہیں۔

أھل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایک بندے کے اندر ایمان اور معصیت اور محبت و بغض کا جمع ہونا ممکن ہے، چنانچہ اس کے اندر موجود ایمان کی بناء پر اس سے محبت کی جائے، اور اس سے فسق و فجور کے ارتکاب کی بناء پر بغض رکھا جائے۔ محبت و بغض کے اس اجتماع کو بڑھاپے کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، بڑھاپا انتہائی پسندیدہ بھی ہے اور انتہائی ناپسندیدہ بھی، پسندیدہ اس وقت جب اس کے مابعد یعنی موت کو دیکھا جائے، اور ناپسندیدہ اس وقت جب اس کے ماقبل یعنی جوانی کو دیکھا جائے، جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

الشیب کرہٌ وکرہٌ ان نفارقَہ

فاعجب لشیءٍ علی البغضاءِ محبوب

بڑھاپا ناپسندیدہ ہے لیکن اس سے مفارقت اور بھی ناپسندیدہ ہے (کیونکہ مفارقت کا مطلب موت ہے) لہٰذا ناپسندیدگی کے باوجود اسے پسند کیئے رہو۔

(۵) أھل السنۃ والجماعۃ، خوارج وروافض کے اندر موجود افراط و تفریط کے مابین مذہب اعتدال پر قائم ہیں۔

چنانچہ افراط یہ ہے کہ انہوں نے علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ موجود صحابۂ کرام کو کافر کہا، ان سے قتال کیا اور ان کے اموال کو حلال سمجھا۔ دوسری طرف روافض کی تفریط ملاحظہ کیجیے کہ انہوں نے علی، فاطمہ اور انکی اولاد رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ انہیں معصوم قرار دینے لگے، اور دوسری طرف تمام صحابہ کو اپنے بغض اور سب و شتم کا نشانہ بنایا۔

أھل السنۃ والجماعۃ تمام صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں، ان کے ساتھ دوستی اور ولاء قائم کرتے ہیں، اور انہیں انکے اصل مقام ومرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں، اور کسی صحابی کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اس سلسلہ میں امام طحاوی أھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور کسی کی محبت میں نہ تو افراط وغلو کے قائل ہیں اور نہ ہی کسی صحابی سے بغض وبراء کا نظریہ رکھتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کا بغض رکھنے والا اور انہیں کلمۂ خیر سے یاد نہ کرنے والا ہمارے نزدیک نفرت وبغض کا مستحق ہے۔ ہم ہمیشہ خیر کے ساتھ صحابہ کا ذکر کرتے ہیں، انکی محبت دین، ایمان اور احسان ہے، جبکہ ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔ "

امام طحاوی کا یہ فرمان: "ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں" کا مطلب یہ ہوا کہ أھل السنۃ أصحاب رسول کے بارہ میں اس جفاء سے پاک صاف اور بری ہیں جس میں روافض وخوارج مبتلا تھے۔ اور ان کا یہ فرمانا: "ہم کسی کی محبت میں افراط وغلو کے قائل نہیں" کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان سے محبت کے تعلق سے ہر قسم کے غلو سے پاک ہیں۔ چنانچہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں اس طرح ہم جفاء میں مبتلا نہیں اور اس محبت میں کسی قسم کا غلو روا نہیں رکھتے اس طرح ہم مبتلائے غلو بھی نہیں ہیں۔

واضح ہو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان امور کو کہ جن میں أھل السنۃ والجماعۃ، بقیہ فِرَق کے درمیان راہِ اعتدال پر قائم ہیں کو "العقیدۃ الواسطیۃ" میں اجمالاً بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

" أھل السنۃ والجماعۃ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارہ میں أھل تعطیل جہمیہ اور اہل تمثیل مشبہ کی افراط وتفریط اور افعالِ عباد میں جبریہ اور قدریہ کی افراط وتفریط، اور وعد ووعید کے باب میں مرجئہ

اور خوارج کی افراط وتفریط، اور ایمان ودین کے باب میں خوارج ومعتزلہ اور مرجئہ وجہمیہ کی افراط وتفریط اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے بارہ میں رافضہ اور خوارج کی افراط وتفریط کے مابین راہ اعتدال پر قائم ہیں۔"

الفائدة الثالثة

عقيدة أهل السنة والجماعة مطابقة للفطرة .

تیسرا فائدہ:

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے مطابق ہے۔

صحیح بخاری (۱۳۸۵) اور صحیح مسلم (۲۶۵۸) میں (اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں) ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: [ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں......]

صحیح مسلم (۲۸۶۵) میں عیاض بن حمار المجاشعی ؓ سے مروی ہے، (حدیث قدسی) اللہ تعالی فرماتا ہے:

[......اور میں نے تو اپنے تمام بندوں کو حنفاء پیدا کیا ہے مگر شیاطین نے ان کے پاس آکر انہیں ان کے دین سے برگشتہ کردیا، اور میری حلال کردہ أشیاء کو حرام کردیا، اور انہیں میرے ساتھ شرک کرنے کا حکم دے دیا، حالانکہ شرک ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے]

یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کررہی ہیں کہ دین اسلام، دین فطرت ہے، اور أھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے مطابق ہے، یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم (۵۳۷) میں معاویہ بن الحکم السلمی کی روایت کہ جس میں لونڈی کا قصہ مذکور ہے، چنانچہ معاویہ بن الحکم نے نبی ﷺ سے پوچھا: [کیا میں اسے آزاد کردوں؟ تو نبی علیہ السلام نے (یہ جاننے کیلئے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں) فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ چنانچہ معاویہ فرماتے ہیں: میں لے آیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا: اللہ

کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان پر، آپ ﷺ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے آزاد کردو بے شک یہ مؤمنہ ہے۔......]

اس لونڈی نے اپنی فطرتِ سلیمہ سے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ. اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴾ (الملک:۱۶،۱۷)

ترجمہ: ''کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے۔ یا کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا''

ان دونوں آیتوں سے بصراحت اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ ''السماء'' سے مراد یا تو علو یعنی بلندی ہے اور یا ''في'' بمعنیٰ ''علی'' ہے، جیسا کہ قولہ تعالیٰ: ﴿ وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ﴾ میں ''في'' ''علی'' کے معنیٰ میں ہے۔ جو لوگ مبتلائے مرضِ علمِ کلام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علو کو علوِ قدر و مرتبہ اور علوِ قہر پر محمول کرتے ہیں (علوِ ذات نہیں مانتے) جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علو سے علوِ قدر، علوِ قہر اور علوِ ذات سب مراد ہیں۔

بعض متکلمین سے ایسی عبارات منقول ہوئی ہیں جن میں وہ یہ اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ''نجات و سلامتی کا راستہ ہماری فلسفیانہ موشگافیاں نہیں، بلکہ ہماری بوڑھی بزرگ خواتین کا عقیدہ ہے جو انتہائی سادہ اور فطرت کے عین مطابق ہے۔''

شارح الطحاویۃ نے ابو المعالی الجوینی کا ایک کلام نقل کیا ہے جس میں وہ علمِ کلام کی مذمت کرتے ہیں: (اپنی عمر کا ایک طویل حصہ علمِ کلام کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے گزارنے والا یہ شخص بالآخر) اپنی موت کے وقت کہہ گیا:

"میں اپنی والدہ کے عقیدہ پر مرتا ہوں"

یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ: "میں نیشاپور کے بوڑھے بزرگوں کے عقیدہ پر مرتا ہوں"

امام رازی جو متکلمین کے سرخیل شمار ہوتے ہیں، "لسان المیزان" (۴/۴۲۷) میں ان کے ترجمہ میں ہے:

"وہ اصولِ کلام میں تبحرِ علمی کے باوجود کہا کرتے تھے کہ کامیاب تو وہی ہوگا جو عجائز یعنی بوڑھی خواتین کے سادہ اور مطابقِ فطرت عقیدے کو اپنا لے"

ابو محمد الجوینی جو امام الحرمین کے والد ہیں، اپنے اشعری مشائخ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جو شخص اتنا کچھ پڑھ لینے کے باوجود اب تک اپنے معبود کی جہت کو نہیں پہنچان پایا، اور ایک بکریاں چرانے والی لونڈی (جس نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اللہ آسمان میں ہے) اس سے زیادہ اللہ کو جانتی ہے، تو پھر اس پڑھے لکھے شخص کا دل ہمیشہ اندھیروں اور تاریکیوں میں بھٹکتا رہے گا جو ایمان و معرفت کے انوار سے کبھی منور نہیں ہو سکے گا۔"

("مجموعة الرسائل المنيرية" (۱/۱۸۵)

"طبقات ابن سعد" (۵/۳۷۴) میں، صحیح مسلم کی شرط پر جعفر بن برقان سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک شخص عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا، اور بدعات واھواء کے تعلق سے کچھ باتیں پوچھیں، تو آپ نے فرمایا:

"ان بڑے بڑے لکھاریوں کے بیچ (خالص الفطرت) بچے اور اعرابی کے عقیدے کو تھام لو، اور اس کے سوا ہر چیز بھول جاؤ"

امام نووی نے بھی "تھذیب الأسماء واللغات" (۲/۲۲) میں یہ قول ان کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

الفائدة الرابعة

الكلام في الصفات فرع عن الكلام في الذات والقول في بعض الصفات كالقول في البعض الآخر.

چوتھا فائدہ:

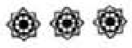
صفاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو ذاتِ باری تعالیٰ میں
گفتگو کی فرع ہے، اور بعض صفاتِ باری تعالیٰ میں
گفتگو دیگر صفاتِ باری تعالیٰ میں گفتگو کی طرح
ہے

اہل السنۃ والجماعۃ اللہ تعالیٰ کیلئے تمام اسماء وصفات جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادیئے، ثابت کرتے ہیں، اور اس طرح ثابت کرتے ہیں جس طرح اس ذات کے جمال وکمال کے لائق ہے۔ اور اثباتِ صفات میں کسی قسم کی تکییف یا تمثیل یا تاویل کا نہ تو ارتکاب کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں روا سمجھتے ہیں۔

جہمیہ اور معتزلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو ثابت کرتے ہیں لیکن صفات کا انکار کرتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کلام، اس کی ذات میں کلام کی فرع ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کو بایں طور مانتے ہو کہ وہ ذات مخلوقات کی ذات کے مشابہ نہیں ہے، ویسی ہی اس کی وہ صفات جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں انہیں اسی طرح مان لینا چاہیئے کہ وہ مخلوقات کی صفات کے مماثل ومشابہ نہیں۔ یعنی ذات کی طرح صفات کو مان لینے میں کیا مانع ہے؟

اسی طرح اشاعرہ جو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بلاتاویل مانتے ہیں، لیکن بقیہ صفات میں تاویل کرتے ہیں، ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں کلام، دیگر صفات میں کلام ہی کی طرح ہے، جب تم بعض صفات کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ انہیں بلاتاویل مان لینا چاہیئے جیسا کہ اس ذات کے لائق ہے، تو بقیہ صفات کے بارہ میں یہ عقیدہ کیوں نہیں رکھتے کہ انہیں بھی

بلاتاویل، جیسا اس ذات کے لائق ہے مان لیا جائے؟ ان دونوں قواعد کی مکمل توضیح کیلئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے رسالہ "التدمریة" (۳۱،۳۶) کی طرف مراجعت کیجائے۔



الفائدة الخامسة

السلف ليسوا مؤولة ولا مفوضة .

پانچواں فائدہ :

سلفِ صالحین اسماء وصفات میں نہ تو تاویل کے قائل تھے اور نہ ان کے معنی میں تفویض کے قائل تھے

یہ بات معلوم ہے کہ سلفِ صالحین، صحابہ وتابعین، قرآن وحدیث سے ثابت اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کو اس طرح مانتے تھے جیسے اس ذات کے جمال وکمال کے لائق ہے، اور اس بارہ میں تشبیہ، تعطیل یا تکییف کے روا ہونے کے قطعاً قائل نہیں تھے...... لیکن خلف یعنی بعد میں آنے والوں کا عقیدہ اس کے برخلاف ہے۔ کیونکہ وہ صفات باری تعالیٰ میں تاویلیں کرتے ہیں اور انہیں معنی باطل کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اسی طرح مفوضہ کا طریقہ بھی، سلفِ صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔

مفوضہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے قائل ہیں، یعنی ان کا کہنا ہے کہ ان صفات کا معنی بھی اللہ جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ مؤولہ یعنی تاویل کرنے والا گروہ، مفوضہ کے اس عمل کو سلفِ صالحین کا طریقہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے، سلفِ صالحین صفات کے معانی کی تفویض نہیں کرتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کی تفویض کرتے تھے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے، جب ان سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت کے بارہ میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: " الاستواء معلوم، والكيف مجهول

والایمان بہ واجب، والسؤال عنہ بدعۃ" یعنی اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا معنی معلوم ہے، لیکن استواء کی کیفیت مجہول ہے، لہٰذا استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیت کا سوال بدعت ہے۔

ثابت ہوا کہ سلفِ صالحین صفات کے معنی کی تفویض نہیں کرتے تھے، بلکہ صفات کی کیفیت کی تفویض کرتے تھے۔ اب جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام کا طریقہ معانی صفات میں تفویض کرنا تھا، وہ تین انتہائی خوفناک گناہوں کا مرتکب بن جاتا ہے:

(۱) ایک اس کا سلفِ صالحین کے مذہب سے جاہل ہونا۔

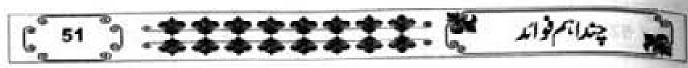
(۲) دوسرا اس کا سلفِ صالحین کو جاہل قرار دینا۔

(۳) تیسرا اس کا سلفِ صالحین پر جھوٹ باندھنا۔

جہاں تک اس کے سلفِ صالحین کے مذہب سے جاہل ہونے کا تعلق ہے، تو اس کی وجہ واضح ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا قول جو ابھی گزرا اس سے منہجِ سلف کا صاف پتا چل رہا ہے، لیکن یہ شخص سلفِ صالحین کا مذہب جانتا ہی نہیں۔

جہاں تک اس کا سلفِ صالحین کو جاہل قرار دینے کا تعلق ہے، تو یہ بھی واضح ہے، کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ سلفِ صالحین صفات کے معانی کی تفویض کرتے تھے، تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ انہیں صفات کے معانی کا فہم حاصل نہیں تھا، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت پر یہی بات کہنے پر اکتفاء کر لیتے تھے کہ اس کا معنی اللہ ہی جانتا ہے، (اور یہ باطل ہے)

جہاں تک اس کے سلفِ صالحین پر جھوٹ باندھنے کا تعلق ہے تو یہ بھی واضح ہے کیونکہ اس نے ایک باطل مذہب کو سلفِ صالحین کی طرف منسوب کیا ہے، جس سے وہ بالکل بری تھے۔



الفائدة السادسة

کل من المشبهة والمعطلة جمعوا بين التمثيل والتعطيل .

چھٹا فائدہ:

مشبہ اور معطلہ دونوں نے اپنے اپنے عقیدے میں تمثیل وتعطیل کو جمع کردیا ہے

معطلہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو نہیں مانتے، بلکہ ان کی نفی اور تعطیل کے قائل ہیں۔ ان کا شبہ یہ ہے کہ صفات کے اثبات سے تشبیہ لازم آتی ہے۔ یہ شبہ اس لیئے پیدا ہوا کہ وہ صفاتِ باری تعالیٰ کا تصور، مخلوقات کی صفات کے مشاہدہ کی روشنی میں کر بیٹھے، چنانچہ اس غلط تصور نے انہیں نفیِ صفات اور تعطیلِ صفات کی وادی میں دھکیل دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک چیز سے بچنے کی کوشش میں اس سے بھی زیادہ بدترین چیز میں پھنس کر رہ گئے، کیونکہ انکے اس باطل عقیدہ کا ماحصل یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ معدومات (جن اشیاء کا وجود نہ ہو) کے مشابہ ہے، کیونکہ ایسی کسی ذات کا تصور ممکن نہیں جو صفات سے خالی ہو۔

ہم ایک مثال سے وضاحت کرتے ہیں، کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ثابت ہے جس کا ظاہری معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ الفاظ واصوات کے ساتھ کلام فرماتا ہے (جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے) اب جہمیہ اور معتزلہ نے بزعمِ خویش اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا وہ تصور ذہن میں بٹھالیا جو مخلوق کے طریقۂ کلام کے مشابہ ہوگا، پھر اس پر یہ لازم آئے گا کہ جس طرح مخلوق کلام کرنے کیلئے زبان، حلق اور ہونٹوں کی محتاج ہے اللہ تعالیٰ کیلئے بھی یہ سب ضروری ہوگا۔ اب چونکہ ان کے نزدیک یہ تمام چیزیں مخلوقات ہی میں متصور ہیں، تو اگر یہ مان لیں کہ اللہ تعالیٰ بھی کلام فرماتا ہے، تو اس کا مخلوقات کے مشابہ ہونا لازم آجائے گا، لہذا انہوں نے صفتِ کلام ہی کا انکار کردیا۔

جہمیہ نے جو خود ساختہ تصورات کی عمارت تعمیر کی ہے وہ کئی وجوہ سے باطل اور مردود ہے:

(۱) اثباتِ صفات اور تشبیہ میں کوئی تلازم نہیں ہے، کیونکہ اثبات یا تو تشبیہ کے ساتھ ہوگا، یا تنزیہ کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے صفت کے اثبات کا تشبیہ کے ساتھ ہونا باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ اب یہاں اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ سمع وبصر ثابت ہیں، اور ساتھ ساتھ مشابہت اور مماثلت کی نفی بھی ہے، اور یہی اللہ تعالیٰ کے جلال وکمال کے لائق ہے، اور یہی حق ہے، (لہذا اثباتِ صفت کیلئے لازماً تشبیہ کا تصور جہمیہ ومعتزلہ کا اپنا پیدا کردہ ہے، جو مردود ہے۔)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اثباتِ صفات سے تشبیہ لازم آنے کا ان کا جوزعم ہے، جس کی بناء پر یہ صفات کا انکار کر دیتے ہیں، بذاتِ خود ایک بہت بڑے اور بدترین محذور کے پیدا ہونے کا باعث بنتا ہے اور وہ ہے خالق کا معدومات کے مشابہ ہونا۔ اس کے بارہ میں اہلِ علم کا کچھ تبصرہ گزر چکا ہے، خصوصاً امام ذہبی نے حماد بن زید کے حوالے سے جو کھجور کی مثال بیان کی ہے جس میں کھجور والوں نے اپنے گھر کھجور کا درخت ہونے کا دعویٰ کیا لیکن جب ان سے کھجور کے درخت کی تمام صفات کا پوچھا گیا تو ہر صفت کی نفی کی، جس پر ان سے کہا گیا کہ تمہارے گھر میں کھجور کا درخت نہیں ہے۔ چنانچہ فائدہ نمبر (۳) میں اس کی تفصیل موجود ہے (خلاصہ یہ ہے کہ معطلہ نے تشبیہ کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا، تو اس ذات کو صفات سے معطل کر کے معدوم جیسا بنا دیا جو ان کے پیدا کیئے ہوئے محذور سے زیادہ محذور ہے)

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض مخلوقات کا کلام کرنا ثابت ہے اور وہ مخلوقات کے طریقۂ کلام سے یکسر مخالف ہے، چنانچہ بکری کی دستی جس میں نبی ﷺ کیلئے زہر ملا دیا گیا تھا نے نبی ﷺ سے بات کی اور آپ ﷺ کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی۔ (ابوداود، ۴۵۰۹، ۴۵۱۰)

صحیح مسلم (۲۲۷۷) میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہو جو میری بعثت سے قبل مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں]

یہ دنیا کے اندر بعض مخلوقات کے کلام کرنے کی مثالیں ہیں، آخرت میں بعض مخلوقات کے کلام کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴾ (یٰس:۶۵)

ترجمہ: "ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں لگادیں گے اوران کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اوران کے پاؤں گواہیاں دیںگے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے"

اور فرمایا: ﴿ حَتّٰٓی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ (فصلت:۲۰،۲۱)

ترجمہ: "یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اوران کی آنکھیں اوران کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اوراسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے"

کیا یہاں بھی کہو گے کہ دستی، پتھر، ہاتھوں اور پاؤں کا زبان، حلق اور ہونٹوں کے بغیر کلام ممکن نہیں ہے۔ جب ان مخلوقات کا کلام کرنا ثابت ہے اوروہ بھی اس طرح جو عام مخلوقات کے طریقہ کلام سے مختلف ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں اس کی صفتِ کلام کو مخلوق کے مشابہ قرار دینے کی کیا ضرورت اور مجبوری ہے؟

یہاں امر واجب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام برحق ہے، اس کا اثبات واجب ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اس کی شانِ کمال وجلال کے لائق ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ معطلہ نے تعطیل کے ساتھ ساتھ تشبیہ کا بھی ارتکاب کیا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو معدومات سے تشبیہ دیتے ہیں)

جس طرح معطلہ نے تشبیہ کا ارتکاب کیا ہے، اسی طرح مشبہ نے تعطیل کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ اگرچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات کیا ہے لیکن اسے مخلوقات کے مشابہ قرار دے دیا ہے..... چنانچہ وہ معطلہ بھی ہوگئے کیونکہ انہوں نے صفات کو اس طرح نہیں مانا جس طرح اللہ تعالیٰ کے لائقِ شان ہے۔ تو کیوں کہ یہ ماننا خلاف شریعت ہے لہذا وہ ماننے کے باوجود منکر اور معطل قرار پائے۔



الفائدة السابعة

متكلمون يذمون علم الكلام ويظهرون الحيرة والندم .

ساتواں فائدہ:

بعض متکلمین کا علمِ کلام کی مذمت کرنا اور علمِ کلام کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حیرت وندامت کا اظہار کرنا۔

أهل السنة والجماعة کا عقیدہ کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ﷺ کی دلیل، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم وارضاھم کے فہم پر مبنی ہے۔ یہ بہت ہی ستھرا، روشن، واضح اور بین عقیدہ ہے جس میں ابہام یا پیچیدگی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان لوگوں کے برخلاف، جنہوں نے عقیدہ کے سلسلہ میں عقول پر اعتماد کیا، نقول (یعنی قرآن وحدیث) میں من مانی کی، تاویلیں کیں اور مذموم قسم کے علمِ کلام پر اپنے معتقدات کی بناء قائم کردی۔ جبکہ علمِ کلام کے نقصانات سے توان لوگوں نے بھی

آگاہ کیا جو ایک عرصہ اس علم کے ساتھ منسلک ومجتمع رہے، بلکہ ایک فضول اور بے مقصد کام میں تضیعِ اوقات پر نیز حق تک رسائی حاصل نہ ہونے پر ندامت وخجالت کا اظہار کرتے رہے۔ ان کا انجام کار تحیر، سرگردانی اور ندامت کے سوا کچھ نہ ہوتا، البتہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علمِ کلام کے ترک اور طریقہ سلف کی اتباع کی توفیق دے دی۔ انہوں نے پھر علمِ کلام کی خوب مذمت وشناعت بیان کی۔

ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ جو علمِ کلام میں تمکن ورسوخ میں خوب شہرہ رکھتے تھے، لیکن پھر بالآخر انہوں نے علمِ کلام کی مذمت کی اور بہت ڈٹ کر مذمت کی، اور گھر کے بھیدی سے بہتر خبر کون دے سکتا ہے؟ وہ اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' (۹۱،۹۲) میں علمِ کلام کے نقصانات ومخطورات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جہاں تک علمِ کلام کے نقصانات کا تعلق ہے تو اس کا کام شکوک وشبہات ابھارنا، عقائد میں ضعف واضمحلال پیدا کرنا اور وہ جزم وقطعیت جو عقیدہ کا اصل لازمہ ہے کو یکسر زائل کر دینا ہے۔ یہ مرض ابتداء ہی سے لاحق ہو جاتا ہے، پھر اتنی پختگی آجاتی ہے کہ رجوع الی الحق کے سلسلہ میں ٹھوس اور قطعی دلیل کا معاملہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے، اس حوالے سے لوگوں کے مختلف ذہنی مستوی دیکھنے میں آتے ہیں۔ علمِ کلام کا ایک نقصان تو یہ ٹھہرا کہ یہ اعتقادِ حق میں ضعف اور شکوک پیدا کرتا ہے، دوسری طرف یہ نقصان بھی ہے کہ یہ مبتدعین کے باطل عقائد کے سینوں میں مضبوطی وپختگی کا باعث بنتا ہے، اس طرح کہ اولاً ان کے دواعی ومحرکات ابھرتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ ان عقائد باطلہ پر مصر رہنے کی شدید حرص پیدا ہو جاتی ہے، یہ صرف اس تعصب کی پیداوار ہے جو علمِ کلام کے اصل محور یعنی جدل اور لاحاصل قیل وقال سے جنم لیتا ہے''

امام غزالی مزید فرماتے ہیں:

''جہاں تک علمِ کلام کے فوائد کا تعلق ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حقائق کے منکشف ہونے

اور ان کی حقیقی معرفت حاصل ہونے کا فائدہ دیتا ہے، لیکن یہ بات انتہائی بعید اور ناممکن ہے، علمِ کلام اس پاکیزہ مقصد میں ہرگز وفا نہیں کرتا، بلکہ غور کریں تو یہ حقائق کے کشف و معرفت سے زیادہ خبط وضلالت پیدا کرنے کے کردار پر قائم ہے، یہ بات اگر تم کسی محدث سے یا ایسے شخص سے سنو گے جسے تم حشوی کہتے ہو تو شاید تم ان کی مذمت اس گمان پر کرو کہ چونکہ ایک محدث علمِ کلام سے واقف نہیں ہے اور لوگ جس چیز سے واقف نہ ہوں اس کے دشمن ہوتے ہیں، لیکن تم یہ بات اس شخص سے سنو جو علمِ کلام کو جانتا ہے، اور اس کی اصلیت کو پہچان لینے اور درجۂ متکلمین کے انتہائی اور آخری مقام پر ٹکریں مارنے کے بعد اس سے ناراضگی اختیار کر کے اسے ٹھکرا دینے کی ٹھان لیتا ہے اور پوری بصیرت کے ساتھ یہ باور کر لیتا ہے کہ علمِ کلام کے ذریعہ معرفت کے حقائق کا راستہ بالکل بند اور مسدود ہے۔ ہاں علمِ کلام بعض امور کے کشف، ایضاح اور تعریف کا باعث ضرور بنتا ہے، لیکن انتہائی نادر، اور وہ بھی ایسے امور کی جنہیں علمِ کلام میں تعمق کے بغیر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔"

عقیدۂ طحاویہ کے شارح نے غزالی کے علمِ کلام کی مذمت پر مشتمل اس تبصرے اور دیگر تبصروں کو نقل کر کے فرمایا ہے (ص ۲۳۸)

"امام غزالی جیسی شخصیت کا علمِ کلام کے بارہ میں یہ تبصرہ انتہائی مکمل اور قاطع حجت ہے"

پھر شارحِ طحاویہ نے بتلایا کہ سلفِ صالحین علمِ کلام کو ناپسندیدہ اور قابلِ مذمت سمجھتے تھے جس کی وجہ یہ ہے کہ علمِ کلام ایسے امور پر مشتمل ہے جو جھوٹ اور مخالفتِ حق پر مبنی ہیں، ان کے یہ امور کتاب وسنت اور ان کے اندر موجود علومِ صحیحہ کے مخالف ہیں۔ اہلِ کلام ان امور کے حصول کیلئے انتہائی سخت اور دشوار گذار راستوں پر چلتے رہے، پھر ان امور، جن کا نفع انتہائی کم ہے کے اثبات کیلئے طویل اور بے مقصد گفتگو کرتے اور لکھتے رہے۔ اب ان کا فلسفہ دبلے پتلے اونٹ کے اس گوشت کی مانند ہے جو پہاڑ کی ایسی چوٹی پر پڑا ہوا ہے جس کا راستہ انتہائی مشکل اور دشوار ہے،

نہ تو راستہ آسان ہے کہ چوٹی تک بآسانی پہنچا جاسکے نہ اونٹ اتنا فربہ ہے کہ اس کے گوشت کے لانے کا کوئی فائدہ ہو۔

اہل کلام کے پاس جو چیز سب سے اچھی قرار دی جاسکتی ہے، وہی چیز قرآن پاک میں اس سے کہیں بہتر اور خوبصورت تقریر و تفسیر کے ساتھ موجود ہے۔

شارح طحاویہ مزید فرماتے ہیں: یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے بابرکت کلام سے تو شفاء، ہدایت اور علم و یقین حاصل نہ ہو، مگر ان لوگوں کی تحریروں سے حاصل ہو جائے جو خود بھی حیران و پریشانی کے اتھاہ سمندر میں ہچکولے کھا رہے ہیں۔ سنو! ہمارا سب کا فرض منصبی یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے فرامین کو اصل قرار دے دیں، ان کے معانی پر تدبر و تعقل کریں، ہر شرعی مسئلے کی برہان اور دلیل خواہ عقل سلیم سے حاصل ہو یا ایسی نقل سے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی خبر سے ہو اچھی طرح پہچان لیں، پھر اس دلیل کی صحیح دلالت جان لینے کے بعد، لوگوں کے اقوال، جو اس دلیل کے موافق بھی ہو سکتے ہیں اور مخالف بھی، کو اس دلیل پر پیش کیا جائے، اگر ان کی بات رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ خبر کے موافق ہو تو قبول کرلی جائے، مخالف ہے تو رد کردی جائے۔

شارح طحاویہ (ص ۲۴۴) میں مزید فرماتے ہیں: ابن رشد الحفید، جو کہ فلاسفہ کے مذہب ومقالات کو سب سے بڑھکر جاننے والا تھا اپنی کتاب "تہافت التہافت" میں لکھتا ہے: (فلاسفہ و متکلمین میں سے) کسی نے الٰہیات (عقائد) کے بارہ میں کوئی قابل اعتبار بات لکھی ہے؟ اسی طرح آمدی جو اپنے دور کی بڑی شخصیت شمار ہوتا تھا بڑے بڑے مسائل میں مجسمۂ حیرت بنے کھڑا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ، ساری عمر فلسفہ وکلام میں منسلک رہنے کے بعد آخری عمر میں بہت سے مسائل کلامیہ میں توقف و تحیر کی تصویر بنے دکھائی دیتے اور بالآخر ان طرق سے تائب ہو کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور پھر اسی سلسلۂ مبارکہ میں تاحیات

مشتغل رہے حتی کہ انتقال کے وقت بھی صحیح بخاری ان کے سینے پر تھی۔

اسی طرح امام ابوعبداللہ محمد بن عمر الرازی اپنی اقسام اللذات کے موضوع پر تحریر کردہ کتاب میں یہ اشعار لکھنے پر مجبور ہوئے:

ترجمہ: (۱) عقلوں کے ہر اقدام کی انتہاء حیرت اور بندش ہے جبکہ عقلوں کی بنیاد پر دنیا والوں کی ہر کوشش ناکام ونامراد اور گمراہی ہے۔

(۲) ہماری روحیں ہمارے جسموں سے متوحش ونامانوس ہیں، اور ہماری دنیا کا حاصل محض اذیت ووبال ہے۔

(۳) پوری عمر لمبی لمبی بحثوں سے ہمیں سوائے قیل وقال جمع کرنے کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

(۴) ہم نے کتنی سلطنتیں اور انکے سربراہ دیکھے مگر سب بڑی تیزی سے ہلاکت کا شکار ہوکر گزر گئے۔

(۵) کتنے ہی پہاڑ دیکھے جن کی چوٹیوں کو لوگوں نے سر کیا، اب ان میں سے کوئی نہیں بچا، جبکہ پہاڑ اپنی جگہ اسی طرح قائم ہیں۔

امام رازی مزید فرماتے ہیں: میں نے علم کلام کے طرق اور فلسفی منہج پر بڑا غور وخوض کیا ہوا ہے، لیکن ان میں کسی بیمار کے علاج یا کسی پیاسے کی سیرابی کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، مکمل طور پر درست راستہ وہی ہے جو قرآن مجید نے پیش کردیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین پڑھو !:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (طٰہٰ:۵) ترجمہ: ''جو رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے''

﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾ (فاطر:۱۰)

ترجمہ: ''تمام تر ستھرے کلمات اسکی طرف چڑھتے ہیں''

جبکہ نفی (صفات نقص) کیلئے ان فرامین کو پڑھو!

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ (الشوریٰ:11) ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں''

﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ:110) ترجمہ: ''مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا''

آخر میں فرماتے ہیں: میری طرح کا تجربہ جو شخص بھی کرے گا وہ بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے گا جس پر میں پہنچا ہوں (لہٰذا ان تخرصات میں وقت ضائع کرنے کی بجائے براہ راست کتاب وسنت کو دل وجان کی بہار وقرار بنالو)

شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبدالکریم الشہرستانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے فلاسفہ و متکلمین کے پاس حیرت وندامت کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ ان کے دو شعر ملاحظہ کیجئے:

لعمري لقد طفت المعاهد كلها	وسيرت طرفي بين تلك المعالم
فلم أر الا واضعا كف حائر	على ذقن أو قارعاسن نادم

ترجمہ: قسم سے! میں فلسفہ وکلام کے تمام مدارس کی خاک چھان چکا ہوں، مجھے یہاں پر ہر شخص حیرت وندامت کے بوجھ تلے دبے اپنی ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھا دکھائی دیا۔

ابو المعالی الجوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دوستو! علمِ کلام سے کسی قسم کا تعلق جوڑنے کی کوشش نہ کرنا، اس علمِ کلام نے مجھے جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے اگر مجھے پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں ہرگز اس کے ساتھ منسلک نہ ہوتا۔

موت کے وقت فرمایا: میں بڑے تاریک وعمیق سمندر میں داخل ہوگیا اور مسلمانوں اوران کے پاکیزہ کلام سے پہلوتہی برتتے ہوئے ایک ایسی وادی میں داخل ہوگیا جس سے مجھے وہ روکتے رہے، اور اب اگر جوینی کے بیٹے کو پروردگار کی رحمت حاصل نہ ہوئی تو لمبی بربادی کے سوا کچھ نہیں...... اور اب میں اپنی موت کے وقت یہ اعلان کر رہا ہوں کہ میں اپنی والدہ کے عقیدے پر ہوں، یا یوں کہا: میں نیساپور کی بوڑھوں کے سیدھے سادھے عقیدے پر ہوں۔

شمس الدین خسروشاہی جن کا فخر الدین رازی کے انتہائی خاص شاگردوں میں شمار ہوتا ہے، اپنے ایک دوست سے ملاقات کیلئے گئے، ان سے پوچھا: تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: جو تمام مسلمانوں کا ہے، پوچھا: تمہیں اس عقیدے پر دل کا پورا انشراح اور یقین حاصل ہے؟ دوست نے کہا: بالکل۔ کہا: اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ، اللہ کی قسم! میرا حال یہ ہو چکا ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا عقیدہ اپناؤں! اللہ کی قسم مجھے سمجھ نہیں آرہی کیا عقیدہ اپناؤں، اللہ کی قسم مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا عقیدہ اپناؤں! پھر اس قدر روئے کہ پوری داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

ابن ابی حدید الفاضل، جو عراق میں اس مکتب سے تعلق کی شہرت رکھتے ہیں فرماتے ہیں:

فیک یا أغلوطة الفکر — حار أمری وانقضی عمری

سافرت فیک العقول فما — ربحت الا أذی السفر

فلحی اللہ الألی زعموا — انک المعروف بالنظر

کذبوا ان الذی ذکروا — خارج عن قوۃ البشر

ترجمہ: (۱) اے کج فکری (فلسفہ وکلام) تجھ سے تعلق میں پوری عمر کٹ گئی اور حیرت کے سوا کچھ نہ پایا۔

(۲) تیرے حصول کے خاطر عقلوں نے لمبے لمبے سفر کیئے لیکن سفر کی تھکان واذیت کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برباد کردے جن کا خیال ہے کہ تو نظر واستدلال کا حق سکھاتی ہے۔

(۴) جنہوں نے یہ کہا جھوٹ کہا، یہ معاملہ تو انسانی طاقت سے باہر ہے (یہاں تو محض اللہ

تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے اخبار و فرامین کو قبول کرنا ہی موجب عافیت ہے)

خونجی نے اپنی موت کے وقت کہا: جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ماحصل یہ ہے کہ ہر ممکن، مرجح کی محتاج ہے...... پھر کہا: محتاج ہونا ایک سلبی وصف ہے...... گویا اب جبکہ میں موت کے منہ میں ہوں، علم و معرفت سے بالکل کورا ہوں۔

علم کلام کا ایک اور راہی کہتا ہے: میں اپنے بستر پر لیٹتا ہوں اور لحاف اپنے منہ پر رکھ لیتا ہوں اور مختلف متکلمین کے دلائل میں مقارنہ و مقابلہ شروع کرتا ہوں، فجر طلوع ہو جاتی ہے اور میں کسی نتیجے تک نہیں پہنچ پاتا۔

(شارح طحاویہ مزید فرماتے ہیں) اب فلاسفہ و متکلمین کو دیکھو کہ اس قوم کا ایک شخص اپنی موت کے وقت نیسا پور کے بوڑھیوں کے مذہب اور عقیدے کو اپنانے کا اعلان کر رہا ہے، گویا وہ موشگافیاں جنہیں '' دقائقِ علم '' کا نام دیا جاتا تھا، جو بوڑھیوں کے عقیدے کے سراسر خلاف تھیں اور بحث و تمحیص کے بعد جنکی صحت کا قطعی فیصلہ کر لیا جاتا لیکن پھر ان کا فاسد ہونا ثابت ہو جاتا، یا ان کا صحیح ہونا کبھی ثابت نہ ہو پاتا، آج ان سب کو ٹھکرا چکے ہیں، اور اس عذاب سے بچ نکل کر کس مقام پر کھڑے ہیں؟ ایسے مقام پر جہاں سچے اہل علم کے پیروکار چھوٹے بچے، عورتیں اور اعرابی پہلے سے موجود ہیں۔ (گویا فلسفہ و کلام کی انتہاء جس مقام پر ہو رہی ہے وہاں سے خالص عقیدۂ شرعیہ کی ابتداء ہو رہی ہے)

امام الحرمین کے والد، ابو محمد الجوینی (علم کلام سے اشتغال کی بناء پر) اللہ عزوجل کی صفات کے بارہ میں ایک عرصہ حیرت و اضطراب کا شکار رہے پھر بالآخر سلفِ صالحین کا مذہب اپنا لیا اور اس تعلق سے اپنے اشعری اساتذہ کو خیر خواہی کا خط بھی لکھا جو " مجموعة الرسائل المنيرية " (۱/۱۷۴۔۱۸۷) میں شائع ہو چکا ہے۔




الفائدة الثامنة

هل صحيح أن أكثر المسلمين في هذا العصر أشاعرة؟

آٹھواں فائدہ:

کیا یہ بات درست ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اشعری مذہب پر قائم ہے؟

واضح ہو کہ اشعری مذہب کے حاملین، ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہیں، جن کا نام علی بن اسماعیل تھا، جن کا ۳۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

عقیدہ کے سلسلہ میں ان پر تین دور آئے۔

پہلا دور وہ جس میں وہ عقیدۂ معتزلہ کے مذہب پر تھے۔ دوسرا دور وہ شمار ہوتا ہے جس میں وہ معتزلہ اور اھل السنۃ کے مذہب کے بین بین عقیدہ رکھتے تھے۔ تیسرا اور آخری دور وہ شمار ہوتا ہے جس میں وہ اہل السنۃ سلفِ صالحین کے عقیدۂ صافیہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''الابـانـة'' جو ان کی آخری کتاب شمار ہوتی ہے اور اگر بالکل آخری نہیں تو کم از کم آخری کتابوں کی فہرست میں ضرور ہے، میں صراحت سے لکھا ہے کہ وہ عقیدہ میں امام اھل السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں، جو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے نیز رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے جو اسماء وصفات ثابت کی ہیں ان تمام کو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے بالکل ویسے ثابت کیا جائے جیسے اس ذات کے لائق ہیں...... بغیر کسی تکییف یا تمثیل کے اور بغیر کسی تحریف وتاویل کے...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ (الشوریٰ:11)

ترجمہ: ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''

اب امام ابوالحسن الاشعری تو اپنے سابقہ عقیدے سے رجوع کر کے عقیدۂ اھل السنۃ والجماعۃ

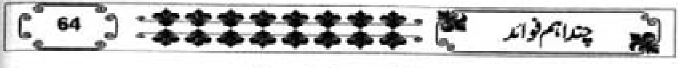
اختیار کر چکے، مگر اشاعرہ ان کے اسی سابقہ عقیدے کو تھامے ہوئے ہیں۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تمام جماعتوں میں اشاعرہ کی تعداد ٪۹۵ ہے...... لیکن یہ بات درست نہیں، اور اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ اس طرح کے اعداد وشمار کا تعین ایک انتہائی دقیق قسم کے احصائیہ کی متقاضی ہے، اور ایسا بالکل نہیں ہو سکا، اور معاملہ خالی دعویٰ کی حد تک ہے۔

(۲) ٪۹۵ فیصد تعداد کی اس نسبت کو اگر تسلیم بھی کر لیں تو یہ مذہب اشاعرہ کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہوگی؛ کیونکہ عقیدہ کی صحت وسلامتی کی دلیل کثرتِ تعداد نہیں ہوتی، بلکہ صحت وسلامتیِ عقیدہ کی دلیل تو اس امت کے سلفِ صالحین یعنی صحابہ کرام اور ان کے پاکیزہ ومبارک منہج کی اتباع ہے۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں فوت ہونے والے شخص کا عقیدہ، جس سے وہ رجوع بھی کر چکا ہے کیسے قابلِ اتباع ہو سکتا ہے؟ اور عقیدے کا معاملہ تو دین میں سب سے اہم ہے، پھر اس انتہائی اہم معاملہ میں حق صحابہ کرام، تابعینِ عظام وتبع تابعین سے کیسے مخفی ومحجوب رہا اور ایک ایسی شخصیت پر ظاہر ہو گیا جس کی ولادت بھی خیر القرون کے گزرنے کے لمبے عرصے بعد ہوئی! اس بات میں کوئی معقولیت ہے!

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اشاعرہ کا مذہب تو وہ لوگ اختیار کیئے ہوئے ہیں جنہوں نے یہ عقیدہ اشاعرہ کے علمی مراکز میں یا پھر اشعری مذہب کے حامل مشائخ سے سیکھا، جبکہ عوام الناس اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اشعری مذہب کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے، بلکہ وہ تو اس فطرت پر قائم ہیں جس پر اس لونڈی کا عقیدہ تھا، جو صحیح مسلم کی روایت میں ذکر ہو چکا اور الحمد للہ اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ فطرت کے عین مطابق ہے، اس کی کچھ وضاحت فائدہ نمبر ۳ میں ہو چکی ہے۔





الفائدة التاسعة

۱ عقيدة الأئمة الأربعة ومن تفقه بمذاهبهم .

نواں فائدة :

أئمہ اربعہ اوران کے مذاہب کے فقہاء کا عقیدہ

اھل السنۃ کے ائمہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اورامام احمد بن حنبل رحمھم اللہ کے (اسماءِ گرامی بطورِ خاص ذکر کیئے جاتے ہیں) ان تمام أئمہ کرام کا عقیدہ وہی تھا جو صحابہ کرام کا اوران کے منہج پر چلنے والے ان کے اتباع کا تھا۔

ان أئمہ کے بعد فقہ کی باگ ڈورسنبھالنے والے علماء وفقہاء کے مختلف ذہن سامنے آتے ہیں، کچھ وہ علماء ہیں جوفروعی مسائل میں ان أئمہ کے علم سے استفادہ تو کرتے ہیں لیکن ان کا اصل اعتماد دلیل پر ہوتا ہے، چنانچہ ان کے امام کا جو قول کتاب وسنت کے مطابق ہوتا ہے اسے لے لیتے اور جو قول کتاب وسنت کی دلیل کے خلاف ہوتا ہے اسے چھوڑ دینے کے منہج پر قائم ہیں، ان کا مستند یہ ہے کہ ہمارے اماموں نے یہی وصیت کی ہے (یعنی ہم کوئی بات کہیں اور کتاب وسنت کی دلیل اس کے خلاف ہو تو ہمارے قول کو دیوار سے دے مارو) ان فقہاءِ کرام نے عقیدہ کے مسائل میں بھی اپنے أئمہ کے منہج سے پوری پوری موافقت کی ...... کچھ ایسے حضرات بھی آئے جنھوں نے فروعی مسائل میں اپنے اماموں کی پوری طرح تقلید کی اوران مسائل کے سلسلہ میں قولِ راجح اوراس کی دلیل معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

اس طبقہ کے علماء وفقہاء میں سے گوبعض علماء نے عقیدہ کے مسائل میں بھی اپنے اماموں کی اتباع کی لیکن بہت سے علماء نے ان مسائل میں اشعری مذہب کی اتباع کرلی (یعنی فروعی مسائل میں اپنے امام کی تقلید میں اتنی شدت کہ گویا وہ معصوم ہیں، بلکہ بعض اوقات انکے قول کو قبول کرلیا اوراس کے مقابلے میں اللہ تعالی اوراس کے رسول ﷺ کے فرمان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے

ٹھکرا دیا اور پس پشت ڈال دیا، لیکن جب اعتقادی مسائل کا معاملہ آیا جو فروعی مسائل سے کہیں اہم ہیں تو ان میں اپنے اس امام کو بھی چھوڑ دیا اور اشاعرہ کے مذہب سے منسلک ہو گئے۔)

پہلی قسم میں ہم مثال کے طور پر امام ابو جعفر الطحاوی کا نام پیش کرتے ہیں، جن کا تفقہ تو مذہب حنفی پر ہے لیکن عقیدہ کے اعتبار سے سلفِ صالحین صحابہ کرام کے منہج پر قائم ہیں، چنانچہ انہوں نے ''العقیدۃ الطحاویۃ'' کے نام سے اھل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ پر مشتمل کتاب بھی لکھی ہے، اسی طرح اس کتاب کے شارح علی بن ابی العز الحنفی کا نام بھی بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے، جو فقہی اعتبار سے حنفی تھے لیکن عقیدۃً سلفی تھے۔

مذہب شافعی میں عبدالرحمن بن اسماعیل الصابونی صاحب کتاب ''عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث''، امام ذہبی صاحب کتاب ''العلو'' اور ابن کثیر صاحب تفسیر کا نام بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

مذہب مالکی میں ابن ابی زید القیروانی، ابوعمر الطلمنکی اور ابوعمر بن عبدالبر کے نام، جبکہ مذہب حنبلی میں امام ابن تیمیہ، امام ابن القیم اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ کے نام پیش کیئے جا سکتے ہیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ'' میں ان لوگوں کے رد میں جو اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کے عقیدہ میں استواء کا معنی استیلاء کرتے ہیں (۴۲) وجوہات ذکر فرمائی ہیں (''مختصر الصواعق المرسلۃ'' لابن الموصلی بھی ملاحظہ کر لیجئے)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بہت سے مالکی علماء عقیدہ میں مذہب سلف پر قائم تھے، چنانچہ کتاب مذکور میں ان ۴۲ وجوہات کے ذکر کے ضمن میں فرماتے ہیں (۱۳۶،۱۳۲/۲)

بارہویں وجہ : سلفِ امت کا اس بات پر اجماع قائم ہے کہ اللہ رب العزت اپنے عرش پر حقیقۃً مستوی ہے نہ کہ مجازاً۔ امام ابوعمر الطلمنکی جو مالکی مذہب کے ائمہ میں سے ہیں اور

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر کے شیخ ہیں اپنی عظیم الشان کتاب ''الوصول الی معرفۃ الأصول'' میں فرماتے ہیں: اھل السنۃ کا اس عقیدہ پر اجماع قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مجازاً نہیں بلکہ حقیقۃً مستوی ہے...... اس بات پر انہوں نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور تبع تابعین اور پھر امام مالک اور ان کے بہت سے اصحاب وتلامذہ کے اقوال پیش کیئے ہیں، جو شخص بھی ان اقوال کو پڑھے گا وہ مذہب سلف کی حقیقت پالے گا۔

تیرھویں وجہ: امام ابوعمر ابن عبدالبر اپنی کتاب ''التمھید'' میں حدیثِ نزول کی شرح میں فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے ''الجماعۃ'' کا یہی قول اور تقریر ہے...... مزید فرماتے ہیں: اھل السنۃ، قرآن وحدیث میں وارد اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے اقرار پر متفق ہیں نیز ان صفات پر ایمان لانے، اور انہیں ان کی حقیقت پر محمول کرنے (نہ کہ مجاز پر) پر متفق ہیں، البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تکییف یا تحدید کے قائل نہیں ہیں۔ جبکہ بدعتی گروہ مثلاً: جہمیہ، معتزلہ اور خوارج سب کے سب صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو حقیقت پر محمول نہیں کرتے، بلکہ ان صفات کا اقرار کرنے والے کو مشبہ ہونے کا الزام دیتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ خود صفاتِ باری تعالیٰ کا اقرار کرنے والے اھل السنۃ کے نزدیک معبودِ حق کی نفی وانکار کرنے والے قرار پاتے ہیں۔

ابوعبداللہ القرطبی اپنی معرکۃ الآراء تفسیر میں قولہ تعالیٰ: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں فقہاء نے کلام کیا ہے۔ اس کے بعد متکلمین کے اقوال نقل فرماتے ہیں۔ پھر فرمایا: سلفِ امت کی پہلی جماعت (صحابۂ کرام) اللہ تعالیٰ کی جہت کی نفی کے قائل نہیں تھے (جہتِ علو مراد ہے) نہ ہی انہوں نے کبھی نفی جہت کی بات کی...... بلکہ ان تمام نے اللہ تعالیٰ کیلئے جہت کے ثابت ہونے کی بات کی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی

کتاب میں ذکر فرمایا، اور جس کی اللہ تعالیٰ کے رسل نے بھی خبر دی۔ اور سلفِ صالحین میں بھی اس بات کا کوئی منکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ علی سبیل الحقیقۃ اپنے عرش پر مستوی ہے...... بس وہ جس چیز سے نا آشنا تھے وہ استواء علی العرش کی کیفیت ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، لیکن مستوی ہونے کی کیفیت نامعلوم ہے۔

چودہویں وجہ : جب جہمیہ نے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کو مجاز پر محمول کیا، تو اھل السنۃ نے ببانگِ دہل اس حقیقت کا اعلان و اظہار کیا کہ اللہ رب العزت اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے، اور سب سے زیادہ شدومد کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنے والے علماءِ مالکیہ تھے، چنانچہ علماءِ مالکیہ میں سے ابومحمد بن ابی زید نے اپنی تین کتابوں میں اس مسئلہ کی صراحت کی۔ سب سے مشہور کتاب ''الرسالۃ'' ہے پھر ان کی کتاب ''جامع النوادر'' اور'' الآداب'' ہیں، اگر کوئی دیکھنا چاہے تو ان کی یہ کتب موجود ہیں۔ نیز قاضی عبدالوہاب نے بھی اس حقیقت باصواب کی وضاحت کی، وہ فرماتے ہیں...... اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش پر مستوی ہے...... نیز قاضی ابوبکر الباقلانی جو مالکی المذہب تھے نے بھی اس حقیقت کو واضح فرمایا، ان کا قول قاضی عبدالوہاب نے نصاً نقل فرمایا ہے، نیز مالکی مذہب کے بہت بڑے امام ابوعبداللہ القرطبی اپنی کتاب'' شرح اسماء اللہ الحسنی ''میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ابوبکر الحضرمی نے محمد بن جریر الطبری، ابومحمد بن ابی زید اور فقہ وحدیث کے بہت سے شیوخ کا یہی قول نقل فرمایا ہے، جبکہ قاضی عبدالوہاب نے قاضی ابوبکر اور ابوالحسن الاشعری سے جو کچھ بھی نقل فرمایا اس کا ظاہر بھی یہی ہے، بلکہ قاضی عبدالوہاب نے قاضی ابوبکر کا یہ قول نصاً ذکر کیا ہے کہ'' اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے'' اور بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے: کہ'' وہ ذاتِ حق اپنی پوری خلق کے اوپر ہے۔''

پھر فرمایا: یہ قول قاضی ابوبکر کا'' تمہید الأوائل ''میں ہے اور یہی قول ابوعمر بن عبدالبر اور

الطلمنکی ودیگر اندلسی (مالکی) علماء کا ہے اور یہی خطابی کا قول ہے۔

۱ ابوبکر محمد بن موھب المالکی رسالہ ابن ابی زید کی شرح میں فرماتے ہیں: مؤلف (یعنی ابن ابی زید) کا یہ فرمانا کہ "انہ فوق عرشہ المجید" یعنی "اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش عظیم پر ہے"، تو واضح ہو کہ "فوق" اور "علی" کا تمام عرب کے نزدیک ایک ہی معنی ہے، اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں بھی اس معنی کی تصدیق موجود ہے، پھر بطورِ تمثیل کتاب وسنت کے بعض نصوص کا حوالہ دیا، نیز لونڈی کی حدیث سے بھی استدلال کیا، جس سے نبی ﷺ نے پوچھا تھا [این اللہ؟] اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: [فی السماء] آسمان پر ہے، اس بات پر نبی ﷺ نے اس لونڈی کے مؤمنہ ہونے کی گواہی دی۔ اس کے بعد انہوں نے نبی ﷺ کے معراج پر جانے کی حدیث سے بھی استدلال کیا۔ پھر فرمایا: یہی قول امام مالک کا ہے جسے انہوں نے تابعین کی ایک جماعت سے سمجھا، جسے تابعین نے صحابہ کرام سے سمجھا، اور جسے صحابہ کرام نے اپنے نبی ﷺ سے سمجھا، یعنی اللہ تعالیٰ کے "فی السماء" آسمانوں میں ہونے کا معنی آسمان کے اوپر ہونا ہے...... شیخ ابو محمد فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش پر ہے" اس قول سے واضح ہوا کہ اللہ رب العزت کا عرش کے اوپر ہونے کا معنی یہی ہے کہ وہ بذاتہ عرش پر ہے البتہ وہ اپنی خلق سے بالکل بائن (جدا) ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ اور اس کا کائنات میں ہر مقام پر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ ہر مقام پر ہے نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ، پھر یہ جگہیں اور مقامات اسے گھیر بھی نہیں سکتیں کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے۔

ابوبکر محمد بن موھب المالکی مزید فرماتے ہیں: مؤلف رحمہ اللہ کا فرمانا: "علی العرش استوی" یعنی "وہ عرش پر مستوی ہے" کا معنی اھل السنۃ کے نزدیک محض استیلاء یعنی غلبہ پانا یا قاہر ومالک ہونا نہیں ہے، یہ تو معتزلہ اور ان کے ہمنواؤں کی تفسیر ہے، اور بعض لوگ استواء مانتے ہیں لیکن علی سبیل المجاز نہ کہ علی سبیل الحقیقۃ۔ پھر فرماتے ہیں: تھوڑی سے عقل وبصیرت رکھنے والا

شخص بھی ان کے استواء علی العرش کا استیلاء وغلبہ کے معنی کے فساد کو سمجھ سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی پوری مخلوق پر غالب ومستوی ہے، پھر خاص طور پر عرش پر غالب ہونے کا کیا معنی؟ اگر استواء علی العرش کا معنی صرف غلبہ اور استیلاء ہے تو پھر عرش وغیر عرش برابر ہوں گے۔ چنانچہ استواء علی العرش جو ان کی تاویلِ فاسد میں استیلاء، ملک، غلبہ اور قہر کے معنی میں ہے کے ذکر کا کوئی معنی نہیں بنتا (کیونکہ استیلاء، غلبہ، قہر اور ملک تو اس ذاتِ برحق کو اپنی پوری مخلوقات پر حاصل ہے) اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللهِ قِيلاً ﴾ ترجمہ: (بات میں اللہ تعالیٰ سے سچا کون ہوسکتا ہے؟) پر بھی اگر غور کریں تو یہ بات آشکارا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا برسبیلِ حقیقت ہے، مجاز نہیں۔ چنانچہ بنظرِ انصاف دیکھنے والے سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے ذکر کے بعد فرمایا کہ وہ عرش پر مستوی ہوگیا، تو اگر مستوی ہونے کا معنی غلبہ حاصل کرنا ہے تو کیا اسے آسمانوں اور زمینوں کا غلبہ حاصل نہیں ہے! پھر استواء علی العرش کی تخصیص چہ معنی دارد؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان سب سے سچا ہے، لہٰذا ہم اس کے مستوی علی العرش ہونے کو مجاز پر نہیں بلکہ حقیقت پر محمول کرتے ہیں، البتہ استواء کی تکییف اور تمثیل سے توقف اختیار کرتے ہیں، یعنی نہ تو اس ذاتِ حق کے استواء کی کیفیت بیان کرسکتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ نے بیان ہی نہیں فرمائی، اور نہ ہی حق تعالیٰ کے استواء کو کسی مخلوق کے استواء سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ اس کا فرمان ہے: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں''

پندرہویں وجہ :ابوالحسن الأشعری نے خود استواء کے بمعنی استیلاء ہونے کے باطل ہونے پر اھل السنۃ کا اجماع نقل کیا ہے، ہم بعینہ انہی کی عبارت تحریر کیئے دیتے ہیں جسے ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی کتاب'' تبیین کذب المفتری ''میں ان کے حوالے سے بیان کیا ہے، بلکہ ان سے قبل ابوبکر بن فورک بھی ان سے اسی عبارت کو نقل کرچکے ہیں جو کہ ان کی کتب میں موجود ہے، فرماتے ہیں کہ ابوالحسن الأشعری اپنی کتاب ''الابانۃ'' جو کہ ان کی آخری کتاب ہے

میں فرماتے ہیں: ''باب ذکر الاستواء ''یعنی اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا بیان (اس باب کے تحت لکھتے ہیں) اگر کوئی شخص پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کے باب میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ ہم کہیں گے: بالکل وہی جو قرآنِ مجید نے بیان کر دیا ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ کہ ''وہ رحمٰن اپنے عرش پر مستوی ہے'' (اس کے بعد استواء علی العرش کے مزید ادلہ بیان کیں)

پھر فرمایا: معتزلہ، جہمیہ اور خوارج کہتے ہیں کہ استواء سے مراد استیلاء یعنی غلبہ پانا اور مالک ہونا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ اہلِ حق تسلیم کرتے ہیں، لہذا استواء علی العرش کا معنی عرش پر قدرت پانا کرتے ہیں۔ اگر یہ بات درست مان لیں تو پھر عرش اور سب سے نچلی ساتویں زمین میں کیا فرق ہے؟ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور آسمان، زمین اور ہر چیز اس عالَم کا حصہ ہیں۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا معنی غلبہ اور قدرت پانے کا ہے، تو پھر اسے زمین اور زمین پر موجود ہر گندگی کے ڈھیر پر بھی مستوی مان لو، کیونکہ قدرت تو اسے ہر چیز پر حاصل ہے، کیا کسی مسلمان کو کسی نے یہ کہتے ہوئے کبھی سنا کہ اللہ تعالیٰ حشوش واَخلیہ (یعنی بیت الخلاء اور گندگی کے ڈھیروں) پر مستوی ہے؟ تو پھر استواء علی العرش جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے اسے ایک ایسے معنی پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے جو معنی ہر چیز میں عمومیت کے ساتھ موجود ہے؟

لہذا یہ بات حتمیت کے ساتھ متعین ہو گئی کہ اس ذاتِ حق کے عرش پر مستوی ہونے کا ایک خاص معنی ہے جو دیگر کسی شی میں نہیں پایا جاتا۔

الفائدة العاشرة

التأليف في العقيدة على منهج السلف.

دسواں فائدة:

عقیدے کے موضوع پر سلفی منہج کے مطابق تصنیف کردہ کتب کا بیان

عقیدہ کے موضوع پر سلفی منہج کی حامل بے شمار کتب ہیں کچھ مؤلفات تو مستقل ہیں جو بطور خاص عقیدے کے موضوع پر لکھی گئیں، جبکہ کچھ کتب ایسی ہیں جو عقائد کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل پر بھی مشتمل ہیں، جو کتب عقائد کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل پر بھی مشتمل ہیں ان میں ہم بطور مثال: صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ ذکر کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کا پہلا عنوان کتاب الایمان ہے اور آخری کتاب التوحید ہے، اثناءِ کتاب میں عقیدے کے تعلق سے اور عنوانات بھی ہیں مثلاً: کتاب القدر، کتاب الانبیاء اور کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة وغیرہ۔

صحیح مسلم کا بھی پہلا عنوان کتاب الایمان ہے نیز کتاب القدر کا عنوان بھی موجود ہے، اسی طرح سنن اربعہ میں بھی عقیدہ کے تعلق سے کتاب الایمان کے نام سے عنوانات موجود ہے، جبکہ سنن ابوداود میں اس حوالہ سے کتاب السنۃ کے نام سے عنوان قائم کیا گیا ہے......

جو کتب کاملاً ومستقلاً عقیدہ کے موضوع پر تالیف کی گئیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کتب جو متقدمین کے طریقہ پر ہیں اور دوسری وہ کتب جو متاخرین کے طرز تالیف پر مشتمل ہیں۔

متقدمین کے طرز پر لکھی گئی کتب سے مراد وہ کتب ہیں جو موضوع سے متعلق احادیث وآثار سند کے ساتھ پیش کردیتی ہیں، متقدمین میں عقیدے سے متعلق لکھی گئی کتب کئی ناموں سے سامنے آتی ہیں، مثلاً: "کتاب الایمان"، "کتاب السنة"، "کتاب الرد علی

الجھمیة'' وغیرہ۔

کتاب''الایمان'' کے نام سے لکھی گئی کتب میں''الایمان لأبی بکر ابن أبی شیبة''، اور''الایمان لابی عبید القاسم بن سلام'' اور''الایمان لابن ابی عمر العدنی'' اور ''الایمان لابن منده'' وغیرہ معروف نام ہیں۔

جبکہ''السنة'' کے نام سے عقیدہ کے موضوع پر لکھنے والوں میں محمد بن نصر المروزی، ابی عاصم، عبداللہ بن امام احمد، لالکائی، خلال اور ابن شاہین وغیرہ معروف ہیں، اس کے علاوہ ابن ابی زمنین نے''اصول السنة'' لکھی، مزنی اور بربہاری نے''شرح السنة'' جبکہ ابن البنا نے ''المختار فی اصول السنة'' کے نام سے کتاب لکھی۔

''الرد علی الجھمیة'' کے نام سے امام احمد، عثمان بن سعید الدارمی اور ابن منده کی کتب موجود ہیں۔

عقیدے کے موضوع پر علماءِ متقدمین کی دیگر ناموں سے بہت سی کتب موجود ہیں، مثلاً: حافظ ابنِ خزیمہ کی''کتاب التوحید''، اور ابنِ منده کی''کتاب التوحید''، آجری کی کتاب ''الشریعة''، اسماعیل الاصبہانی کی''الحجة فی بیان المحجة''، صابونی کی''عقیدة السلف واصحاب الحدیث'' امام بخاری کی''خلق افعال العباد''، ابن ابی شیبہ کی کتاب ''العرش''، فریابی کی کتاب''القدر''، ابوالشیخ کی کتاب''العظمة''، امام دارقطنی کی کتاب''الرؤیة''،''النزول'' اور''الصفات''، محمد بن نصر المروزی کی''تعظیم قدر الصلاۃ، ابوداؤد کی''البعث والنشور''، ابونعیم کی''صفة الجنة والنار'' اور''الرد علی الرافضة''، ھروی کی''ذم الکلام وأھله'' اور ابنِ بطہ کی''الابانة الکبری'' وغیرہ۔

متقدمین ومتاخرین کی کچھ کتب ایسی بھی ہیں جو اسانید کو ذکر کیے بغیر انتہائی اختصار کے ساتھ عقیدہ کے مسائل بیان کرنے پر اکتفاء کرتی ہیں، ان میں امام احمد بن حنبل کی کتاب''السنة''،

امام طحاوی کی ''عقیدة أهل السنة والجماعة''، ابن ابی زید کا مقدمہ، ابن جریر الطبری کی ''صريح السنة'' ابوبکر اسماعیلی کی ''اعتقاد أهل السنة'' ابن بطہ کی ''الابانة الصغرى''، ابوالحسن الأشعری کی ''الابانة''، عبدالغنی کی ''عقيدة الحافظ'' ابن قدامہ المقدسی کی ''لمعة الاعتقاد'' اور ''العلو''، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ''عقيدة الواسطية''، ''التدمرية'' اور ''الحموية'' معروف ہیں۔

متاخرین کے طریقہ پر تالیف سے مراد یہ ہے کہ ہر موضوع الگ سے قائم کر کے اس سے متعلق آیات، احادیث اور آثار ذکر کیئے جائیں اور ساتھ ساتھ مخالفین کے عقیدہ پر رد بھی کر دیا جائے، جب وہ احادیث وآثار کا ذکر کرتے ہیں تو انہیں متقدمین کی کتب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ہر حدیث کو اس کی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں مثلاً: یوں کہتے ہیں: رواہ البخاری، ومسلم، وابوداؤد اور حدیث کی سند ذکر نہیں کرتے (کیونکہ وہ اصل کتاب میں موجود ہوتی ہے)

مثال کے طور پر یحیی عمرانی کی کتاب ''الانتصار في الرد على المعتزلة القدرية الأشرار'' ابن ابی العز الحنفی کی کتاب ''شرح العقيدة الطحاوية''، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ''منهاج السنة'' انہی کی ''درء تعارض العقل والنقل'' اور ''كتاب الايمان''، امام ذہبی کی کتاب ''العلو''، حافظ ابن القیم کی کتاب ''اجتماع الجيوش الاسلامية'' اور ''الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة'' اور محمد بن الموصلی کی کتاب ''مختصر الصواعق المرسلة'' اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی ''كتاب التوحيد'' ان کے پوتے شیخ سلیمان بن عبداللہ کی کتاب ''تيسير العزيز الحميد شرح كتاب التوحيد'' اور ان کے دوسرے پوتے شیخ عبدالرحمن بن حسن کی کتاب ''فتح المجيد'' وغیرہ۔ یہ چند کتابوں کے نام ہم نے محض تمثیلاً نقل کیئے ہیں، تمام کتب کا اس مختصر میں احاطہ ممکن نہیں ہے۔

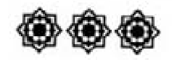
واضح ہو کہ بعض مبتدعین نے کتب سنت پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ان کتابوں میں ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

یہ اعتراض مردود ہے، کیونکہ ان محدثین نے تمام احادیث ان کی اسانید کے ساتھ ذکر کی ہیں اسانید ذکر کر کے وہ بری الذمہ ہو گئے، اب اس حدیث پر نظر و استدلال کی ذمہ داری پڑھنے پڑھانے والوں پر عائد ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے "منہاج السنۃ" (۱۵/۴) میں فرمایا ہے کہ محدثین کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر باب میں وہ تمام احادیث ذکر کر دیتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہوتی ہیں تا کہ ان تمام احادیث (اور ان کی اسانید) کی پڑھنے والوں کو معرفت حاصل ہو جائے، اور یہ ممکن ہے کہ ان میں سے ان کے نزدیک کچھ احادیث ہی قابلِ استدلال و احتجاج ہوں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ایک محدث کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ اپنے مشائخ سے جس حدیث کو سنتا ہے اسے اسی طرح بکمالِ امانت روایت کر دے، اب تحقیق، نظر اور استدلال کی ذمہ داری تو پڑھنے والوں پر عائد ہوتی ہے...... اور اہلِ علم فعلاً تمام احایث کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں اور حدیث کی سند اور سند کے ایک ایک روای پر پوری بحث کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر "لسان المیزان" (۱۵/۳) میں فرماتے ہیں: گزشتہ ادوار میں سے ۲۰۰ ہجری اور اسکے بعد کے بیشتر محدثین کا طریقہ یہی ہے کہ جب وہ حدیث کو اس کی سند کے ساتھ ذکر کر دیں تو اپنے خیال میں وہ پوری امانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر کے بری الذمہ ہو چکے۔ (واللہ اعلم)



نص مقدمة رسالة ابن أبى زيد القيروانى

باب ما تنطق به الألسنة وتعتقده الأفئدة من واجب أمور الديانات

من ذلك الايمان بالقلب والنطق باللسان أن الله اله واحد لاإله غيره، ولا شبيه له، ولا نظيرله، ولا ولد له، ولا والد له، ولا صاحبة له، ولاشريك له.

ليس لأوليته ابتداء، ولا لآخريته انقضاء، لايبلغ كنه صفته الواصفون، ولا يحيط بأمره المتفكرون، يعتبر المتفكرون بآياته، ولا يتفكرون في ماهية ذاته، وَلَايُحِيطُونَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَلَايَؤُوْدُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ.

العالم الخبير، المدبر القدير، السميع البصير، العلى الكبير، وأنه فوق عرشه المجيدبذاته، وهو فى كل مكان بعلمه.

خلق الانسان ويعلم ما توسوس به نفسه، وهوأقرب إليه من حبل الوريد، وماتسقط من ورقة إلايعلمها ☆ولاحبة في ظلمات الارض ولارطب ولايابس إلا فى كتاب مبين.

على العرش استوى، وعلى الملك احتوى، وله الأسماء الحسنى والصفات العلى، لم يزل بجميع صفاته وأسمائه، تعالىٰ ان تكون صفاته مخلوقة وأسمائه محدثة.

كلم موسى بكلامه الذى هو صفة ذاته لاخلق من خلقه، وتجلى للجبل فصار دكا من جلاله وان القرآن كلام الله ليس بمخلوق فيبيد ولاصفة لمخلوق فينفد.

والايمـان بـالقـدر خيـره وشره حلوه ومره، وكل ذلك قد قدر الله ربنا،

ومقادير الامور بيده ومصدرها عن قضائه .

علـم كل شئ قبل كونه، فجرى على قدره لايكون من عباده قول ولاعمل الاوقد قضاه وسبق علمه به ﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ .

يضل من يشاء،فيخذله بعدله ، ويهدى من يشاء فيوفقه بفضله ،فكل ميسر بتيسيره الى ماسبق من علمه وقدره،من شقي او سعيد .

تعالىٰ ان يكون فى ملكه مالايريد، أو يكون لاحد عنه غنى، خالقا لكل شئ، ألا هورب العباد ورب اعمالهم ،والمقدر لحركاتهم وآجالهم.

الباعث الرسل إليهم لإقامة الحجة عليهم.

ثم ختم الرسالة والنذارة والنبوة بمحمد نبيه ﷺ ، فجعله آخر المرسلين، بشيرا ونـذيـرا ،وداعيا إلى الله باذنه وسراجا منيرا ،وأنزل عليه كتابه الحكيم، وشرح به دينه القويم ،وهدى به الصراط المستقيم.

وان الساعة اتية لاريب فيها وان الله يبعث من يموت كما بدأهم يعودون .

وان الله سبحـانـه وتـعالىٰ ضاعف لعباده المؤمنين الحسنات، وصفح لهم بـالتوبة عن كبائر السيئات ،وغفر لهم الصغائر باجتناب الكبائر، وجعل من لم يتب من الكبائر صائرا إلى مشيئته ﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾.

ومن عاقبه الله بناره أخرجه منها بايمانه فأدخله به جنته ﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ﴾ ويخرج منها بشفاعة النبى ﷺ من شفع له من اهل الكبائر من امته .

وأن الله سبحانه قد خلق الجنة فأعدها دار خلود لأوليائه وأكرمهم فيها بالنظر إلى وجهه الكريم ، وهى التى أهبط منها آدم نبيه وخليفته إلى أرضه بماسبق فى سابق علمه .

وخلق النار فأعدها دار خلود لمن كفر به وألحد فى آياته وكتبه ورسله وجعلهم محجوبين عن رؤيته .

وأن الله تبارك وتعالى يجيء يوم القيامة والملك صفا صفاً، لعرض الأمم وحسابها وعقوبتها وثوابها ، وتوضع الموازين لوزن أعمال العباد، فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون، ويؤتون صحائفهم بأعمالهم، فمن أوتي كتابه بيمينه فسوف يحاسب حسابا يسيرا ، ومن أوتى كتابه وراء ظهره فأولئك يصلون سعيرا .

وأن الصراط حق، يجوزه العباد بقدر أعمالهم ، فناجون متفاوتون فى سرعة النجاة عليه من نار جهنم ، وقوم أوبقتهم فيها أعمالهم.

والايمان بحوضِ رسول الله ﷺ ، ترده امته ، لايظمأ من شرب منه ، ويذاد عنه من بدل و غير .

وأن الايمان قول باللسان ، وإخلاص بالقلب، وعمل بالجوارح ،يزيد بزيادة الأعمال، وينقص بنقصها ، فيكون فيها النقص وبها الزيادة ، ولا يكمل قول الايمان إلا بالعمل ، ولاقول وعمل إلا بنية ، ولاقول وعمل ونية إلا بموافقة السنة .

وأنه لايكفر أحد بذنب من أهل القبلة .

وأن الشهداء أحياء عند ربهم يرزقون ، وأرواح أهل السعادة باقية ناعمة

إلى يوم يبعثون ،وأرواح أهل الشقاوة معذبة إلى يوم الدين.

وأن المؤمنين يفتنون في قبورهم ويسألون ، ﴿ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. ﴾.

وأن على العباد حفظة يكتبون أعمالهم، ولا يسقط شيء من ذلك عن علم ربهم، وأن ملك الموت يقبض الأرواح بإذن ربه.

وأن خير القرون القرن الذين رأوا رسول الله ﷺ وآمنوا به، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.

وأفضل الصحابة الخلفاء الراشدون المهديون؛ أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم أجمعين.

وأن لا يذكر أحد من صحابة الرسول ﷺ إلا بأحسن ذكر، والإمساك عما شجر بينهم، وأنهم أحق الناس أن يلتمس لهم أحسن المخارج ، ويظن بهم احسن المذاهب.

والطاعة لأئمة المسلمين من ولاة أمورهم وعلمائهم، واتباع السلف الصالح واقتفاء آثارهم، و الاستغفار لهم،وترك المراء والجدال في الدين، وترك ما احدثه المحدثون .

وصلى الله على سيدنا محمد نبيه، وعلى آله وأزواجه وذريته ،وسلم تسليما كثيرا.

متن کا ترجمہ

یہ باب دین کے ان امور کے بیان میں ہے جن کا اقرار تمام زبانوں پر، اور اعتقاد تمام دلوں پر فرض ہے۔

ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ دل کے ساتھ ایمان، اور زبان کے ساتھ اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ: معبودِ حق ہے، اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شبیہ اور نظیر نہیں ہے، نہ ہی اس کی اولاد ہے نہ والد، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی شریک۔

اس کی اولیت کی کوئی ابتداء نہیں، اور اس کی آخریت کی کوئی انتہاء نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے والے اس کی کسی صفت کی ماہیت وکیفیت تک نہیں پہنچ سکتے اور تفکر کرنے والے اس کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے، تفکر کرنے والے اس کی آیات سے نصیحت وعبرت اخذ کرتے ہیں لیکن اس کی ذات کی حقیقت وکیفیت پر غور وخوض اور بحث وتمحیص نہیں کرتے۔ وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی کی وسعت نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

وہ عالم، خبیر، مدبر، قدیر، سمیع، بصیر، بلند اور بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرشِ عظیم پر ہے، جبکہ بعلمہ ہر جگہ موجود ہے۔

اس نے انسان کو پیدا کیا اور وہ انسان کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں انہیں بھی جانتا ہے اور وہ اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصے میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔

وہ عرش پر مستوی ہے اور پوری کائنات پر اسکی حکمرانی، بادشاہت اور قبضہ ہے۔ اس کیلئے

انتہائی پیارے پیارے نام اور بہت ہی اعلیٰ صفات ہیں۔ وہ اپنی تمام صفات اور ناموں کے ساتھ ہمیشہ سے ہے، وہ اس بات سے انتہائی بلند اور پاک ہے کہ اس کی کوئی صفت مخلوق ہو یا کوئی نام نیا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ صفتِ ذاتیہ ہے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ (کوہِ طور) پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال سے ریزہ ریزہ ہو گیا، قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے کہ فنا کا شکار ہو جائے، نہ ہی کسی مخلوق کی صفت ہے کہ ختم ہو جائے۔

اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی ہر قسم کی تقدیر پر ایمان لانا (فرض ہے)۔ ان تمام چیزوں کو ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا، تمام امور کی مقادیر اس کے ہاتھ میں ہے، جن کا صادر ہونا اس کے فیصلے سے ہے۔

وہ ہر شی کو وجود میں آنے سے پہلے ہی جانتا ہوتا ہے، اور وہ شی جب وجود میں آتی ہے تو اس کی تقدیر کے مطابق ہی آتی ہے، بندوں کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر اور اس کے علمِ سابق کے مطابق ہوتا ہے ﴿ کیا وہ ذات علم نہیں رکھتی جس نے پیدا کیا؟ وہ تو باریک بین اور باخبر ہے ﴾۔

جسے چاہتا ہے گمراہ کر کے ذلتوں کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے، جو کہ عینِ عدل ہے، اور جسے چاہتا ہے توفیقِ ہدایت سے مشرف فرما دیتا ہے، جو عینِ فضل ہے۔ ہر بد بخت یا نیک بخت، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور تقدیر کے مطابق اپنی اپنی راہ پر بآسانی چلایا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ اسکی بادشاہت میں کوئی چیز اسکے ارادے کے بغیر یا برخلاف ہو، یا کوئی مخلوق اس سے مستغنی ہو، ہر شی کا صرف وہی خالق ہے، تمام بندوں اور اکے تمام اعمال کا وہی رب ہے، اور انکی تمام حرکات وآجال کی تقدیر بنانے والا بھی وہی ہے۔

لوگوں پر حجت قائم کرنے کیلئے، ان کی طرف رسول مبعوث فرمانے والا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ رسالت کا اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر اختتام فرمادیا، اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء ومرسلین میں سے سب سے آخر میں مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کو بشیر ونذیر بنایا ، اپنے اذن سے اپنا داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا، آپ ﷺ پر اپنی کتاب حکیم (قرآن مجید) نازل فرمائی، اور آپ ﷺ کے ذریعے اپنے دینِ متین کی شرح وتفصیل فرمادی، نیز آپ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمادی۔

اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ تمام مُردوں کو اٹھائے گا، جیسے انہیں پیدا کیا تھا، ویسے ہی دوبارہ بن جائیں گے۔

اور بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مؤمن اور موحد بندوں کی نیکیوں کو خوب بڑھادیتا ہے، اور ان کی توبہ کے بسبب ان کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے، اور بڑے گناہوں سے اجتناب کی برکت سے ان کے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرمادیتا ہے، اور اگر کوئی موحد بندہ اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ نہ کرپایا ہو تو اس کا معاملہ اپنی مشیئت کے تحت فرمالیتا ہے۔﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾ (النساء:۴۸)

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے‘‘۔

اور جس (مسلمان) کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کی سزا دے گا اسے جہنم سے بوجہ اس کے ایمان کے نکال دے گا، پھر ایمان کی برکت سے جنت میں داخل کردے گا: ’’پس جس نے ایک ذرہ کے بقدر نیکی کی وہ اسے ضرور دیکھے گا‘‘ اللہ تعالیٰ جہنم سے نبی ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت کے بہت سے اہلِ کبائر کو، جس جس کی آپ ﷺ شفاعت کریں گے، نکال دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمادیا ہے، اور اسے اپنے دوستوں کے رہنے کیلئے ہمیشہ کا گھر قرار

دے دیا ہے، اس گھر میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے بابرکت چہرے کے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ یہ جنت وہی گھر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور خلیفہ آدم علیہ السلام کو اتار کر زمین پر بھیج دیا تھا، اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں یہ بات موجود تھی۔

اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی پیدا فرما چکا ہے، اور اسے کفر کرنے والوں اور اپنی آیتوں، کتابوں اور رسولوں میں الحاد پیدا کرنے والوں کا ہمیشہ کا ٹھکانہ قرار دے چکا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔

اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن آئے گا، اور فرشتے بھی قطاروں میں (آئیں گے) تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر پیش کریں، اور اللہ تعالیٰ ان سے سارا حساب لے، اور انہیں عذاب میں جھونکنے یا ثواب عطا فرمانے کے فیصلے فرمائے۔ بندوں کے اعمال کے وزن کیلئے ترازو بھی قائم کردیے جائیں گے، پس جن کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا، وہ کامیاب قرار پائیں گے۔ اسی طرح لوگوں کو ان کے اعمال کے صحیفے بھی دیے جائیں گے، پس جسے دائیں ہاتھ میں اس کا صحیفہ تھما دیا گیا، ان کا حساب بہت آسان کردیا جائے گا، اور جنہیں ان کا صحیفہ پشت کے پیچھے سے دیا گیا، وہ لوگ جلتی آگ کا لقمہ بن جائیں گے۔

(قیامت کے دن) پل صراط برحق ہے، جسے بندے اپنے اپنے اعمال کے بقدر عبور کریں گے، کچھ تو نجات پا جائیں گے جو جہنم سے نجات میں تیزی کے اعتبار سے متفاوت ہونگے۔ اور بہت سے لوگوں کو ان کے اعمال ہلاکت کے گڑھے (جہنم) میں پھینک دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے حوض پر ایمان لانا (فرض ہے) آپ ﷺ کے حوض پر آپ ﷺ کی امت وارد ہوگی، جس نے اس حوض سے پانی پی لیا اسے (جنت میں داخلے تک) پیاس نہیں لگے گی، حوضِ کوثر سے اس بدعتی کو دور کردیا جائے گا جس نے دین میں تبدیل وتغییر کا ارتکاب کیا۔

اور بے شک ایمان زبان کے اقرار، دل کے اخلاص، اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، نیکیوں کی

زیادتی سے بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے، ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، ایمان کا قول، عمل کے بغیر پورا نہیں ہوتا، اور قول وعمل دونوں نیت کی درستگی کے بغیر نامکمل ہیں، اور قول، عمل اور نیت تینوں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مطابقت کے بغیر ناقابلِ قبول ہیں۔

اور اہلِ قبلہ میں سے کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہو جاتا۔

شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں، نیک لوگوں کی روحیں قیامت قائم ہونے تک نعمتوں سے متمتع ہوتی رہیں گی، جبکہ بُرے لوگوں کی روحیں قیامت تک مبتلائے عذاب رہیں گی۔

مؤمنین کو ان کی قبروں میں آزمائش اور امتحان کے مرحلے سے گزارا جائے گا۔ "اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے"۔

بندوں پر نگران فرشتے مقرر ہیں، جو ان کے اعمال لکھتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم سے بھی کوئی عمل ساقط نہیں ہوتا (خواہ فرشتے لکھیں یا نہ) اور ملک الموت فرشتہ اللہ کے اذن سے روحیں قبض کرتا ہے۔

اور بے شک سب سے بہترین زمانہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بحالتِ ایمان رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر ان لوگوں کا جو صحابہ کے بعد آئے، پھر ان کے بعد آنے والوں کا۔

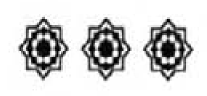
صحابہ کرام میں سے سب سے افضل خلفاءِ راشدین ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں، وہ ابوبکر صدیق پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کو اچھے ذکر سے یاد کیا جائے، ان کے آپس کے مشاجرات واختلافات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے، وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ (ان کے مشاجرات میں) ان کیلئے بہتر مخرج تلاش کیا جائے، اور ان کے بارہ میں سب سے اچھا گمان

قائم کیا جائے۔

اور (اہل السنۃ) مسلمانوں کے حکام اور علماءِ کرام کی اطاعت بھی (ضروری قرار دیتے ہیں)۔سلف صالحین کی اتباع، ان کے نقشِ قدم کی پیروی اور ان کیلئے استغفار کرتے رہنا (اہل السنۃ کے معتقدات میں شامل ہے)۔(اہل السنۃ کے منہج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ) دین میں جھگڑنے سے یکسر گریز کی جائے۔اہلِ بدعت نے، دین میں جو اضافے کیے ہیں، انہیں کلی طور پہ ترک کر دینا (بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج میں شامل ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار، نبی پاک محمد ﷺ پر، آپ کی آل، ازواجِ مطہرات اور ذریات پر رحمتیں اور بہت زیادہ سلامتیاں نازل فرمائے۔ (آمین)




آغازِ شرح

أول شرح

[۱] قوله: "باب ما تنطق به الألسنة وتعتقده الأفئدة من واجب أمور الديانات، من ذلك الايمان بالقلب والنطق باللسان أن الله اله واحد لاإله غيره، ولا شبيه له، ولا نظير له، ولا ولد له، ولا والد له، ولا صاحبة له، ولاشريك له."

ترجمہ: "یہ باب دین کے ان مور کے بیان میں ہے جن کا اقرار تمام زبانوں پر، اور اعتقاد تمام دلوں پر فرض ہے، ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ دل کے ساتھ ایمان، اور زبان کے ساتھ اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ: معبودِ حق ہے، اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شبیہ اور نظیر نہیں ہے، نہ ہی اس کی اولاد ہے نہ والد، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی شریک۔"

شرح

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، حقیقت میں صرف ایک باب ہے، جسے ابن ابی زید القیروانی رحمہ اللہ نے فقہی مسائل پر لکھے گئے اپنے "الرسالة" کے مقدمہ کے طور پر تحریر فرمایا ہے، گویا یہ انکی عقیدہ کے موضوع پر کوئی مستقل تالیف نہیں ہے، بلکہ مستقل تصنیف کا بطور مقدمہ ایک باب ہے، اس طرح انکی یہ تحریر دونوں فقہوں کو جمع کیئے ہوئے ہے، ایک وہ فقہ جس کا تعلق عقیدہ سے ہے، جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اس فقہ کو اصطلاحاً فقہ اکبر کہا جاتا ہے، دوسری وہ فقہ جس کا تعلق فروعِ دین کے احکام سے ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ عقیدہ کیلئے دو چیزوں کے واجب ہونے کا ذکر کیا ہے، ایک زبان کا اقرار، دوسرا قلبی اعتقاد...... عمل کا ذکر نہیں کیا؟ جو کہ ارجاء ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ عقیدہ کیلئے صرف زبان کا اقرار، اور دل کی تصدیق مطلوب ہے، عمل مطلوب نہیں، عمل کی شرط ایمان کی

تعریف کے ساتھ ہے، اور اس مقدمہ میں مؤلف رحمہ اللہ نے جب ایمان کی تعریف کی تو ان تین شرائط کے ساتھ کی ہے یعنی: زبان کا اقرار، دل کی تصدیق اور جوارح کا عمل۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اثبات اور اللہ تعالیٰ سے سات چیزوں کی نفی

ابن ابی زید کا مذکورہ کلام ایک تو اس بات پر مشتمل ہے کہ الوہیت یعنی مستحق عبادت ہونا صرف اللہ رب العزت کیلئے ثابت ہے اور کسی کیلئے نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے سات چیزوں کی نفی کی ہے:

(۱) ہر غیر اللہ کے معبود ہونے کی نفی۔

(۲) کسی کے اللہ تعالیٰ کے شبیہ ہونے کی نفی۔

(۳) کسی بھی شئی سے اللہ تعالیٰ کے نظیر ہونے کی نفی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی اولاد کی نفی۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا باپ ہونے کی نفی۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی بیوی ہونے کی نفی۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کی نفی۔

اب تمام امور کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمانا: "ان اللہ الـٰـہ واحد لا الـٰـہ غیرہ" یعنی (اللہ تعالیٰ اکیلا الٰہ (معبود) ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

﴿ وَإِلَـٰهُكُمْ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَـٰنُ الرَّحِيمُ ﴾ (البقرۃ:۱۶۳)

ترجمہ: "تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے"

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا معبودِ حق ہے، اور ضروری ہے کہ ہر قسم کی عبادت اسی اکیلے معبود کیلئے بجالائی جائے، اور کسی بھی عبادت میں غیر اللہ کا کسی قسم کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اس عظیم الشان عقیدے کو سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الانبیاء:۲۵)

ترجمہ: ''اور آپ سے قبل ہم نے جس رسول کو مبعوث کیا اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے پس صرف اور صرف میری ہی عبادت کرو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل:۳۶)

ترجمہ: ''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور ہر طاغوت کا انکار کرو۔''

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات:۵۶)

ترجمہ: ''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو، مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''

توحید کی تین اقسام اور ان کی تعریفات

چنانچہ تمام مخلوقات، اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں، تمام رسولوں کو اسی نے مبعوث فرمایا، اور تمام کتابیں اسی نے نازل فرمائیں...... تاکہ ان رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خلق تک اللہ تعالیٰ کا امر اور آرڈر پہنچ جائے کہ صرف وہ ذاتِ واحد ہی ہر قسم کی عبادت کی مستحق ہے اور اس ذاتِ برحق کے سوا کوئی بھی، کسی بھی قسم کی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ توحید کی یہ قسم توحید الوہیت کہلاتی ہے، جو توحید کی تین اقسام میں سے ایک ہے، باقی دو قسمیں توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات ہیں۔

توحید الوہیت یہ ہے کہ عبادت کے تعلق سے بندوں کے تمام افعال مثلاً: دعا، استغاثہ، استعاذہ، ذبح اور نذر وغیرہ کا اکیلا اللہ تعالیٰ ہی حقدار ہے۔ تمام بندوں پر یہ بات حتمی اور قطعی طور پر فرض ہے کہ وہ تمام عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کر دیں، اور کسی بھی عبادت میں، کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں...... گویا توحیدِ الوہیت کا تعلق بندوں کے افعال سے ہے۔

جبکہ توحیدِ ربوبیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہے، مطلب یہ کہ جو افعال اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص و مذکور ہیں ان تمام افعال کا صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کو ہی مستحق قرار دیا جائے......

مثلاً: پیدا کرنا، روزی دینا، زندہ کرنا، مارنا اور کائنات میں تصرف کرنا، یہ سب وہ افعال ہیں جو اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہیں، اور ان افعال میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

توحیدِ اسماء وصفات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس ذاتِ حق کیلئے جن اسماء وصفات کا اثبات فرمایا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کیا جائے، اور اسی طرح ثابت کیا جائے جیسا کہ اس کے کمال وجلال کے لائق ہے، اس میں نہ تو کسی صفت میں کسی سے تشبیہ ہو، نہ کسی صفت کی کیفیت کا بیان ہو، نہ کسی صفت میں لفظی یا معنوی تحریف ہو اور نہ ہی کسی صفت کا انکار وتعطیل ہو۔

سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الناس توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہیں

توحید کی یہ تقسیم قرآن وحدیث کے نصوص سے استقراءً معلوم ومفہوم ہوتی ہے، اور اگر آپ قرآنِ مجید کی پہلی اور آخری دونوں سورتیں پڑھیں تو یہ نکتہ آپ پر عیاں ہو جائیگا، کیونکہ یہ دونوں سورتیں توحید کی مذکورہ تینوں اقسام پر مشتمل ہیں، چنانچہ ہم وضاحت کیلئے ان دونوں سورتوں کے مضمون پر غور کرتے ہیں:

سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ ہے، "اَلْحَمْدُ" کا جملہ، توحید الوہیت پر مشتمل ہے کیونکہ بندوں کا ہر قسم کی حمد وثنا کا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا عبادت ہے،

اور توحیدِ الوہیت بھی اسی چیز کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہر قسم کی عبادت بجالائی جائے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ میں توحیدِ ربوبیت کا اثبات ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے تمام عالمین کے رب ہونے کا اقرار واعتراف ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز عالمین میں داخل وشامل ہے، چنانچہ اس کائنات میں یا تو خالق ہے یا مخلوق، تیسری کوئی چیز نہیں، رب العالمین میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے اور باقی تمام عالمین کے مخلوق ومربوب ہونے کا اعتراف ہے، پھر یہ بات معلوم ہے کہ ''رب'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، اور یہ توحیدِ اسماء وصفات ہے، گویا سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت ہی توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد قولہ تعالیٰ ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات مذکور ہیں۔ اس طرح یہ آیت بھی توحیدِ اسماء وصفات پر مشتمل ہے ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے دو نام ہیں، یہ دونوں نام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یعنی رحمت پر دلالت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء مشتق ہیں اور کسی نہ کسی صفت پر دلالت کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام اسم جامد نہیں ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ میں توحیدِ ربوبیت کا اثبات ہے، کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے مالکِ دنیا وآخرت ہونے کا عقیدہ پنہاں ہے، یہاں صرف آخرت کے مالک ہونے کا بطورِ خاص اس لیئے ذکر کیا کہ قیامت کے دن سب کے سب اللہ رب العالمین کیلئے پوری طرح جھک جائیں گے، برخلاف دنیا کے، کہ یہاں لوگوں میں طرح طرح کی سرکشی، عناد اور تکبر ونافرمانی پائی جاتی ہے، جیسا کہ فرعون نے ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ کہا تھا۔

قولہ تعالیٰ: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ میں توحیدِ الوہیت کا اثبات ہے، کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں بندے بڑے حصر کے ساتھ اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم ہمہ نوع کی عبادت واستعانت کے ساتھ تجھے ہی خاص کرتے ہیں اور تیرے ساتھ کسی دوسرے کو

شریک نہیں کرتے۔

قولہ تعالیٰ: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ﴾ میں توحید الوہیت کا اثبات ہے، کیونکہ یہ آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ سے طلب ہدایت کی دعا پر مشتمل ہیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ دعا ایک اہم ترین عبادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [الدعاء هو العبادة] دعا عبادت ہے۔

ان آیاتِ کریمہ میں بندہ اپنے پروردگار سے صراطِ مستقیم کی ہدایت کی دعا مانگتا ہے، وہ صراطِ مستقیم جس پر انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین چلتے رہے، اور یہ سب کے سب اہلِ توحید ہیں۔

اسی طرح ان آیاتِ مبارکہ میں بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کر رہا ہے کہ مجھے ان لوگوں کے راستے سے بچائے رکھنا جو مستحقینِ غضب وضلالت کا راستہ تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو توحید سے باغی تھے، ان سے انواع واقسام کے شرک صادر ہوتے رہے اور وہ غیر اللہ کی عبادت کی روش پر قائم رہے۔ (ہماری اس تقریر سے واضح ہوا کہ سورۃ الفاتحہ جوام الکتاب ہے کا مکمل موضوع توحید باری تعالیٰ ہے اور یہ سورۂ مبارکہ توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے)

اب قرآنِ کریم کی آخری سورت، سورۃ الناس پر غور کیجئے:

اس کی پہلی آیت: ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے، چنانچہ "استعاذہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا عبادت ہے، اور یہ توحیدِ الوہیت ہے، اور "رب الناس" قولہ تعالیٰ: ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ کی طرح توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات دونوں پر مشتمل ہے۔

قولہ تعالیٰ: ﴿ مَلِكِ النَّاسِ ﴾ بھی توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات دونوں پر مشتمل ہے

قولہ تعالیٰ: ﴿ اِلٰهِ النَّاسِ ﴾ میں توحیدِ الوہیت اور توحیدِ اسماء وصفات دونوں اقسام موجود ہیں۔

توحید کی ان اقسام میں باہم نسبت

واضح ہو کہ توحید کی ان تینوں اقسام میں آپس میں جو نسبت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ توحید
ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات کا اقرار واعتراف توحیدِ الوہیت کو مستلزم ہے، جبکہ توحیدِ الوہیت کا
اقرار واعتراف توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات دونوں کو متضمن ہے۔

اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ جس شخص نے توحیدِ الوہیت کا اقرار کرلیا وہ لازماً توحید
ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات کا بھی اقرار کرے گا، کیونکہ جب اس نے اللہ وحدہ لاشریک لہ کو ا
معبود مان لیا اسے ہر قسم کی عبادت کے مستحق ہونے کے ساتھ خاص کرلیا، اور کسی بھی قسم کی عبادت
میں ہر قسم کے شریک کا انکار کرلیا، تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے خالق، رازق، محیی اور ممیت ہونے
انکار نہیں کرسکے گا (اور یہ سب توحیدِ ربوبیت پر مشتمل صفات ہیں) اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اسما
حسنیٰ اور صفاتِ علیٰ میں سے کسی نام یا صفت کا انکار نہیں کرسکے گا۔

اسی طرح جس شخص نے توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات کا اقرار کرلیا تو اس کیلئے ضرور
ہے کہ وہ توحیدِ الوہیت کا بھی اقرار کرلے، اسے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ کفارِ مکہ جن کی طرف
رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمل میں آئی تھی، توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے تھے، توحید کی اس قسم
اقرار نے انہیں داخلِ اسلام نہیں کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس وقت تک قتال حلا
قرار دے دیا جب تک وہ خالص اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت نہیں کرتے (یعنی توحیدِ الوہیت
نہیں مان لیتے) یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات میں توحیدِ ربوبیت، جس کا کف
اقرار کرتے تھے کا اثبات وتقریر مذکور ہے، تاکہ انہیں توحیدِ الوہیت کے اقرار واعتراف پر آمادہ
جائے (کیونکہ توحیدِ ربوبیت کا اقرار، توحیدِ الوہیت کے اقرار کو مستلزم ہے) بطور مثال قرآنِ مج
کی ان آیات کو پڑھیے:

﴿ أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِ

ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ . أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَا أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ . أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ . أَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ . أَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

(النمل:۶۰تا۶۴)

ترجمہ: ”بھلا بتاؤ تو؟ کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں (سیدھی راہ سے)۔ کیا جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کیلئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے۔ بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو۔ کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والے ہوائیں چلاتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنہیں یہ شریک کرتے ہیں، ان سب سے اللہ بلند و بالاتر ہے۔ کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔“

ان پانچوں آیاتِ مبارکہ میں توحیدِ ربوبیت کی تقریر واثبات ہے، جسے کفار بھی تسلیم کرتے تھے، تاکہ انہیں توحیدِ الوہیت قبول کرنے کی دعوت دی جائے، یہی وجہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توحیدِ ربوبیت کے اثبات کے بعد فرمایا:

﴿ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟

مطلب بالکل واضح ہے کہ جو ذات ان افعال کی انجام دہی میں اکیلا وتنہا ہے (جن افعال کا مذکورہ آیات میں ذکر ہوا) تو ضروری ہے کہ اس ذات کو معبود بھی مانا جائے اور ہر نوع کی عبادت اس کے ساتھ مختص کی جائے؛ کیونکہ جو ذات خلق وایجاد جیسے افعال کے ساتھ مختص ہے اس ذات کا معبود ہونا امرِ متعین وواجب ہے۔

اس بات میں کیا معقولیت ہے کہ یہ مخلوقات جو پہلے معدوم تھیں، اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آئیں انہیں پیدا ہونے کے بعد معبود مان لیا جائے، یا ان مخلوقات کو خالق کا شریک ٹھہرالیا جائے؟ یہ بات کسی طرح بھی معقول ہے؟

قبولیتِ اعمال کی دو شرطیں: اخلاص اور اتباعِ سنت

حقیقتِ عبادت واضح ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی بھی عبادت یا عمل کے قابلِ قبول ہونے کیلئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

ایک یہ کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہو، اور دوسرا یہ کہ وہ نبی ﷺ کی سنت کے مطابق وموافق ہو۔ لہذا ہر عمل کی قبولیت کیلئے تجریدِ اخلاص اور تجریدِ متابعت ضروری ہے، اخلاص اللہ وحدہ لاشریک لہ کیلئے، اور متابعت رسول اللہ ﷺ کیلئے...... اگر کسی عمل کو سنتِ رسول ﷺ کی مطابقت تو حاصل ہو لیکن اخلاص مفقود ہو تو وہ عمل عند اللہ کسی قبولیت یا پذیرائی کا مستحق نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ (الفرقان:۲۳)

ترجمہ: ''اورانہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذر
کی طرح کردیا''

اسی طرح اگر عمل میں اخلاص کی شرط تو موجود ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مطابقت
شرط مفقود ہے، بلکہ بدعات ومحدثات کی اساس پر قائم ہے تو وہ عمل عنداللہ غیر مقبول ہے اور ع
کرنے والے پر مردود قرار پاتا ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں عائشہ رضی اللہ عنھا کی روایت سے مروی ایک حدیث میں رسول ا
ﷺ نے فرمایا: [من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد]

ترجمہ: [جس شخص نے (خواہ وہ کوئی بھی ہو) ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز نکالی، جو دی
میں سے نہ ہو، تو وہ مردود ہے]

صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

[من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد]

ترجمہ: [جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ عمل اس شخص پہ مردود ہے]

یہ کہنا غلط ہے کہ عمل کرنے والا اگر مخلص ہو، عمل خواہ سنت کے مطابق نہ بھی ہو، لیکن بندے کا
ارادہ ونیت نیک ہو تو وہ عمل درست، قابلِ تعریف اور نافع ہے، اس قسم کے مفروضوں اور نظریات
کے غلط ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا اپنے اس صحابی سے کہ جس نے نماز عید سے قبل اپنی
قربانی ذبح کرلی تھی یہ فرمانا: [شاتک شاة لحم] تمہاری یہ بکری صرف گوشت کھانے کھلانے
کی حد تک ہے (قربانی کی نہیں ہے)

رسول اللہ ﷺ نے اس کی قربانی کا کوئی اعتبار نہیں فرمایا، کیونکہ وہ وقتِ ذبح شروع ہونے
سے قبل ذبح کرلی گئی تھی، وقتِ ذبح نماز عید کی ادائیگی کے بعد ہے مگر اس نے نماز سے قبل ذبح
کرڈالی۔

اس حدیث کوامام بخاری اپنی صحیح (۵۵۵۶) میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح (۱۹۶۱) میں روایت فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۰/۱۷) میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "شیخ ابو محمد بن ابی جمرۃ کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ عمل خواہ کتنی اچھی نیت سے کیوں نہ صادر ہو، اسوقت تک صحیح اور معتبر نہیں ہوگا جب تک رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے موافق نہ ہو"

سنن داری (۱/۶۸،۶۹) میں ہے

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا، ان کے سامنے کنکریاں پڑی ہوئی تھیں، ایک شخص کہتا: سوبار "اللہ اکبر" کہو، سب سو دفعہ "اللہ اکبر" کہتے، پھر وہ کہتا: سوبار "لا الٰہ الا اللہ" کہو، سب سوبار "لا الٰہ الا اللہ" کہتے، پھر وہ کہتا سوبار "سبحان اللہ" کہو، سب سوبار "سبحان اللہ" کہتے...... آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! ہم ان کنکریوں پر تکبیر تہلیل اور تسبیح شمار کررہے ہیں، فرمایا: تم اس کے بجائے اپنے گناہ شمار کرو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس طرح کم از کم تمہاری کوئی نیکی تو نہ ضائع ہوگی، اے امتِ محمد (ﷺ) تم پہ افسوس! تم کتنی جلدی برباد ہوگئے، ابھی نبی ﷺ کے صحابہ کرام اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں، نبی ﷺ کے کپڑے تک موجود ہیں، جواب تک بوسیدہ نہیں ہوئے، برتن نہیں ٹوٹے، اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تم محمد ﷺ سے زیادہ نیک اور ہدایت یافتہ بن چکے ہو، یا تم نے اپنے لیئے ضلالت کا ایک دروازہ کھول لیا ہے، لوگوں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! اگر ہمارا ارادہ اور نیت تو نیک ہے، فرمایا: کتنے لوگ ہیں جن کے ارادے نیک ہوتے ہیں، لیکن نیکی اور خیر انہیں نصیب نہیں ہوتی"

(گویا محض نیت وارادے کا نیک ہونا قبولیتِ عمل کیلئے کافی نہیں بلکہ اس کیلئے امام الانبیاء ﷺ کی سنت کا اتباع بھی ضروری ہے) اس اثر کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلۃ الصحیحۃ (رقم: ۲۰۰۵) میں ذکر کیا ہے۔

ابن ابی زید رحمہ اللہ کا یہ فرمان "ان اللہ الہ واحد لا الہ غیرہ" باعتبار معنی، کلمہ اخلاص وتوحید "لا الہ الا اللہ" کی تعبیر وترجمانی کررہا ہے، چنانچہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" نفی عام اور اثبات خاص پر دلالت کررہا ہے، نفی عام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے بھی معبود بنائے گئے ہیں یا بنائے جائیں گے سب کی عبادت کی نفی وابطال، اور اثبات خاص سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کی عبادت کا چونکہ اللہ تعالیٰ مستحق ہے لہذا ہر طرح کی عبادت اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کردی جائے۔

"لا الہ......" کا "لا" برائے نفی جنس ہے، جس کی خبر محذوف ہے، تقدیر "حق" ہے۔ مقصود اللہ تعالیٰ کے سوا معبودِ حق کی نفی ہے، کیونکہ معبودِ باطل تو نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ بڑی تعداد میں موجود ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کا یہ قول قرآنِ پاک میں ذکر فرمایا ہے:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾ (ص:۵)

ترجمہ: "کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کے بجائے ایک ہی معبود بنادیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے!"

ابن ابی زید نے جو "لا الہ غیرہ" فرمایا ہے یہ جملہ ان کے قول "ان اللہ الہ واحد" کی تاکید ہے۔ اور ان کے کلام کے مذکورہ سات جملے جو نفی پر مشتمل ہیں، آخری جملہ "لا شریک لہ" ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہونا ضروری ہے، اور عبادت کی کسی بھی قسم میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں اکیلا ہے، اور اپنے تمام اسماء وصفت میں اکیلا ہے، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، دوسرا کوئی نہیں، اس کی ربوبیت میں بھی کوئی شریک نہیں ہے وہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا ہی خالق اور مدبر ہے۔ اسی طرح اس کا اسماء وصفات میں بھی کوئی شریک نہیں ہے، کیونکہ ان صفات کے جو معانی اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا قول "لا شبیہ لہ ولا نظیر لہ" اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی

مثل نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی پوری مخلوق میں کوئی اس کا مشابہ ہے، بلکہ وہ اپنی تمام صفات کے
ساتھ منفرد (اکیلا اور تنہا) ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

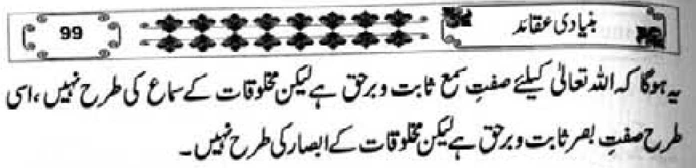
ترجمہ: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے والا دیکھنے والا ہے''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ایک آیتِ کریمہ، اسماء وصفات کے حوالے سے أھل
السنۃ کے عقیدے کیلئے ایک اصل کی حیثیت رکھتی ہے، اور وہ اصل ہے ''اثبات مع التنزیہ
یعنی صفاتِ کمال کو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کرنا، اور اس طرح ثابت کرنا کہ وہ کسی بھی مخلوق کی
مشابہت سے منزہ اور پاک ہوں۔

أھل السنۃ کا یہ عقیدہ، فرقۂ مشبہہ کے عقیدے کے خلاف ہے، فرقۂ مشبہہ کے ہاں صفات
باری تعالیٰ کے حوالے سے جو عقیدہ ہے وہ ''اثبات مع التشبیہ'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی صفات
ثابت تو کرتے ہیں لیکن مخلوقات سے تشبیہ کے ساتھ۔ (ونعوذ باللہ من ھذا الضلال) اس
طرح أھل السنۃ کا مذکورہ عقیدہ، فرقۂ معطلہ کے عقیدے کے بھی خلاف ہے، فرقۂ معطلہ کا عقیدہ
''تنزیہ مع التعطیل'' ہے، یعنی وہ خالق کی مخلوقات سے تشبیہ کی نفی کرتے ہیں، اس طرح کہ
صفات ہی کا انکار کردیا جائے، تاکہ نہ صفات ہوں اور نہ تشبیہ کا مخطور ہو، (ولاحول ولاقوۃ الا باللہ)

أھل السنۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں مذکور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات برحق ہیں، ا
تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اور مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہیں۔ چنانچہ قولہ تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ السَّمِ
الْبَصِيرُ ﴾ میں اللہ تعالیٰ کے دو ناموں کا اثبات ہے ایک ''السمیع'' اور دوسرا ''البصیر''، ا
یہ دونوں نام اللہ تعالیٰ کی دو صفات کے اثبات پر دلالت کررہے ہیں، ایک صفتِ سمع، دوس
صفتِ بصر۔

اور قولہ تعالیٰ: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ تنزیہ پر دلالت کررہا ہے۔ اب اس مکمل آیت کا



یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ سمع ثابت و برحق ہے لیکن مخلوقات کے سماع کی طرح نہیں، اسی طرح صفتِ بصر ثابت و برحق ہے لیکن مخلوقات کے ابصار کی طرح نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴾ (مریم:٦٥) ترجمہ: "اس کا ہمنام ہم پلہ اور بھی ہے؟"

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علی بن ابی طلحہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے نقل فرماتے ہیں، وہ اس آیت کریمہ کا معنی یوں بیان کرتے تھے:

"کیا تم رب تعالیٰ کا کوئی مثل یا مشابہ جانتے ہو؟" یہی تفسیر مجاہد، سعید بن جبیر، قتادۃ اور ابنِ جریج وغیرہ سے منقول ہے۔

ایک اور مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ ترجمہ: "اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے"

"کفو" سے مراد مثل اور نظیر ہے، امام قرطبی اپنی تفسیر میں (٢٠/٢٤٦) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس سے نہ تو کوئی مشابہت رکھنے والا ہے نہ کوئی برابری کرنیوالا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں"

قولہ تعالیٰ: ﴿ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ میں کلمہ "احد" جو کہ نکرہ ہے سیاقِ نفی میں ہونے کے باعث بہت بڑے عموم پر دلالت کر رہا ہے، جس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی صفت میں، کسی بھی قسم کا کوئی شبیہ یا مثل نہیں ہے۔ تفسیر ابنِ کثیر میں جو اس کلمہ کی تفسیر "زوجۃ" سے کی گئی ہے تو وہ از قبیل تفسیر بالمثال ہے۔ اور جملہ ﴿ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ سابقہ جملوں کی اور بالخصوص پہلی آیت ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ کی تاکید ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا ہے اور ایسا اکیلا ہے کہ کوئی اس کا شبیہ اور نظیر بھی نہیں ہو سکتا۔

قولہ: "ولا ولد له، ولا والد له ولا صاحبة له"

''اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ ہی باپ ہے اور نہ ہی بیوی''

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی اولاد، باپ، بیوی کی نفی نصاً وارد ہے۔ سورۂ اخلاص پڑھ کر دیکھ

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ . اَللّٰهُ الصَّمَدُ . لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ . وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اس

کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے''

چنانچہ اس سورت نے اللہ تعالیٰ کے والد اور اولاد ہونے کی نفی کی ہے، اور ہر مثل و نظیر

کے ضمن میں بیوی ہونے کی نفی بھی آ گئی۔ اس مبارک سورت میں اللہ تعالیٰ کیلئے اح

اور صمدیت کا اثبات ہے، جبکہ ہر اصول (باپ) فروع (اولاد) اور نظراء (ہم مثل) کی نفی

چنانچہ وہ ذات ''احد'' ہے جس کا کوئی ہم مثل نہیں، اور صمد ہے جس کا کوئی باپ یا بیٹا نہیں ہے

کی طرف تمام خلائق اپنی حاجات پیش کرنے کی محتاج و مفتقر ہیں، اور وہ ذات سب سے مستغ

بے پرواہ ہے، اور اس کا مستغنی اور بے پرواہ ہونا ایسا باکمال ہے کہ وہ والد اور اولاد تک کا

نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کی نفی دیگر بہت سی سور و آیات میں وارد ہے؛ کیونکہ یہودی عزیر

کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے تھے، جبکہ کفارِ مکہ جن کی طرف رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے،

کے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدۂ باطلہ رکھتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں

اپنی اولاد ہونے کی نفی فرمائی۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُ

قٰنِتُوْنَ ﴾ (البقرۃ:١١٦)

ترجمہ: ''یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے زمین و آسمان کی

مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے''

سورۃ المؤمنون میں فرمایا: ﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ ﴾ (المؤمنون:۹۱)

ترجمہ: ''نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے''

سورۂ مریم میں فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا . لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴾

(مریم:۸۸،۸۹)

ترجمہ: ''ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے۔ یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو''

اسکے علاوہ اور بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کی نفی مذکور ہے، دیکھیے سورۃ النساء، الانعام، التوبۃ، یونس، الاسراء، الکھف، الانبیاء، الصافات، الزخرف، اور الجن.

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی بیوی ہونے کی نفی کا تعلق ہے تو یہ بھی قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر وارد ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جہاں بیوی کی نفی کی وہاں ساتھ ہی اولاد کی بھی نفی کی، چنانچہ فرمایا:

﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾

(الانعام:۱۰۱)

ترجمہ: ''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی تو ہے نہیں''

جنوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴾ (الجن:۳)

ترجمہ: ''اور بیشک ہمارے رب کی بڑی شان بلند ہے نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا''

مؤلف ابن ابي زید رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام میں جو اللہ تعالیٰ کے شبیہ، نظیر، والد، اولاد اور بیوی کی نفی وارد ہوئی ہے یہ بالکل طریقۂ سلفِ صالحین کے مطابق ہے، اور ان میں سے ہر چیز کی نفی

اللہ تعالیٰ کیلئے اثباتِ کمال کو متضمن ہے، چنانچہ شبیہ اور نظیر کی نفی کمالِ احدیت کو، جبکہ والد، او
اور بیوی کی نفی کمالِ غناء کو متضمن ہے۔ (یہاں ایک ضروری نکتہ ہے جو صفاتِ باری تعالیٰ کے تع
سے ہمیشہ ملحوظِ نظر رہنا چاہئے) قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ سے جس کسی چیز کی نفی وارد ہے، ا
کی نفی کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ، اس کے بالمقابل جو صفتِ کمال ہے، اس کے اللہ تعالیٰ ک
اثبات کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ یعنی وہ منفی صفتِ نقص اس کے مقابل صفتِ کمال کو اپنے ضم
میں لیئے ہوتی ہے۔ (یہ اسلوب قرآن مجید نے بھی سکھایا ہے) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهُ كَانَ عَلِي
قَدِيْرًا ﴾ (فاطر:۴۴)

ترجمہ: ''اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں
بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے''

اب یہاں اللہ تعالیٰ سے عجز کی نفی ہے، لہذا یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ دنیا کی کوئی چیز
تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتی، عجز کے بالمقابل جو صفتِ کمال ہے وہ قدرت ہے، لہذا یہ عق
رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، یہی وجہ ہے مذکور آیتِ کریمہ میں عجز کے نفی
بعد، آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ ''قدر'' وارد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا
لُّغُوْبٍ ﴾ (ق:۳۸)

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے سب کو (صرف)
دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تھکان نے چھوا تک نہیں''

یہاں اللہ تعالیٰ سے تعب اور تھکاوٹ کی نفی ہے، جس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے، ساتھ سا

اس کے مقابل یعنی اس ذات کے قادر ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴾ (الکھف:۴۹)

ترجمہ: ''تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا''

یہاں اللہ تعالیٰ سے ظلم کی نفی، اس کے کمالِ عدل کی صفت سے متصف ہونے کو متضمن ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان:

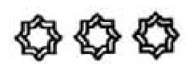
﴿ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (یونس:۶۱)

ترجمہ''اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر سب کتاب مبین میں ہے''

(یہاں اللہ تعالیٰ سے عزوب (کسی چیز کا مخفی ہونا) کی نفی، اس کے کمالِ علم کی صفت سے متصف ہونے کو ضمن میں لیئے ہوئے ہے۔

اس انتہائی لطیف نکتے سے جہاں اللہ رب العزت کی عظمت وجلالت شان کی معرفت مقصود ہے وہاں علماءِ متکلمین کا رد بھی پیشِ نظر ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جن امور کی نفی کی ہے وہ نفی کسی صفتِ کمال پر دلالت نہیں کررہی ہوتی بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کیلئے تشبیہ بالمعدومات کے خطرناک عقیدہ میں دھکیل دینے کا باعث بن جاتی ہے اس کی کچھ وضاحت قائدہ نمبر ۲ میں ہو چکی ہے۔

۱



۲۔قولہ: "ليس لأوليته ابتداء ،ولا لآخريته انقضاء."
"اس کی اولیت کی کوئی ابتداء نہیں، اور اس کی آخریت کی کوئی انتہاء نہیں۔"

شرح

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں "الاوّل" اور "الآخر" بھی ہیں

ابن ابی زید کا یہ کلام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:
﴿ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (الحدید:۳)
ترجمہ: "وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی، اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے"

اس آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت کیلئے صفتِ " اَلْأَوَّلُ "اور صفتِ " اَلْآخِرُ " کا اثبات ہے، صفتِ " اَلْأَوَّلُ " سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شی سے پہلے ہے اور صفتِ " اَلْآخِرُ " اللہ تعالیٰ کے بقاء، دوام اور آخریت پر دال ہے...... اس آیتِ مبارکہ میں جو اللہ تعالیٰ کے نام مذکور ہیں ان کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں بھی وارد ہے، یہ حدیث درحقیقت نبی ﷺ کی ایک دعا پر مشتمل ہے، جس کے راوی ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں، ملاحظہ ہو:

[اللهم أنت الأول فليس قبلك شيء، وأنت الآخر فليس بعدك شيء، وأنت الظاهر فليس فوقك شيء وأنت الباطن فليس دونك شيء، اقض عنا الدين وأغننا من الفقر] (صحیح مسلم ۲۷۱۳)

ترجمہ: [اے اللہ تو "الأول " ہے، تجھ سے قبل کوئی چیز نہیں، اور تو "الآخر " ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہیں، اور تو "الظاھر " ہے، تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، اور تو "الباطن " ہے، تیرے دون کوئی چیز نہیں، ہمارا قرض ادا کردے اور ہمیں فقر سے بچا کر غنا عطا فرمادے]

ابن ابی زید کے مذکورہ کلام "ليس لأوليته ابتداء ولا لآخريته انقضاء " سے مراد یہ

ہے کہ عدم، اللہ تعالیٰ کو نہ تو پہلے کبھی حاصل تھا۔ نہ بعد میں کبھی لاحق ہوگا، جبکہ مخلوقات کا معاملہ یہ ہے کہ ان کیلئے ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی...... ایسی ابتداء جس سے پہلے عدم تھا، اور ایسی انتہاء جس کو عدم لاحق ہوگا۔

واضح ہو کہ قرآن و حدیث میں، جنت اور جہنم اور اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے بقاء اور دوام کا ذکر ہے، تو کیا یہ اللہ رب العزت کی آخریت کے منافی نہیں ہے؟

جواب یہ ہے کہ جنت اور جہنم وغیرہ کا بقاء اور دوام اللہ تعالیٰ کے بقاء اور دوام کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا بقاء اور دوام اور آخریت اس کی ایک صفت ہے جو اس کے ساتھ لازم ہے (یعنی صفتِ ذاتی ہے) جبکہ جنت اور جہنم اور اہلِ جنت وجہنم کا بقاء و دوام اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور ذاتِ حق کی مشیت و ارادہ کے تابع ہے، اگر وہ نہ چاہتا تو انہیں یہ بقاء اور دوام کبھی حاصل نہ ہوتا۔ یہی بات ابن ابی العز نے عقیدۂ الطحاویہ کی شرح میں لکھی ہے:

"وبقاء الجنة والنار ليس لذاتهما، بل بإبقاء الله لهما"

یعنی جنت اور جہنم کا ہمیشہ قائم رہنا ان کی صفتِ ذاتیہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے انہیں دوام عطا فرمانے کی وجہ سے وہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔

واضح ہو کہ مؤلف رحمہ اللہ کی مذکورہ تعبیر "ليس لأوليته ابتداء ولا لآخريته انقضاء" "امام طحاوی کی تعبیر" قديم بلا ابتداء، دائم بلا انتهاء "سے بہتر ہے، یعنی ابن ابی زید نے اللہ تعالیٰ کیلئے "الأول" اور "الآخر" کی صفت کا ذکر فرمایا ہے، جبکہ طحاوی نے اس کی جگہ "قديم" اور "دائم" کے الفاظ استعمال کیئے ہیں...... دونوں کی تعبیر کا مقصود اگرچہ ایک ہی ہے لیکن ابن ابی زید کی تعبیر، طحاوی کی تعبیر سے اس لیئے بہتر ہے کہ ابن ابی زید نے اس معنی کو بیان کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے دو اسماءِ حسنیٰ "الأول" و "الآخر" کا ذکر فرمایا ہے (جبکہ طحاوی کے ذکر کردہ دونوں الفاظ اسماءِ حسنیٰ میں سے نہیں ہے)

۳.قوله:" لایبلغ کنه صفته الواصفون ، ولا یحیط بأمره المتفکرون
یعتبر المتفکرون بآیاته ،ولا یتفکرون فی ما هیة ذاته."

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے والے اس کی کسی صفت کی ماہیت وکیفیت تک
نہیں پہنچ سکتے اور تفکر کرنے والے اس کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے، تفکر کرنے والے ا
کی آیات سے نصیحت وعبرت اخذ کرتے ہیں لیکن اس کی ذات کی حقیقت وکیفیت پر غ
وخوض اور بحث وتمحیص نہیں کرتے۔''

شرح

اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے والے اس کی کسی صفت کی ماہیت وکیفیت تک نہیں پہنچ سکتے کی شرح

أھل السنۃ، اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے
بیان فرمادی ہیں، اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کیلئے اس طرح ثابت ہیں ج
اس کی ذات کے لائق ہیں، وہ ان صفات کے معانی جانتے ہیں، کیفیت نہیں جانتے، وہ اللہ تع
کیلئے صفات کا اثبات واقرار کرتے ہیں، ان صفات کی کیفیات پر بحث وتمحیص نہیں کرتے
چنانچہ وہ صفات کی کیفیت کے تعلق سے نہ کہ معنی کے تعلق سے تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں (ا
صفات کی کیفیات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے)، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے مشہور ق
میں اس کی صراحت ہے، جب ان سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت کے متعلق پو
گیا تو انہوں نے فرمایا تھا:

''اللہ تعالیٰ کا مستوی علی العرش ہونا معلوم ہے، لیکن مستوی ہونے کی کیفیت نامعلوم ہے، ا
اس کا مستوی علی العرش ہونے پر ایمان لانا واجب ہے اور استواء کی کیفیت کا سوال بدعت ہے

ابن ابی زید کے مذکورہ کلام کا معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی صفات کی کیفیات کی معرفت کی کوئی شخص طاقت وصلاحیت نہیں رکھتا، کیونکہ کیفیاتِ صفات وہ امرِ غیبی ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ابن ابی زید کا یہ فرمانا: کہ ”تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے“ اس سلسلہ میں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) امرِ کونی قدری: یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ امر جو اس کون (کائنات) کے امور سے متعلق ہیں۔

(۲) امرِ دینی شرعی: یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ امر جو دین اور شریعت سے متعلق ہیں۔

امرِ کونی کی مثال، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (یٰس:۸۲)

ترجمہ: ”وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے“

امرِ شرعی کی مثال: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾ (النحل:۹۰)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے“

امر خواہ کونی ہوں یا شرعی، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کائنات میں جو کچھ مقدر فرماتا ہے، کسی حکمت کے تحت فرماتا ہے، اسی طرح شریعت اور دین کے تعلق سے جو امر و نہی فرماتا ہے کسی حکمت کے تحت فرماتا ہے......

بندے امرِ کونی اور امرِ شرعی کے حوالے سے کچھ حکمتیں تو پہچان لیتے ہیں، لیکن اس خلق وشرع میں پنہاں اللہ تعالیٰ کی تمام حکمتوں کا احاطہ ان کے بس کی بات نہیں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ

امرِ کونی کے تعلق سے تقدیر پر ایمان لے آئیں، اور امرِ شرعی کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی شریعت (کتاب وسنت) کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیں، خواہ کسی شی یا مسئلہ کی حکمت یا حکمتیں معلوم ہو سکیں یا نہ ہو سکیں۔

جب انہیں کسی شی کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے تو ان کا ایمان ویقین بڑھ جاتا ہے، اور اگر کسی امر کی خواہ وہ کونی ہو یا شرعی کی حکمت معلوم نہ ہو سکے تو وہ اپنی اصل ذمہ داری سے منحرف نہیں ہوتے اور وہ ذمہ داری یہ ہے کہ امرِ کونی کے تعلق سے تقدیر پر ایمان، اور امرِ شرعی کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے انقیاد وتسلیم کا مظاہرہ کریں (یعنی قال اللہ وقال رسول اللہ کے پابند ہو کر رہیں اور اس دائرہ سے قطعی باہر نہ نکلیں)

تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے کسی امر کا احاطہ نہیں کر سکتے

ابن ابی زید کا کلام "ولا یحیط بامرہ المتفکرون" سے مقصود یہی ہے کہ تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے احکام کے حِکم واسرار کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ احکامِ شریعت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے، کیونکہ احکامِ شریعت کی معرفت حاصل کرنا اور پھر ان پر عمل کرنا تو شرعی مطلوب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس نکتے کو مزید واضح کرے گا:

[ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ ، وما أمرتکم بہ فافعلوا منہ ما استطعتم]

(صحیح بخاری ۷۲۸۸، صحیح مسلم ۱۳۳۷)

ترجمہ: [جس چیز سے روکوں اس سے باز آ جاؤ، اور جس چیز کا حکم دوں اسے طاقت کے بقدر ضرور انجام دو] (چنانچہ ان احکام کو سمجھنا اور عمل کرنا تو امرِ مستطاع ہے، لیکن ان میں پنہاں اسرار ورموز کا احاطہ ہماری طاقت سے خارج ہے)

تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں

مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا: "تفکر کرنیوالے اسکی آیات سے نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں"

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) آیاتِ شرعیہ (۲) آیاتِ کونیہ

آیاتِ شرعیہ: سے مراد وہ آیات ہیں جن پر قرآن کریم مشتمل ہے، جبکہ

آیاتِ کونیہ: سے وہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ کی خلق میں موجود ہیں: مثلاً: رات، دن، چاند اور سورج وغیرہ۔

آیاتِ شرعیہ سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴾ (القمر:۱۷)

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے''

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ (محمد:۲۴)

ترجمہ: ''کیا قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں''

نیز یہ فرمان ہے: ﴿ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴾ (ص:۲۹)

ترجمہ: ''اور یہ بابرکت کتاب جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں''

جبکہ آیاتِ کونیہ سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ. الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

(آل عمران:۱۹۰،۱۹۱)

ترجمہ: "آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں ک
نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں
آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ
فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے"

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْکِ ا
تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَ
بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾ (البقرة:۱۶۴)

ترجمہ: "آسمان اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دیـ
چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر، مردہ زمین کو زندہ کر دیـ
میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدلنا، اور بادل، جو آسمان اور زمین
درمیان مسخر ہیں، ان میں عقلمندوں کیلئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں"

﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ. وَمِنْ اٰیـ
خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِ
ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ. وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْ
اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ. وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَ
وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ. وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْکُمُ
خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِیْ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ. وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَ
دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴾ (الروم:۲۰تا۲۵)

ترجمہ: ''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب انسان بن
(چلتے پھرتے) پھیل رہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویا
پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی، یقیناً غ
وفکر کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سے نشانیاں ہیں۔ اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے
آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے، دانش مندو
کیلئے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔ اور (بھی) اس کی (قدرت) کی نشانی تمہاری راتوں او
دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل (یعنی روزی) کو تمہارا تلاش کرنا بھی ہے۔ جو لوگ (کا
لگا کر) سننے کے عادی ہیں ان کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے
ایک یہ (بھی) ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امیدوار بنانے کیلئے بجلیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے
بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کردیتا ہے، اس میں (بھی) عقلمندوں کیلئے بہت سی
نشانیاں ہیں۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب و
تمہیں آواز دے گا صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے''

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ
وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ (حم السجدة:۳۷)

ترجمہ: ''اور دن رات اور سورج چاند بھی (اس کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ ن
کرو نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کیلئے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی
ہے''

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (حم السجدة:۳۹)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے پھر

جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہوکر ابھرنے لگتی ہے، جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے"

غور وفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات کی کیفیت وماہیت میں تفکر نہیں کرتے

مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "ولا یتفکرون فی ماھیۃ ذاتہ" یعنی غور وفکر کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی ذات کی کیفیت وماہیت میں تفکر نہیں کرتے......

اس سلسلہ میں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ خالق ہے، اور باقی ہر شی اس کی مخلوق ہے، گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کے تعلق سے ہمارا عقیدہ، عقیدۂ تفویض ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، ہمیں ان صفات کا صرف معنی معلوم ہے، کیفیت نہیں...... چنانچہ جس طرح اس کی صفات کی کیفیت کے بارہ میں بحث وتمحیص جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی ذات کی کیفیت کے بارہ میں بحث وتمحیص جائز نہیں ہے، مذکورہ جملہ میں اس عقیدہ کا اظہار ہے کہ تفکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات کی ماہیت اور کیفیت کے بارہ میں تفکر نہیں کرتے۔





۴۔ قولہ ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ، وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾

(البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: ''وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی کی وسعت نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے''

شرح

علم الغیب اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے

یہ چاروں جملے عظیم الشان آیت (آیت الکرسی) کا حصہ ہیں، آیت الکرسی کُل دس جملوں پر مشتمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان (ایک مکمل آیت) دس جملوں پر مشتمل ہے۔

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

ترجمہ: ''پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں، ہمارا اور تمہارا سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیئے ہیں ہم میں تم میں کوئی کٹ حجتی نہیں اللہ تعالیٰ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے''

اس عظیم نکتہ کی طرف حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۂ شوریٰ میں مذکورہ آیت کی تفسیر کے موقع پر اشارہ فرمایا ہے۔

قولہ: ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: ''وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے''

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت، صفتِ علم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شی کو محی

ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾

ترجمہ: ''تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو باعتبارِ علم گھیر رک

ہے'' (الطلاق:۱۲)

جہاں تک مخلوقات کا تعلق ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کچھ بھی نہیں جانتے، اور کو

مخلوق کچھ جان بھی پاتی ہے تو صرف اس قدر جو خود اللہ تعالیٰ سکھادے اور تعلیم فرمادے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: ''وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے''

نیز فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ:۱۱۰)

ترجمہ: ''جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کا علم اس پر حاوی نہ

ہوسکتا''

نیز فرمایا: ﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُو

فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴾ (الجن:۲۶،۲۷)

ترجمہ: ''وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس پیغمبر

جسے وہ پسند کرلے لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی نوح علیہ السلام کے متعلق قرآنِ حکیم میں یہ خبر دی ہے کہ وہ ف

کرتے تھے:

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ ﴾

ترجمہ: ''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، (سنو!) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا، نہ میں کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں'' (ھود:۳۱)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی امت کو بتادیں کہ وہ غیب کا علم نہیں رکھتے، چنانچہ فرمایا:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ ﴾ (الانعام:۵۰)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کی اتباع کرتا ہوں''

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (الاعراف:۱۸۸)

ترجمہ: ''آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سا منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں''

اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے بارہ میں خبر دی:

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾

ترجمہ: ''سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم وحکمت والا تو تو ہی ہے'' (البقرۃ:۳۲)

اور اللہ تعالیٰ نے جنوں کے متعلق خبر دی:

﴿ وَاَنَّا لَا نَدْرِیْ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾

ترجمہ: ''ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے'' (الجن:۱۰)

نیز فرمایا ﴿ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴾ (سبا:۱۴)

ترجمہ: ''پس جب (سلیمان) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے''

اور اللہ تعالیٰ نے (عمومی طور پر پوری کائنات کے تعلق سے) فرمایا:

﴿ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴾ (النمل:۶۵)

ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا، اور انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھا کھڑے کیئے جائیں گے''

اور اگر ذخیرہ احادیث کا تصفح کریں، تو ایسی بے شمار احادیث ملیں گی جو ایسے بہت سے امور کے بیان پر مشتمل ہیں جنہیں رسول اللہ نہیں جانتے تھے، مثلاً: قصہ افک، چنانچہ آپ ﷺ کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا علم سورۃ النور کی آیات متعلقہ براءت کے نزول کے بعد ہوا۔ اسی طرح اس ہار کا واقعہ جو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک سفر کے موقع پر گم ہو گیا تھا، سب اس کی کھوج میں وہیں رک گئے، بہت تلاش بسیار کے باوجود وہ نہ مل

سکا، پانی بھی ختم ہو چکا تھا، نمازِ فجر لیٹ ہونا شروع ہو گئی (بڑی پریشان کن صورتحال بن چکی تھی) اس اثناء میں تیمّم کا حکم نازل ہوا (تیمّم کر کے نماز ادا کی گئی) اور جب وہاں سے کوچ کرنے کی غرض سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا ملا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ آیت الکرسی کے اندر فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

" اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے علم میں سے کسی بھی شی پر کوئی بھی، کچھ مطلع نہیں ہوسکتا، مگر صرف اسی قدر جو اللہ تعالیٰ خود کسی چیز کے علم، یا خبر سے مطلع فرمادے۔ یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اس علم سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ہو، چنانچہ اس کی ذات وصفات کے تعلق سے کوئی، کچھ نہیں جان سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کوئی علم فراہم نہ فرمائے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ:۱۱۰) ترجمہ: "مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہوسکتا"

واضح ہو کہ آیت الکرسی میں جس کرسی کا ذکر ہے، اور جس کے متعلق فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں پر وسیع اور حاوی ہے...... وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے، اور مستدرک حاکم (۲۸۲/۲) میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کی (موقوف) روایت سے ثابت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دونوں قدم رکھنے کی جگہ ہے۔ امام حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کو نبی ﷺ نے روایت نہیں کیا، لیکن یہ بخاری ومسلم کی شرط پر ہے، حاکم کے اس قول پر امام ذھبی نے بھی کوئی نقد وارد نہیں کیا، البتہ اس کی سند کا ایک راوی "عمار الدھنی" صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہے جبکہ صحیح بخاری میں اس کی کوئی روایت نہیں ہے...... شیخ البانی رحمہ اللہ کے "السلسلة الضعيفة" رقم (۹۰۶) میں اس کی مفصل تخریج دیکھ لیجئے، اس حدیث کو مرفوع نقل کرنا ضعیف ہے (لیکن "موقوفا علی عبداللہ بن عباس" صحیح ہے، اور یہ بحکمِ مرفوع ہے، کیونکہ اس قسم کی اخبار میں عقل ورائے کا کوئی کمال نہیں، فافھم)

واضح ہو کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کی طرف منسوب ایک دوسرے اثر میں کرسی کی تفسیر علم سے کی گئی ہے، لیکن اس کی سند میں جعفر بن ابی المغیرۃ ہے جو سعید بن جبیر سے روایت کر رہا ہے، اس کے متعلق حافظ ابن حجر "التقریب التھذیب" میں فرماتے ہیں: "یہ صدوق تھا لیکن وھم کرتا تھا"، حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ "کتاب الرد علی الجھمیۃ" میں فرماتے ہیں: اس روایت میں جعفر کا کوئی متابع بھی نہیں ہے اور ویسے بھی سعید بن جبیر سے روایت کرنے میں قوی نہیں ہے، امام ذھبی نے "میزان الاعتدال" (۱/۴۱۷) میں اس کے بارہ میں ابن مندہ کی مذکورہ جرح کر کے مزید فرمایا ہے: اسے ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے، اور اس پر کسی قسم کی کوئی توثیق نہیں کی، بلکہ سکوت فرمایا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عرش اور کرسی حق ہے۔

قولہ تعالی ﴿وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت نہ تو اس پر کوئی امرِ شاق ہے اور نہ ہی کسی طرح سے گراں اور بوجھل ...... یہ ایک ایسی نفی ہے، جو اس کے بالمقابل اللہ تعالی کیلئے کمالِ قدرت کی صفت سے متصف ہونے کے اثبات کو متضمن ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے اندر ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کی حفاظت اللہ تعالی کیلئے قطعی کوئی مشکل یا بھاری نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس انتہائی سھل اور آسان ہے۔

آیت الکرسی کے آخر میں ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ ہے، "العلی" اور "العظیم" اللہ رب العزت کے دو مبارک نام ہیں، جو اللہ تعالی کی دو صفات پر مشتمل ہیں "العلی" میں صفتِ علو ہے، اور "العظیم" میں صفتِ عظمت ہے۔

واضح ہو کہ علو (بلندی) کی تین قسمیں ہیں:

(۱) علو القدر، یعنی مرتبہ ومقام کی بلندی۔

(۲) علو القھر، یعنی قہر و غلبہ کی بلندی۔

(۳) علو الذات یعنی ذات کا ہر ایک پر بلند ہونا۔

اللہ رب العزت کی صفتِ علو میں تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اور رب تعالیٰ کا نامِ مبارک "العلی" قرآنِ حکیم میں دیگر تین مبارک ناموں کیساتھ ملکر آیا ہے، وہ تین نام ہیں: "العظیم"، "الحکیم" اور "الکبیر"

"العظیم" کے ساتھ ملکر آیت الکرسی اور سورۂ شوریٰ کے ابتداء میں آیا ہے، جبکہ "الکبیر" کے ساتھ مقترن ہو کر سورۂ النساء میں آیا ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴾ اس کے علاوہ سورۂ الحج اور سورۂ لقمان میں آیا ہے: ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ جبکہ "الحکیم" کے ساتھ سورۂ الشوریٰ کے آخر میں مقترن ہو کر آیا: ﴿ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴾



۵. قوله: " العالم الخبير المدبر القدير السميع البصير العلى الكبير"

ترجمہ: "وہ عالم، خبیر، مدبر، قدیر، سمیع، بصیر، بلند اور بڑا ہے"

شرح

العلو، القدرۃ، السمع اور البصر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں

ان صفات کا مفہوم مختصراً درج کیا جاتا ہے۔

"العالم" اور "الخبیر" اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے دو مبارک نام ہیں، جو علم رکھنے اور خبر گیری فرمانے کی صفت پر مشتمل ہیں۔

کتاب کے بعض نسخوں میں "العالم" کی جگہ "العلیم" مذکور ہے۔ اور "العلیم" "العالم" کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے، اس کی دو وجوہ ہیں:

ایک یہ کہ صفتِ ''العلیم'' قرآن پاک میں بکثرت مطلقاً بلا قید وارد ہوئی ہے، جبکہ صفت ''العالم'' ہر جگہ علمِ غیب کے ساتھ مقید ہو کر وارد ہوئی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ (التغابن:۱۸)

ترجمہ: ''غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا ہے''

نیز فرمایا: ﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ وَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴾ (الجن:۲۶)

ترجمہ: ''وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا''

نیز فرمایا: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾

ترجمہ: ''عالم الغیب ہے، اس سے ایک ذرہ کے برابر کی بھی چیز بھی پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں'' (السبأ:۳)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسمِ مبارک ''العلیم'' قرآنِ حکیم میں بہت سے مقامات پر اسمِ مبارک ''الخبیر'' کے ساتھ مقروناً ذکر ہوا ہے، جبکہ اسمِ مبارک ''العلیم'' ہمیشہ مقدم ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾ (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: ''تم میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے بے شک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴾ (التحریم:۳)

ترجمہ: ''اس نے کہا اس کی خبر آپ کو کس نے دی، کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ جتلا دیا''

''القدیر'' اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام ہے، جو صفتِ ''القدرة'' پر دال

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

ترجمہ: ''اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شئی پر پوری قدرت رکھتا ہے'' (المائدۃ:۱۲۰)

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شئی پر وسیع اور حاوی ہے۔ (کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے خارج نہیں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴾ (الفاطر:۴۴)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو عاجز کر دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے''

نیز فرمایا: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴾ (الاحزاب:۲۷)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''

واضح ہو کہ ''اَلْمُدَبِّرُ'' ہمارے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کا امورِ کائنات کی تدبیر فرمانے کی صفت سے متصف ہونا مذکور و معلوم ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ (یونس:۳)

ترجمہ: ''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس سفارش کرنے والا نہیں''

نیز فرمایا: ﴿ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴾ (السجدۃ:۵)

ترجمہ: ''وہ آسمان سے لیکر زمین تک (ہر) کام کی تدبیر کرتا ہے پھر (وہ کام) ایک دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا ہی جس طرح چاہتا ہے امورِ کائنات کی تدبیر اور ہر قسم کا تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے۔

''السمیع، البصیر'' اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے دو مبارک نام ''السمیع'' اور ''البصیر'' ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علیٰ میں سے دو مبارک صفات پر دلالت کرتے ہیں، وہ صفات ''السمع'' یعنی سننا اور ''البصر'' یعنی دیکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ''السمع'' ہر سنی جانی والی چیز، جبکہ صفت ''البصر'' ہر دیکھی جانے والی چیز پر حاوی ومحیط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴾ (مجادلہ:۱)

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی، جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے''

اس ایک ہی آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت 'السمع' تین طرح سے وارد ہوئی ہے، ایک ''سَمِعَ'' بصیغہ ماضی، دوسری ''يَسْمَعُ'' بصیغہ مضارع اور تیسری ''سَمِيعٌ'' بطور اسم۔

یہ دونوں اسم ''السمیع، البصیر'' بہت سی آیات میں ایک ساتھ اکٹھے وارد ہوئے ہیں، مثلاً:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾

ترجمہ: ''یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے'' (النساء:۵۸)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ (غافر:۲۰)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ حق فیصلہ کر دے گا، اس کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے''

''العلی، الکبیر'' اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے دو مبارک نام ہیں اول الذکر صفتِ ''العلو'' (سب سے بلند ہونا) اور ثانی الذکر صفت ''الکبیر'' (سب سے بڑا ہونا) پر دال ہے۔

اللہ تعالیٰ باعتبار قہر و غلبہ، باعتبار قدر و مرتبہ اور باعتبار ذات، سب سے بلند ہے، اور ہر کبیر و عظیم سے اکبر، و اعظم ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کے سامنے ہر مخلوق حقیر و صغیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک ''العلی'' بہت سی آیات میں اسم مبارک ''الکبیر'' کے ساتھ اکٹھا ذکر ہوا ہے، اس سلسلہ میں کچھ آیات گزر چکی ہیں، یہ آیت کریمہ بھی ملاحظہ ہو:

﴿ حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ (السبا:۲۳)

۱

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب انکے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے''



۲. قولہ: " وأنه فوق عرشه المجيد بذاته، وهو في كل مكان بعلمه"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرشِ عظیم پر ہے، جبکہ بعلمہ ہر جگہ موجود ہے۔"

شرح

اللہ تعالیٰ کے بذاتہ اپنے عرش پر ہونے کا اثبات

مؤلف ابن ابی زید رحمہ اللہ نے جب گذشتہ صفحات میں یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام " العلی " (سب سے بلند) ہے اور یہ بھی بتایا کہ یہ نام مبارک کبھی تو " العظیم " کیساتھ اور کبھی " الکبیر " کیساتھ ملکر وارد ہوا ہے، تو اب یہ بتانا مناسب سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا " العلو " یعنی (بلند ہونا) اور اس کا عرش کے اوپر ہونا بذاتہ ہے، یعنی وہ اپنی ذات کیساتھ سب سے بلند، اور اپنی ذات کیساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ چنانچہ جس طرح وہ باعتبار قہر وغلبہ اور باعتبار قدر ومرتبہ سب سے بلند ہے اسی طرح باعتبارِ ذات بھی سب سے بلند اور اوپر ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کو یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض مبتدعہ اللہ تعالیٰ کے علو کو محض علوِ مقام ومرتبہ اور علوِ قہر وغلبہ قرار دیتے ہیں (علوِ ذات کو نہیں مانتے) وہ اللہ تعالیٰ کے علو اور فوقیت علی العرش کی استیلاء یعنی محض غلبہ پانے کے ساتھ تأویل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ حقیقتاً اپنے عرش پر نہیں ہے۔ چنانچہ مؤلف رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے بذاتہ عرش پر ہونے کی تعبیر فرما کر ان لوگوں پر رد فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علو کو علوِ حقیقی نہیں، بلکہ علوِ مجازی قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بذاتہ عرش پر مستوی ہونے کی تعبیر ان لوگوں کی وجہ سے اختیار کرنی پڑی جو اللہ تعالیٰ کے بذاتہ عرش پر ہونے کو نہیں مانتے، جیسا کہ سلفِ صالحین سے قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی تعبیر وارد ہے، اور انہیں یہ تعبیر ان گمراہ عناصر کے رد کیلئے اختیار کرنی پڑی جو قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

مؤلف رحمہ اللہ کے فرمان: " وهو في كل مكان بعلمه " یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم کے

ساتھ ہر جگہ ہے، سے ان لوگوں کی نفی اور تردید مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں حلول واتحاد کا عقیدہ رکھتے ہیں، جن کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ (والعیاذ باللہ) اپنی مخلوقات کے اندر حلول کیئے ہوئے ہے، ان کے ساتھ متحد اور ان کے اندر مختلط ہے۔ یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ تو خالق ہے، اور اس کے ماسوا ہر چیز مخلوق ہے، ہر مخلوق پہلے معدوم تھی اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا۔ تو پھر لامحالہ ان مخلوقات کا وجود، ان کے خالق سے الگ، جدا اور مباین ہوگا، اور یہ عین حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات سے الگ ہے، نہ تو مخلوقات، خالق کے اندر حلول کئے ہوئے ہیں، نہ خالق مخلوقات کے اندر حلول کئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ معیت، یعنی مخلوقات کے ساتھ ہونے سے مراد، باعتبارِ علم ساتھ ہونا ہے، جیسا کہ مؤلف ابن ابی زید کے قول: ''وھو فی کل مکان بعلمه'' سے واضح ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (المجادلۃ: ۷)

ترجمہ: ''تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا اور نہ زیادہ کا مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں، پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے''

یہ آیت کریمہ۔ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ معیت کی صفت کا ذکر کر رہی ہے، اس کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ہوا اور اختتام بھی۔

صفتِ معیت کی ایک تفصیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً اپنی مخلوق کے ساتھ ہے، (یعنی ایسا ساتھ ہے جیسا اس کی ذات کے لائق ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش پر ہے، اور وہ

مخلوقات کے ساتھ بھی ہے، لیکن اس طرح کہ اس میں داخل اور مختلط نہیں ہے، کیونکہ مخلوق تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے انتہائی صغیر اور حقیر ہے، لہذا اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کے بھی قریب ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "العقیدۃ الواسطیۃ" میں فرماتے ہیں:

" ایمان باللہ، جس کا ہم نے ذکر کیا، میں یہ اہم نکتہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو خبر دی، جو رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جس پر سلف صالحین کا اجماع بھی قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے اور اپنی تمام مخلوقات سے بلند ہے، پر ایمان لایا جائے۔ اور یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ہے، خواہ وہ جہاں بھی ہوں، ان کے ہر ہر عمل کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں (یعنی سب سے بلند ہونا اور بندوں کے ساتھ ہونا) کو اس آیتِ کریمہ میں اکٹھا ذکر فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَایَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَایَخْرُجُ مِنْهَا وَمَایَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَایَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴾ (الحدید:۴)

ترجمہ: " وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہو گیا، وہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے اور جو آسمان سے نیچے آئے اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے، اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: " وھو معکم " یعنی وہ تمہارے ساتھ ہے، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ مختلط ہے۔ لغت عربیہ "معیت" کے اس معنی کو ہر جگہ

قطعاً لازمی قرار نہیں دیتی، پھر یہ معنی سلفِ امت کے اجماع کے بھی خلاف ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جس فطرتِ سلیمہ پر قائم فرمایا ہے، اس کے بھی خلاف ہے۔

چاند اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے اور اس کی ایک چھوٹی سی مخلوق ہے؟ اسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں رکھا ہے مگر وہ ہر شخص خواہ وہ مسافر ہو یا غیر مسافر کے ساتھ ساتھ ہے چاہے وہ کہیں بھی چلا جائے، اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، اپنی تمام خلق کی نگرانی و نگہبانی فرما رہا ہے اور ان کے ہر ہر امر سے خوب واقف و مطلع ہے، یہ اور اس کے علاوہ اور بہت سے معانی ربوبیت اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ وہ عرش پر ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ مخلوق کے ساتھ ہے، یہ دونوں باتیں حق اور اپنی حقیقت پر قائم ہیں، جن میں کسی تحریف کی ضرورت و حاجت نہیں۔ البتہ کلامِ باری تعالیٰ کو جھوٹے گمانوں سے بچانا ضروری ہے۔ جھوٹے گمان کی ایک مثال، اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''فی السماء'' کے معنی میں یوں کہنا: ''کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں سمایا ہوا ہے'' یا ''آسمان اللہ تعالیٰ پر سایہ کئے ہوئے ہے''۔ یہ معنی تمام اہل علم اور جملہ مؤمنین کے نزدیک باطل ہے، اللہ تعالیٰ کی کرسی ہی تمام آسمانوں اور زمینوں پر حاوی اور وسیع ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو گرنے سے بچانے کیلئے تھاما ہوا ہے:

﴿ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ (الحج:٦٥)

ترجمہ: ''وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گر نہ پڑے''

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ﴾ (الروم:٢٥)

ترجمہ: اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں''

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:

'' قرآنِ حکیم میں جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ قرب و معیت کا ذکر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفت علو اور

فوقیت کے منافی نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہے، (کسی صفت میں کوئی مخلوق اس کے مشابہ نہیں ہے) وہ سب سے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے بلند بھی ہے، اور سب سے بلندی پر ہونے کے ساتھ ساتھ سب کے قریب بھی ہے''

شیخ الاسلام کے اس آخری جملے میں حدیث نزول کی طرف اشارہ ہے، جس میں ہر رات جبکہ آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا پر نزول کا ذکر ہے۔ نیز حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی اشارہ ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (۱۳۴۸) میں روایت کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[یوم عرفہ سے بڑا اور زیادہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے، اس دن وہ قریب آجاتا ہے، اور فرشتوں کے ساتھ اپنے بندوں پر اظہارِ فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟] (الحدیث)

۞ ۞ ۞

۷ . "خلق الانسان ويعلم ما توسوس به نفسه، وهو أقرب إليه من حبل الوريد، وماتسقط من ورقة إلا يعلمها ☆ ولا حبة في ظلمات الارض ولا رطب ولا يابس إلا في كتاب مبين ."

ترجمہ: ''اس نے انسان کو پیدا کیا اور وہ انسان کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں انہیں بھی جانتا ہے اور وہ اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصے میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتابِ مبین میں ہے۔''

شرح

اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ ''العلم'' کا اثبات...

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شی پر حاوی اور محیط ہے، اسے ازل سے ہر ما کان اور ما یکون کا علم حاصل ہے، جو چیز نہیں ہے، اگر ہوتی تو کیسے ہوتی، وہ یہ بھی جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ☆ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾ (الانعام:۲۷)

ترجمہ: ''اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس پھیر دیے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز کی خبر دی ہے جو وقوع پذیر نہیں ہوگی، وہ خبر ہے کفار کا دنیا کی طرف دوبارہ لوٹایا جانا، ایسا کبھی نہیں ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ اگر وہ دوبارہ لوٹائے جائیں تو وہ دوبارہ انہیں حرکتوں کا اعادہ کرینگے جن سے انہیں روکا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴾ (الانعام:۵۹)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا

مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصے میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ﴾ (فصلت:۴۷)

ترجمہ: "قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ☆ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ☆ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴾ (الرعد:۸تا۱۱)

ترجمہ: "مادہ اپنے شکم میں جو کچھ رکھتی ہے اسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور پیٹ کا گھٹنا بڑھنا بھی، ہر چیز اس کے پاس اندازے سے ہے۔ ظاہر و پوشیدہ کا وہ عالم ہے، سب سے بڑا اور بلند و بالا۔ تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور با آوازِ بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو، سب اللہ پر برابر و یکساں ہیں"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ☆ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ (الملک:۱۳،۱۴)

ترجمہ: "تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عَالِمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (السبا:۳)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے کہ وہ (قیامت) یقیناً تم پر آئے گی، اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے''

اس کائنات میں جو بھی حرکت ہوتی ہے، یا ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے علم ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی ایک آدھ چیز کا ازل سے علم نہ ہو، بلکہ بعد میں حاصل ہو۔

ہمارے شیخ محمد امین الشنقیطی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اضواء البیان ''(۱/۷۵،۷۶) میں اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ﴾ (البقرة:۱۴۳)

ترجمہ: ''جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے، اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے''

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: آیتِ کریمہ کے ظاہری سیاق سے کسی جاہل کو وہم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتباعِ رسول کے تعلق سے بندوں کا امتحان لیتا ہے اور امتحان لینے کے بعد ان (کی کامیابی یا ناکامی) کا علم حاصل کرتا ہے جو اسے پہلے نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ جاہلوں کے اس وہم سے بہت بلند ہے، بلکہ وہ تو ہر ہونے والی چیز کو واقع ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر یہ واضح فرمایا ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ وہ بندوں کا امتحان لے کر نتیجے کا علم حاصل کرے، جو اسے پہلے نہیں ہوتا:

﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ (آل عمران:۱۵۴)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کو تمہاری سینوں کے اندر کی چیز آزمانا اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے پاک کرنا تھا اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ''ولیبتلی'' (یعنی تا کہ وہ امتحان لے) کے بعد یہ فرمانا کہ ''إنه علیم بذات الصدور'' یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے) اس بات پر دلیلِ قاطع ہے کہ اسے امتحان لیکر شئی نامعلوم، معلوم نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ اس نظریہ سے بہت بلند ہے۔ کیونکہ وہ ذات جو دلوں کے اسرار و مخفیات سے بخوبی واقف ہے وہ اس بات سے بالکل مستغنی ہے کہ وہ امتحان کے نتیجے سے کوئی چیز معلوم کرے۔ یہ آیتِ کریمہ ان تمام آیات کی بڑی واضح تفسیر ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کا امتحان لینے کا تذکرہ موجود ہے۔

قولہ تعالیٰ: ''إلا لنعلم'' یعنی تا کہ ہم جان لیں، سے مراد یہ ہے کہ ایسا علم جو ظہور میں آ کر بندے پر ثواب یا عذاب کے مرتب ہونے کا باعث بنے، تو پھر یہ جاننا، اللہ تعالیٰ کے علم سابق کے منافی نہ ہوا۔

بندوں کے اس امتحان کا فائدہ یہ ہے کہ ان کا معاملہ لوگوں کیلئے واضح ہو جائے، جہاں تک اس ذات کا تعلق ہے جو ہر بھید اور سرگوشی سے واقف ہے۔ وہ تو ہر ہونے والی چیز سے پہلے ہی آگاہ ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کے فرمان:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ (ق:۱۶)

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے بھی واقف ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں''

کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے شاہ رگ سے قریب ہونے سے مراد از روئے علم، قدرت اور احاطہ، قریب ہونا ہے۔ مؤلف ابن ابی زید کے کلام سے یہی مترشح ہو رہا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں جس قرب کا ذکر ہے وہ فرشتوں کا قرب ہے۔ سورۂ الواقعہ میں اس کی نظیر موجود ہے:

﴿ وَنَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنكُمۡ وَلَٰكِن لَّا تُبۡصِرُونَ ﴾ (الواقعہ:۸۵)

ترجمہ: ''ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے، بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ''الصواعق المرسلة'' میں اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیکھیئے مختصر الصواعق (۲/۲۶۸)

قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر ایسی ضمیر استعمال ہوئی ہے جو صیغۂ تعظیم (جمع) پر مشتمل ہے اور اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ فَإِذَا قَرَأۡنَٰهُ فَٱتَّبِعۡ قُرۡءَانَهُۥ ﴾ (القیامۃ:۱۸)

ترجمہ: ''ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں''

یہاں ضمیر بلفظِ تعظیم وارد ہوئی ہے اور اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، کیونکہ وہی وحی لیجا کر نبی ﷺ پر پڑھنے کے مکلف ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنۡ إِبۡرَٰهِيمَ ٱلرَّوۡعُ وَجَآءَتۡهُ ٱلۡبُشۡرَىٰ يُجَٰدِلُنَا فِي قَوۡمِ لُوطٍ ﴾

ترجمہ: ''جب ابراہیم کا ڈر وخوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قومِ لوط کے بارہ میں جدال (جھگڑا) کرنے لگے'' (ھود:۷۴)

یہاں ''یجادلنا'' میں ضمیرِ متکلم جو لفظِ تعظیم پر مشتمل ہے سے مراد ملائکہ ہیں، کیونکہ

ابراھیم (علیہ السلام) نے ملائکہ سے جھگڑا اور جدال کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ. قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ﴾ (العنکبوت:۳۱)

ترجمہ: ''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراھیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لیکر پہنچے کہنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں، یقیناً یہاں کے رہنے والے ظالم ہیں۔ ابراھیم (علیہ السلام) نے کہا اس میں تو لوط (علیہ السلام) ہیں، فرشتوں نے کہا یہاں جو ہیں ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں''



۸۔قولہ: '' علی العرش استوی، وعلی الملک احتوی''

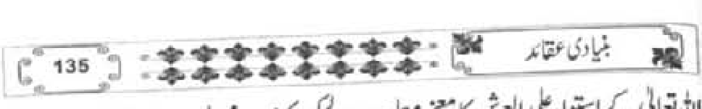
ترجمہ: ''وہ عرش پر مستوی ہے اور پوری کائنات پر اسکی حکمرانی، بادشاہت اور قبضہ ہے''

شرح

اللہ تعالیٰ کی صفت ''استواء علی العرش'' کا اثبات...

اللہ تعالیٰ کی فعلی صفات میں سے ایک صفت، اس کا عرش پر مستوی ہونا ہے، اس صفت کے بارہ، بلکہ تمام صفات کے بارہ میں سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کیلئے اس طرح ثابت کریں جیسے اس ذات کے لائق ہے، جس میں تکییف (بیانِ کیفیت) تشبیہ وتمثیل، تحریف یا تعطیل (انکار) کا کوئی شائبہ تک نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی معلوم ومفہوم لیکن ان کی کیفیت مجہول ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے جب اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت پوچھی گئی، تو فرمایا: ''الاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان به واجب والسؤال عنه بدعة'' یعنی



اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا معنی معلوم ہے ، لیکن کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیتِ استواء کا سوال بدعت ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ الاعراف کی آیتِ ''استویٰ علی العرش'' کے سلسلہ میں کافی گفتگو کر رکھی ہے، جس کے ذکر کا محل ہماری یہ کتاب نہیں، ہم تو اپنی اس کتاب میں اس حوالہ سے سلف صالحین، مثلاً: امام مالک، اوزاعی، سفیان الثوری، لیث بن سعد، شافعی، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راھویہ اور دیگر ائمہ قدیم وحدیث کا پاکیزہ کلام نقل کرینگے (اور اسی پر چلیں گے)

ائمہ سلف کا مذہب تمام صفات باری تعالیٰ کو، جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں، بلا تکییف، بلا تشبیہ اور بلا تعطیل ثابت وجاری کرنا ہے۔

اہل تشبیہ کے ذہنوں میں صفات کے تعلق سے، تشبیہ وتمثیل پر مشتمل جو معنی پیدا ہوتا ہے جسے وہ معنی ظاہر ومتبادر قرار دیتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں باطل اور منفی ہے؛ کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ یا مماثل نہیں ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:11)

منہجِ مستقیم وہی ہے جو ائمہ سلف نے اختیار کیا، نُعیم بن حماد الخزاعی جو امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں، فرماتے ہیں:

''جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دی اس نے کفر کیا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا (جو کتاب وسنت میں ثابت ہے) انکار کیا اس نے بھی کفر کیا، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ نے جو صفات بیان فرمادی ہیں اس میں تشبیہ بالمخلوقات کا کوئی دخل نہیں۔ اب آیاتِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ میں جو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات وارد ہیں جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کیلئے اسی طرح تسلیم کر لیا جس طرح اس کی جلالت وعظمت وکبریائی کے لائق ہے، اس نے اللہ تعالیٰ سے تمام نقائص وعیوب کی نفی کر دی، اور ہدایت کے راستے پر گامزن اور قائم ہے''

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ "استواء علی العرش" قرآنِ حکیم میں سات مقام پر وارد ہوئی ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ فرمایا اور الحدید میں ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ کے الفاظ وارد ہیں۔

سلفِ صالحین کے نزدیک "استوی" کا معنی چڑھنا اور بلند ہونا ہے۔ متکلمین نے "استوی" کو "استولی" یعنی غلبہ پانا کے معنی میں لیکر تاویل کا خطرناک راستہ اختیار کیا ہے۔

امام ابوالحسن الأشعری رحمہ اللہ اپنی کتاب "الابانة" (ص:۸۶) میں فرماتے ہیں:

" بہت سے معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ میں "استوی" بمعنیٰ "استولی وملک وقهر" ہے، یعنی غلبہ، ملک اور قبضہ پالیا۔ کیونکہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ تو ہر مقام میں موجود ہے۔ انہوں نے اہل حق کے منہج سے یکسر انحراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا انکار کردیا ہے، اور "استواء" سے قدرت مراد لی ہے۔ اگر "استواء" سے غلبہ اور قدرت مراد ہے تو پھر عرش اور ساتویں زمین میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ساتویں زمین کا غلبہ وقدرت بھی حاصل ہے۔ پھر عرش اور زمین میں موجود بیت الخلاؤں اور دیگر ہر چیز میں کیا فرق ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو ان تمام اشیاء پر قبضہ وقدرت حاصل نہیں؟ اگر "استواء علی العرش" کا معنیٰ "استیلاء علی العرش" ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مستوی ہے۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہونے کے ساتھ آسمان، زمین اور زمین پر موجود گندگیوں اور غلاظتوں کے ڈھیروں پر بھی (نعوذ باللہ) مستوی ہے، کیونکہ وہ ان تمام چیزوں پر بھی قادر اور غالب ہے۔ جب یہ بات ثابت اور طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ گندگیوں اور غلاظتوں کے مقامات پر مستوی ہے، تو پھر "استواء" بمعنیٰ "استیلاء" (غلبہ وقدرت) جائز نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تو بصورتِ عام ہر چیز پر قائم اور موجود ہے، تو پھر یہ بات ضروری اور متعین

ٹھہری کہ "استواء" ایک ایسے معنی پر مشتمل ہے جو صرف عرش کیساتھ مختص ہے، اور وہ اختصاص کسی دوسری چیز کو حاصل نہیں "

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الصواعق المرسلۃ" میں "استواء" بمعنی "استیلاء" ہونا، بیالیس (۴۲) وجوہ سے باطل ثابت کیا ہے۔ دیکھیے "مختصر الصواعق المرسلۃ" لمحمد بن الموصلی (۱۲۶/۲ تا ۱۵۲)

مؤلف ابن ابی زید رحمہ اللہ کا "علی العرش استوی" کے فوراً بعد "وعلی الملک احتوی" یعنی وہ اس تمام کائنات کا مالک، قاہر، قابض اور غالب ہے، فرمانا در حقیقت ان ہی متکلمین پر ردو ابطال ہے، کیونکہ متکلمین "استواء" بمعنی "استیلاء" لیتے ہیں، جس کا معنی ہوا اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر غالب و قابض ہے۔ صاحب کتاب فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو غلبہ اور قبضہ وقدرت عرش اور غیر عرش ہر چیز پر حاصل ہے (پھر غلبہ وقدرت کیلئے عرش کی تخصیص کا کیا معنی؟)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا خالق ہے، اور اس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے، جو ذات بلا شرکتِ غیر ہر چیز کی خالق وموجد ہے وہی ذات بلا شرکتِ غیر ہر چیز کی مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ (الملک:۱)

ترجمہ: "بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"

۱

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْھِنَّ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

ترجمہ: "اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں

موجود ہیں اور وہ ہر شی پر پوری قدرت رکھتا ہے" (المائدۃ:۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ (الحدید:۵)

ترجمہ: "آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾ (النور:۴۲)

ترجمہ: "زمین اور آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ (الاسراء:۱۱۱)

ترجمہ: "اور کہہ دیجئے! کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجی رکھتا ہے نہ اس سبب سے کہ وہ کمزور ہے، کوئی اس کا حمایتی ہے اور تو اسکی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴾ (الفرقان:۲)

ترجمہ: "اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمینوں کی اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی اسکا ساجی ہے اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ

وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَالَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیرٍ. وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ (سبا:۲۲،۲۳)

ترجمہ: ”کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے سب کو پکار لو نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے اور درخواستِ شفاعت بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لئے اجازت ہو جائے“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِینَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَرُونِی مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُورًا . اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیمًا غَفُورًا ﴾

ترجمہ: ”آپ کہیئے! کہ تم اپنے قرار داد شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتلاؤ کہ انہوں نے زمین میں کون سا (جزو) بنایا ہے یا ان کا آسمانوں میں کچھ ساجھا ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔ وہ حلیم غفور ہے“ (فاطر:۴۰،۴۱)

۱



۹. ”قوله: وله الأسماء الحسنى والصفات العلى“

ترجمہ: ”اس کیلئے انتہائی پیارے پیارے نام اور بہت ہی اعلیٰ صفات ہیں۔“

شرح

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب سے ہے...

(۱) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا تعلق، اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب سے ہے، جن پر ہمارے لئے کتاب وسنت کی وحی کے بغیر کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے ان تمام اسماء و صفات کا اقرار واثبات کرینگے جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اثبات وبیان ثابت ہوگیا۔ اور ہمارا اقرار واثبات ایسا ہوگا جیسا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لائق شان ہے، جس میں کسی تکییف وتشبیہ اور تحریف وتعطیل کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہ ہو۔ نیز ہم ہر اس صفت سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزہ قرار دینگے، جو صفت اللہ تعالیٰ کے لائق شان نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے“

اللہ تعالیٰ کے تمام نام حسنیٰ ہیں

(۲) قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کیلئے اسماء (ناموں) کا اثبات وارد ہوا ہے، نیز ان اسماء کا ”حسنیٰ“ کی صفت سے متصف ہونا بھی وارد ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ﴾ (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ: (اور اللہ تعالیٰ کے نہایت اچھے اچھے نام ہیں پس تم اسے انہیں ناموں سے پکارو)

نیز فرمایا: ﴿ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴾ (طٰہٰ:۸)

ترجمہ: (وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اس کیلئے نہایت اچھے اچھے نام ہیں)

نیز فرمایا: ﴿ هُوَ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴾ (الحشر:۲۴)

ترجمہ: (وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، بنانے والا، صورت کھینچنے والا، اسی کیلئے نہایت اچھے نام ہیں)

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے "حسنیٰ" ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام حسن وخوبصورتی میں اپنی غایت اور انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کے ناموں کو صرف اچھا ہی نہیں بلکہ انتہائی اچھا اور پیارا کہا جائے، جیسا کہ مذکورہ آیاتِ کریمہ میں وارد ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے تمام نام مشتق ہیں

(۳) اللہ تعالیٰ کے تمام نام مشتق ہیں، جن کے باقاعدہ معانی ہیں، اور وہ معانی ہی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ مثلاً: اسمِ مبارک "العزیز" "عزت پر"، "الحکیم" "حکمت پر"، "الکریم" "کرم پر"، "العظیم" "عظمت پر"، "اللطیف" "لطف پر"، "الرحمٰن" اور "الرحیم" "رحمت پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح بقیہ نام بھی۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام جامد نہیں، جس کا کوئی اشتقاق نہ ہو۔ بعض اہلِ علم کا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں "الدھر" (زمانہ) نام ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں مروی حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان:

[یؤذینی ابن آدم یسب الدھر وأنا الدھر بیدی الامر أقلب اللیل والنھار]

ترجمہ: [ابنِ آدم، مجھے تکلیف دیتا ہے اور وہ اس طرح کہ وہ دھر یعنی زمانے کو گالی دیتا ہے، اور دھر تو میں ہوں] (صحیح بخاری (۴۸۲۶، ۶۱۸۱، ۷۴۹۱) صحیح مسلم (۵/۴۵۸))

۱

اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ "الدھر" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، کیونکہ "دھر" تو زمانہ ہے، اللہ تعالیٰ رات اور دن (یعنی زمانہ) کو پھیرتا ہے، لہذا جس کسی نے "المُقَلَّبُ" (پھیری ہوئی چیز) یعنی زمانہ کو گالی دی، تو اس کی وہ گالی "المُقَلِّبُ" یعنی پھیرنے والے کی طرف لوٹ جائے گی، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ نکتہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

[بیدی الامر أقلب اللیل وا لنہار] سے واضح اور عیاں ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی صفات کا تعلق ہے تو ہر صفت سے اللہ تعالیٰ کا اسم نکالنا درست نہیں ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں "الوجه" (چہرہ) "الید" (ہاتھ) اور "القدم" (پاؤں) وغیرہ جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، ان صفات میں سے اللہ تعالیٰ کے نام اشتقاق نہیں کیئے جاسکتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ میں سے "استهزاء"، "کید" اور "مکر" ہیں، اب ان میں۔ سے اسماء اخذ کر کے اللہ تعالیٰ کے "المستهزئ" یا "الکائد" یا "الماکر" نام نہیں رکھے جاسکتے۔

چونکہ بات سے بات نکلتی ہے، لہذا میں اس موقع پر یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بھی تمام ثابت نام مشتق ہیں جو باقاعدہ کسی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ناموں میں سے کوئی نام جامد نہیں ہے، لہذا "طٰه" یا "یٰس"، رسول اللہ ﷺ کے نام نہیں ہیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ "تحفة المودود" (ص:۱۲۷) میں فرماتے ہیں:

" (بچے کا نام رکھنے کے تعلق سے) جن چیزوں سے روکا جائے گا ان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کے ناموں میں سے کوئی نام رکھ دیا جائے، مثلاً: "طٰه" "یٰس" "حٰم" وغیرہ۔ سہیلی نے امام مالک رحمہ اللہ سے نصاً "یٰس" نام رکھنے کی کراہیت ذکر فرمائی ہے۔ عوام الناس میں جو یہ بات مشہور ہے کہ "یٰس" اور "طٰه" رسول اللہ ﷺ کے نام ہیں تو یہ غیر صحیح ہے، کیونکہ یہ بات کسی صحیح یا حسن حتی کہ مرسل حدیث سے ثابت نہیں، نہ ہی کسی صحابی سے کوئی ایسا قول منقول ہے۔ یہ بھی "الم" "حٰم" "الر" کی طرح کے حروف ہیں۔

جنہوں نے "یٰس" اور "طٰه" کو بھی نبی ﷺ کے نام قرار دیئے ہیں شاید ان کے وہم کی وجہ یہ ہو کہ ان حروف ("یٰس" اور "طٰه") کے بعد نبی ﷺ کو خطاب ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ

یہ نبی ﷺ کے نام ہیں۔

ان پر واضح ہونا چاہیئے کہ سورۃ الاعراف اور سورۃ ابراھیم کے حروف مقطعات کے بعد بھی نبی ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے تو کیا ''المص'' اور'' الر'' بھی نبی ﷺ کے نام ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے نام متعین عدد میں محصور نہیں

(۴) اللہ تعالیٰ کے نام کسی معین عدد میں محصور و محدود نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے کچھ ناموں کی اطلاع دی ہے، باقی نام اپنے خزانۂ غیب میں چھپا رکھے ہیں جن سے کسی کو آگاہ نہیں فرمایا۔ اس کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

[ما اصاب احدا قط هم ولاحزن فقال اللهم انی عبدک ابن عبدک ابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاء ک أسالک بکل اسم هو لک سمیت به نفسک أو أنزلته فی کتابک أو علمته أحدا من خلقک أو استأثرت به فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذهاب همی ،إلا اذهب الله همه وحزنه وابدله مكانه فرح، قال: فقیل یارسول الله ! الا نتعلمها ؟فقال: بلیٰ ! ینبغی لمن سمعها ان یتعلمها] (مسند احمد: ۳۷۱۲)

ترجمہ: [کسی بندے کو کوئی پریشانی یا غم لاحق ہو اور وہ اس طرح دُعا کرے: اے اللہ! میں تیرا بندہ، تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے بارہ میں صرف تیرا ہی حکم چلتا ہے، میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ عدل پر قائم ہے، اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر نام کے واسطے سے دعا کرتا ہوں وہ نام جو تو نے اپنی ذات کے رکھے، یا وہ نام جو تو نے اپنی کتاب میں اتارے، یا وہ نام جو تو نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو

سکھا دیئے، یا وہ نام جو تو نے اب تک اپنے خزانۂ غیب میں محفوظ فرما رکھے ہیں کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی بہار، سینے کا نور، اور تمام دکھوں اور غموں کا مداوا بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام دکھ درد دور کر کے اسے خوشیاں عطا فرد یتا ہے۔ کہا گیا: یا رسول اللہ! ہم کیوں نہ ان کلمات کو یاد کر لیں؟ فرمایا: کیوں نہیں! جو شخص بھی ان کلمات کو سنے اسے چاہیئے کہ انہیں یاد کر لے]

شیخ شعیب الارناؤوط اور ان کے دونوں ساتھیوں نے اس حدیث کے ضعف کی تعلیق لگائی ہے، جبکہ حافظ ابن حجر سے اس کا حسن ہونا منقول ہے، جبکہ شیخ البانی نے ''الصحیحة'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے، امام ابن القیم نے بھی اسے صحیح کہا ہے، اور اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' کے ستائیسویں (۲۷) باب میں اس حدیث کی مفصل شرح بھی کی ہے۔ دیکھیئے (ص: ۳۶۹ تا ۳۷۴)

لہذا اصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کو بلا دلیل کسی معین تعداد میں محصور نہ کیا جائے۔ اور ہمارے علم میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں، البتہ صحیح بخاری (۲۷۳۶ ، ۶۴۱۰، ۷۳۹۲) اور صحیح مسلم (۲۶۷۷) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

[ان للہ تسعة وتسعین اسماً مائة الا واحدة من احصاھا دخل الجنة]

ترجمہ: [بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو، جو انہیں کما حقہ پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا]

یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ننانوے (۹۹) کی تعداد میں محصور ہونے پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس حدیث کی دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ننانوے (۹۹) نام ایسے ہیں کہ ان کو پڑھنے والا جنتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے: میرے پاس سو درھم ہیں جو میں نے طلبہ علم کیلئے رکھے ہوئے ہیں۔ اسکا معنی یہ نہیں ہے کہ اسکے پاس ان دراھم کے علاوہ اور درھم نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) ناموں کا ذکر کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، البتہ بعض علماء نے کتاب وسنت سے ننانوے (۹۹) نام نکالے ہیں: مثلاً: حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۱/۲۱۵)

اور"التلخیص الحبیر "(۴/ ۱۲۷) میں اور شیخ محمد بن العثیمین نے"القواعد المثلی" (ص:۱۵ تا ۱۶) میں ان ننانوے (۹۹) ناموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ تینوں کتابیں اکثر ناموں کے ذکر میں متفق ہیں، البتہ بعض ناموں کے ذکر میں قدرے اختلاف موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) ناموں کا بیان

ہم اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے (۹۹) اسماء حسنیٰ کا حروفِ تہجی کی ترتیب سے ذکر کرتے ہیں، ہر نام کی قرآن یا حدیث سے دلیل بھی نقل کرینگے۔ ہم نے یہاں دو ناموں "السِّتِّیر" اور "الدیان" کا اضافہ بھی کیا ہے، جن کا ذکر مذکورہ تینوں کتابوں میں نہیں ملتا۔

(۱) اللہ (اللہ تعالیٰ کا اسمِ ذاتی ہے) ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

(۲) اَلْآخِرُ (سب کے بعد) ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ (الحدید:۳)

(۳) اَلْاَحَدُ (ایک، اکیلا) ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (اخلاص:۱)

(۴) اَلْاَعْلٰی (سب سے بلند) ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ (الاعلیٰ:۱)

(۵) اَلْاَکْرَمُ (سب سے زیادہ عزت والا) ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ (العلق:۳)

(۶) اَلْاِلٰہ (معبود) ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ (النحل:۵۱)

(۷) اَلْاَوَّلُ (سب سے پہلے) ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ (الحدید:۳)

(۸) اَلْبَارِئُ (پیدا کرنے والا) ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ (الحشر:۲۴)

(۹) اَلْبَاطِنُ (سب سے پوشیدہ) ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ ۱ (الحدید:۳)

(۱۰) اَلْبَرُّ (نیکی و بھلائی کرنے والا) ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾ (الطور:۲۸)

(۱۱) اَلْبَصِیْرُ (دیکھنے والا) ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

(الشوریٰ:١١)

(١٢) اَلتَّوَّابُ (توبہ قبول کرنے والا) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الحجرات:١٢)

(١٣) اَلْجَبَّارُ (ملانے والا) ﴿ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ﴾ (الحشر:٢٣)

(١٤) اَلْجَمِیْلُ (خوبصورت) [ان اللہ جمال یحب الجمال] (مسلم:١٣٧)

(١٥) اَلْحَافِظُ (نگہبان) ﴿فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ (یوسف:٦٤)

(١٦) اَلْحَسِیْبُ (حساب لینے والا) ﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا﴾ (النساء:٦)

(١٧) اَلْحَفِیْظُ (سنبھالنے والا) ﴿اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾ (ھود:٥٧)

(١٨) اَلْحَقُّ (سچا اور ثابت) ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ھُوَ الْبَاطِلُ﴾ (الحج:٦٢)

(١٩) اَلْحَکَمُ (فیصلہ کرنے والا) [إن اللہ ھو الحکم ،وإلیہ الحکم] (ابوداود:٤٩٥٥)

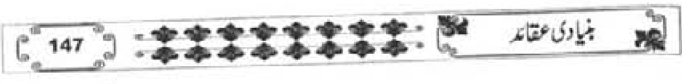
(٢٠) اَلْحَکِیْمُ (حکمت والا، دانا) ﴿سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (الصف:١)

(٢١) اَلْحَلِیْمُ (بردبار) ﴿وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ (المائدۃ:١٠١)

(٢٢) اَلْحَمِیْدُ (تعریف کیا ہوا) ﴿وَھُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ (شوریٰ:٢٨)

(٢٣) اَلْحَیُّ (زندہ) ﴿ھُوَ الْحَیُّ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ﴾ (الغافر:٦٥)

(٢٤) اَلْحَیِیُّ (حیاء والا) [إن اللہ عزوجل حیی ستّیر ،یحب الحیاء والستر]



(ابوداؤد:۳۰۱۲)

(۲۵) اَلْخَالِقُ (پیدا کرنے والا) ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ (الحشر:۲۴)

(۲۶) اَلْخَبِیْرُ (باخبر رہنے والا) ﴿قَالَ نَبَّأَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ (التحریم:۳)

(۲۷) اَلْخَلَّاقُ (پیدا کرنے والا) ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِیْمُ﴾ (الحجر:۸۶)

(۲۸) اَلدَّیَّانُ (بدلہ دینے والا) [قال رسول الله ﷺ: یحشر الله العباد أو قال: الناس عراة غرلا بهما، قال: قلنا مابهما؟ قال: لیس معهم شیء، ثم ینادیهم بصوت یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب: أنا الملک، أنا الدیّان] (الحدیث: أخرجه الحاکم فی المستدرک فی موضعین (۲/۴۳۸)، (۴/۵۷۴)، وصححه وأقره الذهبی، وحسنه الحافظ فی الفتح (۱/۱۷۴)، والالبانی فی صحیح الأدب المفرد (۷۴۶)

(۲۹) اَلرَّبُّ (پیدا کرنے والا) ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ﴾ (یٰس:۵۸)

(۳۰) اَلرَّحْمٰنُ (مہربان) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

(فاتحہ:۱،۲)

(۳۱) اَلرَّحِیْمُ (رحم کرنے والا) ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾ (البقرۃ:۱۶۳)

(۳۲) اَلرَّزَّاقُ (روزی دینے والا) ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ﴾

(الذریات:۵۸)

(۳۳) اَلرَّفِیْقُ (دوست) [إن الله رفیق یحب الرفق] (بخاری ومسلم)

(۳۴) اَلرَّقِیْبُ (نگرانی کرنے والا) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا﴾

(احزاب:۵۲)

(۳۵) اَلرَّؤُوْفُ (مہربان) ﴿اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (النحل:۷)

(۳۶) اَلسُّبُوْحُ (پاک) [سبوح قدوس رب الملائکة والروح] (مسلم:۴۸۷)

(۳۷) اَلسِّتِّیْرُ (پردہ پوشی کرنے والا) [إن الله عز و جل حیي ستّیر ،یحب الحیاء والستر] (ابوداؤد:۴۰۱۲)

(۳۸) اَلسَّلَامُ (سلامتی والا) ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ﴾ (الحشر:۲۳)

(۳۹) اَلسَّمِیْعُ (سننے والا) ﴿وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَ کُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ﴾ (المجادلہ:۱)

(۴۰) اَلسَّیِّدُ (مالک) [السید تبارک وتعالیٰ] (ابوداؤد:۴۸۰۶)

(۴۱) اَلشَّافِي (شفاء دینے والا) [اشف أنت الشافي لاشفي إلا انت] (بخاری:۵۷۴۲)

(۴۲) اَلشَّاکِرُ (قدردان) ﴿وَکَانَ اللّٰهُ شَاکِرًا عَلِیْمًا﴾ (النساء:۱۴۷)

(۴۳) اَلشَّکُوْرُ (قدردان) ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ﴾ (فاطر:۳۴)

(۴۴) اَلشَّهِیْدُ (گواہ) ﴿اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴾ (فصلت:۵۳)

(۴۵) اَلصَّمَدُ (بے نیاز) ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (اخلاص:۲)

(۴۶) اَلطَّیِّبُ (پاک) ﴿الله طیب ولایقبل إلاطیبا﴾ (مسلم:۱۰۱۵)

(۴۷) اَلظَّاهِرُ (سب سے ظاہر) ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحدید:۳)

(۴۸) اَلْعَزِیْزُ (غالب) ﴿یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (الجمعۃ:۱)

(۴۹) اَلْعَظِیْمُ (سب سے بڑا) ﴿ وَلَا یَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴾

(البقرۃ:۲۵۵)

(۵۰) اَلْعَفُوُّ (معاف کرنے والا) ﴿ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴾ (المجادلۃ:۲)

(۵۱) اَلْعَلِیْمُ (علم والا) ﴿ وَاللّٰهُ مَوْلٰکُمْ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ﴾ (التحریم:۲)

(۵۲) اَلْعَلِیُّ (بلند) ﴿ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ ﴾ (الشوریٰ:۵۱)

(۵۳) اَلْغَالِبُ (غالب) ﴿ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ ﴾ (یوسف:۲۱)

(۵۴) اَلْغَفَّارُ (معاف کرنے والا) ﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا ﴾

(نوح:۱۰)

(۵۵) اَلْغَفُوْرُ (معاف کرنے والا) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾ (الزمر:۵۳)

(۵۶) اَلْغَنِیُّ (بے پرواہ) ﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ﴾ (محمد:۳۸)

(۵۷) اَلْفَتَّاحُ (کھولنے والا) ﴿ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ﴾ (سبا:۲۶)

(۵۸) اَلْقَادِرُ (قدرت والا) ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰی اَنْ یَبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ﴾ (الانعام:۶۵)

۱

(۵۹) اَلْقَاهِرُ (زبردست) ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴾

(الانعام:۱۸)

(۶۰) اَلْقُدُّوْسُ (پاک) ﴿ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ

الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾ (الجمعۃ:۱)

(۶۱) اَلْقَدِيْرُ (قدرت والا) ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (الملک:۱)

(۶۲) اَلْقَرِيْبُ (نزدیک) ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

(۶۳) اَلْقَهَّارُ (زبردست) ﴿ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ (ابراھیم:۴۸)

(۶۴) اَلْقَوِىُّ (قوت والا) ﴿ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِىُّ الْعَزِيْزُ ﴾ (الشوریٰ:۱۹)

(۶۵) اَلْقَيُّوْمُ (ہمیشہ قائم) ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

(۶۶) اَلْكَبِيْرُ (سب سے بڑا) ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴾ (لقمان:۳۰)

(۶۷) اَلْكَرِيْمُ (بڑا بزرگ اور سخی) ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴾ (الانفطار:۶)

(۶۸) اَلْكَفِيْلُ (کارساز) ﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ﴾ (النحل:۹۱) وحديث قصة الاسرائيلى الذى قال لمن أسفله: [كفى بالله كفيلا] (بخاری:۲۲۹۱)

(۶۹) اَللَّطِيْفُ (نرمی کرنے والا) ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ (الملک:۱۴)

(۷۰) اَلْمُبِيْنُ (ظاہر کرنے والا) ﴿ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴾ (النور:۲۵)

(۷۱) اَلْمُتَعَالُ (انتہائی بلند) ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴾

(الرعد:۹)

(۷۲) اَلْمُتَكَبِّرُ (بڑائی کرنے والا) ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾ (الحشر:۲۳)

(۷۳) اَلْمَتِیْنُ (زبردست قوت والا) ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ﴾

(الذریات:۵۸)

(۷۴) اَلْمُجِیْبُ (دعا قبول کرنے والا) ﴿اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ﴾ (هود:۶۱)

(۷۵) اَلْمَجِیْدُ (بزرگی والا) ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴾ (هود:۷۳)

(۷۶) اَلْمُحْسِنُ (احسان کرنے والا) [إن الله محسن يحب المحسنين] (رواه ابن أبی عاصم فی الدیات (ص: ۵۶) وابن عدی فی الکامل (۲۱۴۵/۶)، وابو نعیم فی أخبار أصبهان(۱۱۳/۲) ،واسناده حسن کما ذکر الشیخ الألبانی فی السلسة الصحیحة (۴۷۰)،وانظر صحیح الجامع الصغیر (۱۸۱۹) و(۱۸۲۰)

(۷۷) اَلْمُحِیْطُ (گھیرنے والا) ﴿اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ﴾ (فصلت:۵۴)

(۷۸) اَلْمُصَوِّرُ (صورت عطا کرنے والا) ﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾

(الحشر:۲۳)

(۷۹) اَلْمُعْطِیْ (عطا کرنے والا) [والله المعطی وأنا القاسم] (بخاری:۳۱۱۶)

(۸۰) اَلْمُقْتَدِرُ (قدرت رکھنے والا) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾

(الکهف:۴۵)

(۸۱) اَلْمُقَدِّمُ (آگے کرنے والا) [أنت المقدم ،وأنت المؤخر] (بخاری:۱۱۲۰)

(۸۲) اَلْمُقِیْتُ (روزی دینے والا) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا﴾

(النساء:۸۵)

(۸۳) اَلْمَلِکُ (بادشاہ) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۸۴) اَلْمَلِیْکُ (بادشاہ) ﴿ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ (القمر:۵۵)

(۸۵) اَلْمَنَّانُ (احسان کرنے والا) [اللهم إني اسألک بأن لک الحمد لاإله إلا أنت المنان] (ابوداؤد:۱۴۹۵)

(۸۶) اَلْمُهَیْمِنُ (نگراں، محافظ) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۸۷) اَلْمُؤَخِّرُ (پیچھے کرنے والا) [أنت المقدم ،وأنت المؤخر] (بخاری:۱۱۲۰)

(۸۸) اَلْمَوْلٰی (مالک، آقا) ﴿ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴾ (الانفال:۴۰)

(۸۹) اَلْمُؤْمِنُ (امن دینے والا) ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ ﴾ (الحشر:۲۳)

(۹۰) اَلنَّصِیْرُ (مدد کرنے والا) ﴿ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَلِیًّا وَّکَفٰی بِاللّٰهِ نَصِیْرًا ﴾ (النساء:۴۵)

(۹۱) اَلْهَادِیْ (ہدایت دینے والا) ﴿ وَکَفٰی بِرَبِّکَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴾ (الفرقان:۳۱)

(۹۲) اَلْوَاحِدُ (ایک، اکیلا) ﴿ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ (الرعد:۱۶)

(۹۳) اَلْوَارِثُ (حقیقی وارث ہونے والا) ﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ ﴾ (الحجر:۲۳)

(۹۴) اَلْوَاسِعُ (کشادہ اور وسیع) ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرۃ:۱۱۵)

(۹۵) اَلْوِتْرُ (ایک) [ان اللہ وتر یحب الوتر] (بخاری:۶۴۱۰)

(۹۶) اَلْوَدُوْدُ (محبت کرنے والا) ﴿ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ . وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴾ (البروج:۱۴)

(۹۷) اَلْوَكِيْلُ (کارساز) ﴿ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

(۹۸) اَلْوَلِيُّ (دوست، مددگار) ﴿ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ (الشوریٰ:۹)

(۹۹) اَلْوَهَّابُ (بہت زیادہ دینے والا) ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ (آل عمران:۸)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین "(۳/۱۴۹ تا ۱۷۱) میں قاعدہ "سد الذرائع " کے اثبات کیلئے ننانوے (۹۹) وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ انہیں اس تعداد پر اقتصار واکتفاء حدیث میں وارد اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کی تعداد (۹۹) سے موافقت کی بناء پر فرمایا۔ ہم نے بھی اپنی ایک کتاب بنام "دراسة حديث [نضر الله امرا سمع مقالتي] رواية ودراية " میں حدیث [نضر الله امرا سمع مقالتي] کہ جو مختصراً ومطولاً بہت سے الفاظ سے مروی ہے، سے ننانوے (۹۹) فوائد مستنبط کیئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص:۲۰۱ تا ۲۱۰)

اللہ تعالیٰ کے بعض ناموں کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے اور بعض کا نہیں ۱

(۶) اللہ تعالیٰ کے کچھ اسماء ایسے ہیں جن کا غیر اللہ پر بھی اطلاق کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (التوبۃ:۱۲۸) میں رسول اللہ ﷺ کو "رؤف" و "رحیم" کہا

گیا ہے۔ نیز قولہ تعالیٰ: ﴿ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴾ (الدھر:۲) میں انسان کو "سمیع" اور "بصیر" کہا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں واضح ہو کہ ان ناموں کا خالق کیلئے اطلاق ان معانی کے ساتھ ہے جو خالق کے لائق ہیں، اور مخلوق کیلئے اطلاق ان معانی کے ساتھ ہے جو مخلوق کے لائق ہیں۔ چنانچہ وہ معانی جو ان ناموں کا مدلول ہیں، ان میں خالق، مخلوق کے مشابہ نہیں، اور مخلوق، خالق کے مشابہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کچھ نام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں اور کسی غیر اللہ پر ان کا اطلاق جائز نہیں، مثلاً: اللہ، الرحمن، الخالق، الباری، الرزاق، الصمد وغیرہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر کے اندر آغاز سورۃ الفاتحہ میں "بسم اللہ الرحمن" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کچھ نام ایسے ہیں جس کا (لفظی حد تک) غیر اللہ پر اطلاق جائز ہے، لیکن کچھ نام ایسے ہیں جو غیر اللہ کیلئے قطعی طور پر نہیں بولے جا سکتے، جیسے اسم مبارک اللہ، الرحمن، الخالق، اور الرزاق وغیرہ

۱۰۔ " لم یزل بجمیع صفاته وأسمائه، تعالٰی ان تکون صفاته مخلوقة وأسمائه محدثة۔ "

ترجمہ: " وہ اپنی تمام صفات اور ناموں کے ساتھ ہمیشہ سے ہے، وہ اس بات سے انتہائی بلند اور پاک ہے کہ اس کی کوئی صفت مخلوق ہو یا کوئی نام نیا ہو۔ "

شرح

اللہ تعالٰی کے تمام اسماء وصفات ازلی وابدی ہیں

اللہ تعالٰی جن صفات کے ساتھ متصف یا جن اسماء کے ساتھ موسوم ہے وہ سب کے سب ازلی وابدی ہیں، یعنی وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی ایسے نام کے ساتھ موسوم کیا جائے جس کے ساتھ پہلے موسوم نہیں تھا۔

واضح ہو کہ اللہ تعالٰی کی صفات کی دو قسمیں ہیں، صفاتِ ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔

صفات ذاتیہ:

صفاتِ ذاتیہ سے مراد وہ صفات ہیں جو ازلاً وابداً اللہ تعالٰی کی ذات کے ساتھ قائم ولازم ہیں ان صفات کا مشیت وارادہ سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً اللہ تعالٰی کی صفتِ " الوجہ " (چہرہ) " الید " (ہاتھ) " الحیاۃ " (زندہ ہونا) " العلم " (ہر چیز کا جاننا) " السمع " (سننا) " البصر " (دیکھنا) " العلو " (سب سے بلند ہونا)۔

صفات فعلیہ:

دوسری قسم صفات فعلیہ ہیں جو اللہ تعالٰی کی مشیت وارادہ سے متعلق ہیں، جیسے صفت " الخلق " (پیدا کرنا) " الرزق " (روزی دینا) " الاستواء " (عرش پر مستوی ہونا) " النزول " (اترنا) " المجیء " (آنا) وغیرہ

یہ تمام صفات باعتبار نوع قدیم ہیں، لیکن باعتبار آحاد، حادث ہیں۔ چنانچہ مثلاً: اللہ تعالٰی

صفتِ خلق اور صفت رزق سے ازل سے متصف ہے، ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ پہلے وہ ان صفات سے متصف نہ ہو، بعد میں ہو گیا ہو۔ (مقصد یہ ہے کہ جب کوئی مخلوق یا مرزوق نہیں تھا، اللہ تعالیٰ اس وقت بھی خالق اور رازق تھا، کیونکہ اس کی ہر صفت ازلی اور ابدی ہے۔ البتہ اس نے مخلوق کو پیدا کب کیا؟ روزی کب دی؟ جب اس نے چاہا اور ارادہ فرمایا۔)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش فعلی اعتبار سے آسمان وزمین کی خلق کے بعد حاصل ہوا۔ اسی طرح آسمانِ دنیا کی طرف نزول بھی آسمان وزمین کی خلق کے بعد حاصل ہوا۔ اسی طرح مجی یعنی آنا، جس کا آیت کریمہ: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ میں ذکر ہے، قیامت کے دن اس وقت حاصل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مابین فصل قضاء کیلئے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا صفتِ "يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ" (یعنی جو ارادہ فرمالیتا ہے وہ کرتا ہے) سے متصف ہونا بھی باعتبار نوع قدیم ہے، البتہ جن افعال کا ارادہ فرمالیتا ہے وہ افعال آحاد ہیں جن کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ ان کے ظہور کا ارادہ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے ساتھ خالق ہے، اور اس کے ماسوا ہر چیز مخلوق ہے، لہذا اس کی صفات میں کوئی چیز مخلوق نہیں۔ اور اس کے جتنے بھی نام ہیں، ان کے نام رکھنے کی کوئی ابتداء نہیں ہے، اس کے تمام نام قدیم اور ازلی ہیں، اور کوئی نام محدث (نیا) نہیں ہے۔



۱۱. "كلم موسى بكلامه الذي هو صفة ذاته لا خلق من خلقه، وتجلى للجبل فصار دكا من جلاله وان القرآن كلام الله ليس بمخلوق فيبيد ولا صفة لمخلوق فينفد."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ صفتِ ذاتیہ ہے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ (کوہِ طور) پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال سے ریزہ ریزہ ہوگیا، قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے کہ فنا کا شکار ہو جائے، نہ ہی کسی مخلوق کی صفت ہے کہ ختم ہو جائے۔"

شرح

اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ "الکلام" کا اثبات...

اللہ تعالیٰ ازلاً وابداً صفتِ کلام کے ساتھ متصف ہے، اس کے متکلم ہونے کی کوئی ابتداء نہیں، اور وہ بلا انتہاء صفتِ کلام سے متصف رہے گا، کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی نہ تو کوئی ابتداء ہے اور نہ ہی کوئی انتہاء، لہٰذا اس کی صفتِ کلام کی بھی نہ کوئی ابتداء ہوگی نہ کوئی انتہاء۔

صفتِ کلام، صفتِ ذاتیہ بھی ہے اور صفتِ فعلیہ بھی۔

ذاتیہ اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کے اس صفت سے متصف ہونے کی کوئی ابتداء نہیں، اور فعلیہ اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت وارادہ سے جب چاہتا ہے کلام فرماتا ہے، اس کا کلام فرمانا اس کی مشیت سے متعلق ہے، جب چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کلام فرماتا ہے، لہٰذا صفتِ کلام باعتبارِ نوع قدیم، اور باعتبارِ آحادِ کلام حادث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے ان کے دور میں کلام فرمایا تھا، ہمارے نبی ﷺ سے شبِ معراج کلام فرمایا تھا، وہ قیامت کے دن اہلِ جنت سے جبکہ وہ جنت میں داخل ہو جائینگے

کلام فرمائے گا۔ یہ سب آحادِ کلام کی مثالیں ہیں، جن میں سے کچھ تو واقع ہو چکی ہیں، اور کچھ آئندہ حاصل ہونگی، جب اللہ تعالیٰ ان کا حصول چاہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور آواز کے ساتھ ہے۔ اس کا کلام نہ تو مخلوق ہے اور نہ ہی کوئی ایسی صفت ہے جو قائم بالذات ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ (النساء:۱۶۴) (اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا) پر غور کیجئے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا اثبات ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا۔ قولہ تعالیٰ: "تکلیما" کلام فرمانے کی مزید تاکید ہے اور اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کی نہ تو کوئی ابتداء ہے نہ انتہا، ، نہ ہی اللہ تعالیٰ کے کلام کیلئے کوئی حد یا حصار ہے۔ مخلوق کے کلام کرنے کا معاملہ اس سے برعکس ہے، مخلوق کے کلام کرنے کی ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی، لہذا مخلوق کا کلام اپنی ابتداء اور انتہاء کے اندر محصور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (الکھف:۱۰۹)

ترجمہ: (کہہ دیجئے! کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کو لکھنے کیلئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم اس جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں)

نیز فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (لقمان:۲۷)

ترجمہ: (روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ غالب

اور باحکمت ہے۔)

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ کلام کا اثبات ہے اور یہ بھی ثابت اور واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر محصور ہے؛ کیونکہ زمین پر موجود بپھری موجوں اور پانی کی آتاہ گہرائیوں والے تمام سمندروں کو کئی گنا بڑھا کر، اللہ رب العزت کا کلام لکھنے کیلئے روشنائی میں تبدیل کردیا جائے اور لکھنے کیلئے زمین پر موجود تمام درختوں کی قلمیں گھڑلی جائیں، تو یہ امر طے شدہ ہے کہ لکھتے لکھتے تمام سمندر اور قلمیں ختم ہو جائیں گی، کیونکہ سمندر اور قلمیں بھی تو مخلوق ہیں اور مخلوق کیلئے بہرحال محصور ہونا بھی ہے اور فنا بھی۔ اللہ تعالیٰ کا کلام کیونکہ غیر مخلوق اور غیر محصور ہے، لہذا وہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، تورات وانجیل اور اسکے علاوہ ہر وہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اللہ تعالیٰ کے کلام کا حصہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کلام کیونکہ غیر مخلوق ہے لہذا اسے کبھی وہ فنا حاصل نہیں ہوگا جو تمام مخلوقات کا مقدر ہے۔ اور کلام کو فنا کیسے ہوسکتا ہے، وہ تو خالق کائنات کی صفت ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، لہذا اس کے کلام کی بھی کوئی انتہاء یا نفاذ نہیں ہے۔ اس کے برعکس تمام مخلوقات فنا کا شکار ہونے والی ہیں، لہذا ان کا کلام بھی ان کے ساتھ فنا ہو جائے گا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان: ''اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر تجلی ڈالی تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال سے ریزہ ریزہ ہوگیا'' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے:

﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: (اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمائی، تو عرض

کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا! بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں)

اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے جبکہ وہ اس کی میقات و میعاد پر آئے، کلام فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے شرف سے ہمکنار ہوئے تو انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شوق پیدا ہو گیا جس کا انہوں نے سوال بھی کر دیا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ دیدار اہلِ ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگا، جو قیامت کے روز اہلِ جنت کیلئے سب سے بڑی نعمت قرار پائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو لوگوں کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طاقت ہی نہیں رکھتی، جب ہی تو موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿ لَنْ تَرَانِیْ ﴾ یعنی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ (یعنی اس دنیا میں)

چنانچہ کوہِ طور اپنی سختی اور صلابت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی نہ سہہ سکا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ البتہ دار الآخرۃ میں اللہ تعالیٰ اپنے مؤمنین بندوں کو ایسی بصارت عطا فرمائے گا جس سے انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی قدرت نصیب ہو جائے گی۔

دنیا میں کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی قدرت حاصل نہ ہونے پر رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی دلالت کر رہی ہے:

[تعلموا انه لن یری احد منکم ربه عزوجل حتی یموت] (مسلم : ۲۹۳۰)

ترجمہ: [اچھی طرح جان لو! تم میں سے کوئی شخص دنیا کی زندگی میں اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا]

۱۲. " والایمان بالقدر خیرہ وشرہ حلوہ ومرہ، وکل ذلک قد قدر اللہ ربنا، ومقادیر الامور بیدہ ومصدرھا عن قضائہ .علم کل شئ قبل کونہ، فجری علی قدرہ لایکون من عبادہ قول ولا عمل الا وقد قضاہ وسبق علمہ بہ ﴿الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر﴾ (الملک: ۱۴)

یضل من یشاء ،فیخذلہ بعدلہ ، ویھدی من یشاء فیوفقہ بفضلہ ،فکل میسر بتیسیرہ الی ماسبق من علمہ وقدرہ،من شقی او سعید .

تعالیٰ ان یکون فی ملکہ مالایرید، او یکون لاحد عنہ غنی، خالقا لکل شئ، ألا ھو رب العباد ورب اعمالھم ،والمقدر لحرکاتھم وآجالھم ."

ترجمہ:اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی ہر قسم کی تقدیر پر ایمان لانا (فرض ہے) ۔ان تمام چیزوں کو ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا، تمام امور کی مقادیر اس کے ہاتھ میں ہے، جن کا صادر ہونا اس کے فیصلے سے ہے، وہ ہر شئی کو وجود میں آنے سے پہلے ہی جانتا ہوتا ہے، اور وہ شئی جب وجود میں آتی ہے تو اس کی تقدیر کے مطابق ہی آتی ہے، بندوں کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر اور اس کے علمِ سابق کے مطابق ہوتا ہے ﴿کیا وہ ذات علم نہیں رکھتی جس نے پیدا کیا؟ وہ تو باریک بین اور باخبر ہے﴾

جسے چاہتا ہے گمراہ کرکے ذلتوں کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے، جو کہ عینِ عدل ہے، اور جسے چاہتا ہے توفیقِ ہدایت سے مشرف فرما دیتا ہے، جو عینِ فضل ہے۔ ہر بد بخت یا نیک بخت، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور تقدیر کے مطابق اپنی اپنی راہ پر بآسانی چلایا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ اسکی بادشاہت میں کوئی چیز اسکے ارادے کے بغیر یا برخلاف ہو، یا کوئی مخلوق اس سے مستغنی ہو، ہر شئی کا صرف وہی خالق ہے، تمام بندوں اور

انکے تمام اعمال کا وہی رب ہے، اور انکی تمام حرکات وآجال کی تقدیر بنانے والا بھی وہی ہے۔

شرح[1]

ایمان بالقدر اور اس کے کتاب وسنت سے دلائل کا بیان

(۱) تقدیر پر ایمان لانا، ایمان کے ان چھ اصولوں میں شامل ہے جن کا حدیثِ جبریل میں ذکر ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان کی بابت سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: [أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، والقدر خيره وشره.] (رواه مسلم: ۵۳)

ترجمہ: [ایمان یہ ہے کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اسکی کتابوں اور اسکے رسولوں کیساتھ ایمان لے آئے، اور یوم آخرت اور تقدیر کیساتھ، چاہے بھلی ہو یا بُری ایمان لے آئے۔]

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، صحیح مسلم کا سب سے پہلا عنوان کتاب الایمان ہے، اور یہ اس کی سب سے پہلی ذکر کردہ حدیث ہے۔ اس حدیث کی سند میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ اس حدیث کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے، مسئلہ ایمان بالقدر کیلئے بطور استدلال روایت فرمایا ہے۔ تفصیلِ واقعہ اس طرح ہے کہ یحیی بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمن الحمیری نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عراق میں موجود کچھ لوگوں کا ذکر کیا جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور تمام امور کو ''اُنُف'' قرار دیتے ہیں (یعنی وہ بغیر کسی مقدر کے خود بخود ظہور پذیر ہو رہے ہیں) تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: جب تم ان لوگوں سے ملو تو ان سے یہ بات کہہ دینا کہ میں ان سے اور وہ مجھ سے بری اور لاتعلق ہیں۔ اس ذات کی قسم کہ جس کی عبداللہ بن عمر ہمیشہ قسم کھاتا ہے: اگر ان میں سے کسی شخص کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کردے، تو اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا جب تک تقدیر پر صحیح ایمان نہ لے آئے۔ پھر اس حدیث کو اپنے والدِ گرامی سے روایت کیا۔

واضح ہو کہ حدیثِ جبریل بروایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ صرف صحیح مسلم میں ہے، جبکہ یہی حدیث بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ صحیح بخاری ومسلم دونوں میں ہے۔

(۲) قرآنِ حکیم سے بہت سی آیات، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث تقدیر کے اثبات پردال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ (القمر:۴۹)

ترجمہ: (بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کیا ہے)

﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ﴾ (التوبہ:۵۱)

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے! ہمیں ہرگز کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے)

﴿ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ (الحدید:۲۲)

ترجمہ: (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے)

جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو امام بخاری اور امام مسلم (رحمھما اللہ) دونوں نے اپنی اپنی کتاب میں تقدیر کا مستقل باب قائم کیا ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم (۲۶۶۴) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[المؤمن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر احرص علی ماینفعک واستعن باللہ ولاتعجز وان اصابک شی فلا تقل : لو أنی فعلت کذا کان کذا وکذا ،ولکن قل: قدر اللہ وماشاء فعل ،فان لو تفتح عمل الشیطان]

ترجمہ:[طاقت ور مؤمن، اللہ تعالیٰ کو کمزور مؤمن سے زیادہ بھلا اور محبوب ہے، ویسے دونوں میں بھلائی اور بہتری ہے۔ تم اپنے لئے ہر نفع بخش چیز کی حرص اور تمنا رکھو اور اس کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو، اور عاجز نہ بنو۔ اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو یوں مت کہو کہ اگر میں اس طرح کر لیتا تو اس طرح ہو جاتا۔ بلکہ یوں کہو: اللہ تعالیٰ کا یہی منظور و مقدور تھا، اور جو کچھ اس نے چاہا وہی کیا۔ ''لو'' یعنی اگر اگر کہنا [شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۲۶۵۵) اپنی سند سے طاؤس (تابعی) کے حوالے سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے بہت سے صحابہ کو یہ کہتے ہوئے پایا: ہر چیز تقدیر کے ساتھ ہے۔ مزید فرماتے ہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا: وہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [کل شیٔ بقدر حتی العجز والکیس] یعنی ہر چیز حتیٰ کہ عجز اور کیس بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ ہے۔

عجز اور کیس آپس میں دو متضاد لفظ ہیں، کیس سے مراد عقلمندی، ہوشیاری اور محنت وغیرہ، اور عجز سے مراد عاجزی، سستی اور کاہلی ہے۔ یہ سب تقدیر کے ساتھ مربوط و منسلک ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عاجز کا عجز و ضعف اور کیس یعنی دانا کی دانائی اور عقلمندی سب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے (۱۶/۲۰۵)

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

[ما منکم من احد وقد کتب مقعدہ من الجنۃ ومقعدہ من النار فقالوا: یارسول اللہ ﷺ افلا نتکل؟ فقال: اعملوا فکل میسر. ثم قرأ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ. فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ. وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ. وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ. فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾ (اللیل: ۵تا۱۰]

ترجمہ:[تم میں سے ہر شخص کا جنت یا جہنم کا ٹھکانہ لکھا جا چکا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول

اللہ ﷺ کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ نہ کرلیں؟ (اور عمل چھوڑ دیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمل کرو، کیونکہ انسان کا جو ٹھکانہ لکھا گیا ہے اس کیلئے اسکے عمل میں آسانی پیدا کردی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی: ترجمہ: "جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے)۔ اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا۔ تو ہم بھی اس کو آسان راستے کی سہولت دینگے لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی۔ اور نیک بات کی تکذیب کی۔ تو ہم بھی اس کی تنگی و مشکل کا سامان میسر کردینگے"] (صحیح بخاری: ۴۹۴۵، صحیح مسلم: ۲۶۴۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندوں کا نیک اعمال کرنا تقدیر میں لکھا جاچکا ہے، اور یہ بھی کے وہ نیک اعمال حصولِ سعادت کا سبب ہیں اور سعادت کا حصول بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔ اس طرح بعض بندوں کا بُرے اعمال کا ارتکاب کرنا بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے، اور وہ بُرے اعمال، حصولِ شقاوت (بدبختی) کا سبب ہیں، نیز شقاوت کا حصول بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسباب اور انکے مسببات، تمام چیزیں مقدر فرمادی ہیں۔ لہذا کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے فیصلہ، تقدیر، خلق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔

وعن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال کنت خلف رسول اللہ ﷺ یوما فقال: [یاغلام ! إنی اعلمک کلمات :احفظ اللہ یحفظک ،احفظ اللہ تجدہ تجاھک، اذا سألت فاسأل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ ، واعلم ان الامۃ لواجتمعت علی ان ینفعوک بشیء لم ینفعوک الابشیء قد کتبہ اللہ لک ولو اجتمعوا علی ان یضروک بشیء لم یضروک الابشیء قد کتبہ اللہ علیک، رفعت الاقلام وجفت الصحف]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ نے فرمایا: [اے لڑکے! میں تجھے چند اہم امور کی تعلیم دیتا ہوں، تم

اللہ تعالیٰ کے حدود و فرائض کی حفاظت کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ تم اللہ تعالیٰ کی حدود و فرائض کی حفاظت کرو، ہمیشہ اسے اپنے سامنے پاؤگے۔ جب بھی مانگو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور جب بھی مدد طلب کرو صرف اللہ تعالیٰ سے کرو، اور اچھی طرح جان لو! اگر پوری امت تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے نفع کے علاوہ کوئی نفع نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر پوری امت تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے نقصان کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (تقدیر لکھنے والی) قلمیں اٹھالی گئی ہیں اور صحیفے (جن پر تقدیر لکھی گئی ہے) خشک ہو چکے ہیں]

اس حدیث کی حافظ ابن رجب نے اپنی کتاب "جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم" (۱/۴۵۹) میں بڑی نفیس شرح فرمائی ہے۔ الاربعون النوویة کی یہ حدیث نمبر ۱۹ ہے۔

مراتب قدر: علم، کتابت، ارادہ اور خلق ایجاد

(۳) واضح ہو کہ تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب ہیں، ان چاروں مراتب کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

☆ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہونے والا ہے، سب کا اللہ تعالیٰ کو ازلی علم حاصل ہے، اور یہ بات ناممکن ہے کہ کسی چیز کا اللہ تعالیٰ کو ازلی علم حاصل نہ ہو بلکہ بعد میں علم ہوا ہو۔ فقرہ نمبر (۷) میں اللہ تعالیٰ کے علم کی بحث کے ضمن میں اس مرتبہ کے تعلق سے کچھ وضاحتیں تحریر کی جا چکی ہیں۔

☆ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ جس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: [کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق اللہ السموات والارض

بخمسين الف سنة قال :وعرشه على الماء] (رواہ مسلم(۲۶۵۳)عن ابن عمر)

ترجمہ:[اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تمام خلائق کی تقدیر لکھ دیں۔فرمایا:اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔]

☆ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت پر ایمان لایا جائے۔یعنی اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا ہے،اور چونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی ملک میں وہی کچھ ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالے۔پس جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی کچھ ہوگا،اور جو کچھ نہیں چاہے گا وہ ہرگز نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (یٰس:۸۲)

ترجمہ:"وہ جب کبھی کسی چیز کا اردہ کرتا ہے اسے اتنا فرمادینا(کافی) ہے کہ ہو جا،وہ اسی وقت ہو جاتا ہے"

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾ (التکویر:۲۹)

ترجمہ:"اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے"

☆ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہے یا ہونے والا ہے سب اللہ تعالیٰ کی خلق وایجاد ہے،جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اس علمِ سابق (ازلی علم) کے مطابق عمل میں آتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا،لہذا ہر ہر ذات،اور ہر ہر فعل صرف اللہ تعالیٰ کی خلق وایجاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الزمر:۶۲)

ترجمہ:"اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے"

نیز فرمایا: ﴿ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴾ (الصافات:۹۶)

ترجمہ:"حالانکہ تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے"

ایمان بالقدر کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے...

(۴) اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو فیصلے فرما دیئے اور انہیں لوحِ محفوظ میں تحریر فرما دیا وہ سب کا سب علمِ غیب ہے، جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ مخلوق کو تقدیر کے فیصلوں کا علم درج ذیل دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ ہو سکتا ہے:

(۱) کسی چیز یا کام کے رونما ہونے سے۔ چنانچہ جب بھی کوئی چیز رونما ہوگی معلوم ہو جائے گا کہ یہی امرِ مقدور ہے، کیونکہ اگر یہ امرِ مقدور نہ ہوتی تو ہرگز رونما نہ ہوتی، کیونکہ جو اللہ چاہتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے، اور جس چیز کا ہونا اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مستقبل میں رونما ہونے والے کسی واقعہ یا امر کی خبر دے دیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ظہورِ دجال، خروجِ یاجوج و ماجوج اور نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کی خبر دی۔ اس کے علاوہ اور بھی آپ ﷺ نے بہت سے امور کی خبر دی جو آخری دور میں ظاہر ہوں گے۔ ان تمام امور و واقعات کی خبر چونکہ الصادق المصدوق محمد رسول اللہ ﷺ نے دی، لہٰذا ان کا حاصل ہونا لازمی ہے۔ اور چونکہ ان تمام امور کا رونما ہونا ایک طے شدہ حقیقت ہے لہٰذا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور قضاء و قدر کے عین مطابق ہے۔ (لہٰذا ہمارا یہ ایمان ہے کہ قربِ قیامت رونما ہونے والے یہ تمام واقعات برحق ہیں کیونکہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہیں۔ نیز یہ کہ ان تمام امور و واقعات کا اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے فیصلہ فرما کر تقدیر میں لکھ دیا تھا)

ہم مزید ایک مثال سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے واقعہ کی خبر دی جس کا ظہور آپ ﷺ کے زمانے کے بالکل قریب تھا، چنانچہ ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کبھی لوگوں کو دیکھتے اور کبھی حسن کو، پھر فرمایا:

[ابنی هذا سید ولعل الله یصلح به بین فئتین من المسلمین] (بخاری:۳۷۴۶)
یعنی میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے بیچ صلح کرائے گا۔
رسول اللہ ﷺ کی یہ خبر ۴۱ھ میں حرف بحرف پوری ہوئی، چنانچہ اس سال مسلمانوں کی جمعیت متحد اور مجتمع ہوگئی، حتی کہ اس سال کو "عام الجماعة" کے نام سے موسوم کردیا گیا۔
صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ کے اس فرمان سے یہ نکتہ اخذ کرلیا کہ حسن رضی اللہ عنہ بچپن میں فوت نہیں ہونگے بلکہ اتنی دیر تک ضرور زندہ رہینگے کہ صلح کے تعلق سے آپ ﷺ نے جو پیش گوئی فرمائی وہ پوری ہوجائے، اور کیونکہ یہ سب کچھ رونما ہوا لہذا یہی امر مقدور تھا۔ جس کا صحابۂ کرام کو قبل از وقوع (بوجہ فرمانِ رسول اللہ ﷺ) علم ہوگیا۔

اس عالم ہستی میں جو بھی خیر وشر ہے سب اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہے

(۵) قولہ: "والایمان بالقدر خیره وشره حلوه ومره، وکل ذلک قد قدر الله ربنا" "یعنی اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی ہر تقدیر پر ایمان لانا (فرض) ہے، اور یہ کہ ان تمام چیزوں کو ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے"
تقدیر کے حوالے سے یہ مسئلہ حدیثِ جبریل میں مذکور ہے [وان تؤمن بالقدر خیره وشره] یعنی: [تم تقدیر پر ایمان لاؤ خواہ وہ خیر ہو یا شر۔]
ہر چیز کا خالق اور مقدِّر، اللہ رب العزت ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الزمر:۶۲) ترجمہ: "اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے"
تو اس عالم ہستی میں جو بھی خیر وشر ہے، سب اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر، اور مشیت وارادہ سے ہے۔
(یہاں ایک اشکال وارد کیا جاسکتا ہے کہ) جناب علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی ایک طویل دعا مذکور ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: [والخیر کله فی یدیک والشر لیس إلیک] (صحیح مسلم:۷۷۱) یعنی: [اے اللہ! تمام کی تمام خیر تیرے ہی ہاتھ میں

ہے، جبکہ شر تیری طرف نہیں ہے] (تو حدیث بظاہر حدیثِ جبریل کے مضمون کے متعارض ہے، جس میں خیر و شر کا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہونے کا ذکر ہے)

(ہم عرض کرتے ہیں کہ) حدیثِ علی رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان: [شر تیری طرف نہیں ہے] اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شر اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے واقع نہیں ہوتا، اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شر کو محض برائے شر پیدا نہیں فرمایا کہ وہ کسی حکمت سے خالی ہو، یا اس میں کسی وجہ سے کسی قسم کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہوتا ہو۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شر کو علی الوجہ الاستقلال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا جائے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات و مقدرات کے عموم کے ضمن میں شامل تصور کیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ یعنی اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے (تو اس کے عموم میں خیر بھی شامل ہے اور شر بھی)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ (القمر:۴۹)

ترجمہ: ''ہم نے ہر شی ایک معین مقدار سے پیدا فرمائی'' (یہاں بھی (ہر شی) کے عموم میں خیر و شر دونوں کو داخل تصور کیا جائے گا)

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ادب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جنوں کی گفتگو ذکر فرمائی، وہ گفتگو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ادب کی بہترین مثال ہے، چنانچہ انہوں نے خیر کی نسبت بصیغہ معروف اللہ تعالیٰ کی طرف کی لیکن شر کا ذکر بصیغہ مجہول کیا۔ ملاحظہ ہو:

﴿ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ (الجن:۱۰)

ترجمہ: ''ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے''

لفظِ ارادہ معنیٰ کونی وقدری کے ساتھ ساتھ معنیٰ دینی وشرعی دونوں کیلئے مستعمل ہے

(۶) تقدیر کے چار مراتب، جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر ہوا، میں ایک مرتبہ یہ تھا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے ہے۔ مشیت وارادہ میں فرق یہ ہے کہ لفظِ مشیت قرآن وحدیث میں صرف معنیٰ کونی وقدری کیلئے وارد ہوا ہے، جبکہ لفظِ ارادہ معنیٰ کونی وقدری کے ساتھ ساتھ معنیٰ دینی وشرعی دونوں کیلئے مستعمل ہے۔

چنانچہ ارادہ کے معنیٰ کونی وقدری کیلئے استعمال ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ﴾

ترجمہ: ''تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں، اگر اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو'' (ھود:۳۴)

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ: ''سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کشادہ کردیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو بہت تنگ کردیتا ہے''

(ان آیات میں اغواء وتضلیل کا ارادہ، ارادۂ کونی وقدری ہے)

لفظِ ارادہ کے دینی وشرعی معنیٰ میں وارد ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں''

﴿ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ (المائدۃ:۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا ہے اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو''

ارادہ کونی وقدری اور ارادہ دینی وشرعی کے درمیان فرق یہ ہے کہ ارادہ کونیہ عام ہے اور ہر قسم کے امر کیلئے وارد ہوتا ہے، خواہ وہ امر اللہ تعالیٰ کی رضاء اور محبت کو موجب ہو یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کو موجب ہو، جبکہ ارادہ شرعیہ صرف اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ امور کیلئے مختص ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ارادہ کونیہ کا واقع اور رونما ہونا ضروری ہے، جبکہ ارادہ شرعیہ اس شخص کے حق میں حاصل ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کی توفیق میسر ہو، اور اس شخص کو حاصل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو۔

کچھ الفاظ ایسے ہیں جو کونی اور شرعی دونوں معنی دیتے ہیں، مثلاً: القضاء، التحریم، الاذن، الامر، الکلمات وغیرہ۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تالیف ''شفاء العلیل'' کے (۲۹) ویں باب میں ان الفاظ کیلئے قرآن وحدیث سے بہت سی مثالیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے جن امور کے فیصلے فرمالئے اور انہیں لوح محفوظ میں لکھ دیا وہ بلاتغیر وتبدل رونما ہوکر رہیں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (الحدید:۲۲)

ترجمہ: ''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے''

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[رفعت الاقلام وجفت الصحف] یعنی تقدیر لکھ کر قلم اٹھالئے گئے اور صحیفے خشک ہیں۔(لہذا وہی کچھ ہوگا جو قلموں نے صحیفوں پر لکھ دیا ہے)

(لیکن درج ذیل آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے تبدیل بھی فرمالیتا ہے) ملاحظہ ہو:

﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴾ (الرعد:۳۹)

ترجمہ:"اللہ جو چاہے مٹادے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے"

آیت کریمہ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ... ﴾کا معنی

لیکن اس آیت کو مفسرین نے شرعی امور سے متعلق قرار دیا ہے، یعنی (اللہ تعالیٰ جس نے ہر نبی پر شرعی احکام نازل فرمائے، اسے پورا اختیار ہے کہ) جس حکم کو چاہے منسوخ فرمادے، اور جسے چاہے برقرار رکھے، اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور بالآخر محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اختتام پذیر ہوا جس نے سابقہ تمام شرائع کو منسوخ کردیا۔ کچھ مفسرین نے اس سے مراد وہ اقدار لی ہیں جو لوح محفوظ میں نہیں ہیں جیسا کہ بعض امور ملائکہ کو تفویض کیے گئے ہیں۔ تفصیل کیلئے حافظ ابن القیم کی کتاب "شفاء العليل " باب ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۶ ملاحظہ ہو۔ حافظ ابن القیم نے ان ابواب میں سے ہر باب میں لوح محفوظ کی تقدیر کے بعد خاص تقدیر کا ذکر کیا ہے۔

یہاں ایک حدیث کی وضاحت بھی ضروری ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بسند حسن روایت کیا ہے (۲۱۳۹)، شیخ البانی کی "السلسلة الصحيحة" (۱۵۴) میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[لا يرد القضاء إلا الدعاء، ولا يزيد فى العمر الا البر] یعنی: [قضاء کو صرف دعا ٹال سکتی ہے، جبکہ صرف نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔]

حدیث شریف [لا يرد القضاء إلا الدعاء] کا معنی

اس حدیث کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ دعا لوح محفوظ کے فیصلے کو بدل ڈالتی ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ دعا کی برکت سے اس شر سے جو تقدیر میں چلتا آرہا تھا سلامتی عطا فرمادی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شر سے سلامتی مقدر فرمادی اور سلامتی کے اسباب بھی مقدر فرما دیئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے سے وہ شر جو اس کی تقدیر میں مسلسل چلا آرہا تھا ٹال دیا، ایک ایسے سبب کے عوض جو بندے سے ظاہر ہوگا اور وہ دعا ہے، چنانچہ بندے کا دعا کرنا اور اسے سلامتی کا حاصل ہو جانا بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندے کی عمر کا لمبا ہونا تقدیر میں لکھا ہوا ہے اور اس لمبی عمر کا راز بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے، جو کہ نیکی اور صلہ رحمی سے عبارت ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام اسباب اور ان کے نتائج ومسببات اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہیں۔

یہی معنی رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا کیا جائے گا [من سره أن يبسط له في رزقه أو ينسأ له في أثره فليصل رحمه] (صحیح بخاری ۲۰۶۷، صحیح مسلم ۲۵۵۷)

یعنی جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی، اور عمر میں طوالت وبرکت عطا فرمادی جائے وہ اپنے رشتے داروں سے جوڑ کر رکھے۔

بہر حال ہر انسان کی اجل (موت کا وقت) لوحِ محفوظ میں ایک امرِ مقدر ہے، جو نہ آگے ہو سکتا ہے نہ پیچھے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ﴾ (المنافقون:۱۱)

ترجمہ: ''اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا''

نیز فرمایا:

﴿ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴾

ترجمہ: ''ہر امت کیلئے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں'' (یونس:۴۹)

جو بھی انسان مرتا ہے یا قتل ہوتا ہے، معتزلہ کا یہ قول کہ ''جو انسان قتل ہوتا ہے اس کی طبعی عمر

کٹ جاتی ہے، اور اگر وہ قتل نہ کیا جاتا تو دوسری اجل یعنی لمبی عمر جیتا'' باطل ہے، ہر انسان کیلئے ایک ہی اجل مقدر ہے، البتہ موت کے اسباب مختلف ہیں اور وہ بھی سب کے سب مقدر ہیں، چنانچہ کچھ لوگوں کا مرض کے نتیجہ میں، کچھ کا ڈوب کر، اور کچھ کا قتل ہو کر مرنا مقدر ہوتا ہے (بہر حال سب کی اجل ایک ہی ہے البتہ اسباب اجل مختلف ہیں)

(۸) کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے چھوڑنے یا اللہ تعالیٰ کے کسی حرام امر کے ارتکاب کرنے کے سلسلے میں تقدیر کو بطور دلیل و حجت پیش کرے (مثلاً یوں کہے کہ میں نماز نہیں پڑھتا تقدیر میں یونہی لکھا ہوا ہے، یا میں شراب پیتا ہوں تو تقدیر میں یونہی لکھا ہوا ہے) اگر کوئی شخص کسی ایسی معصیت کا ارتکاب کرے جس پر شرعی حد نافذ ہوتی ہے، اور وہ اپنی اس معصیت کا بہانہ یا عذر تقدیر کو قرار دے اور کہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا، تو اس شخص پر شرعی حد نافذ کر کے اسے آگاہ کر دیا جائیگا کہ یہ حد اور سزا بھی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔

اب یہاں ایک حدیث کی وضاحت ضروری ہے جس میں آدم و موسیٰ علیہما السلام کا ایک جھگڑا مذکور ہے، چنانچہ صحیح بخاری (۳۴۰۹) اور صحیح مسلم (۲۶۵۲) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[احتج آدم وموسى ،فقال له موسى: أنت آدم الذى أخرجتك خطيئتك من الجنة ،فقال له آدم :أنت موسى الذى اصطفاك الله برسالاته ، وبكلامه،ثم تلومنى على أمر قدر على قبل أن أخلق؟فقال رسول الله ﷺ فحج آدم موسى، مرتين]

ترجمہ: [آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے مابین ایک جھگڑا ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ آدم ہیں جنہیں آپ کے گناہ نے جنت سے نکلوا دیا، آدم علیہ السلام نے فرمایا: تم موسیٰ ہو، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام سے مشرف فرمایا، تم مجھے ایسے مسئلہ میں ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش

سے بھی قبل میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبار فرمایا: آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام پر غالب[1] آ گئے]

حدیث احتجاجِ آدم علی موسیٰ کا مفہوم

واضح ہو کہ اس حدیث میں آدم علیہ السلام نے فعلِ معصیت پر تقدیر کو بطور حجت پیش نہیں کیا، بلکہ معصیت کے نتیجے میں نازل ہونے والی مصیبت پر تقدیر کو بطور حجت پیش کیا۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے "شفاء العلیل" کا تیسرا باب اس حدیث پر بحث کرنے کیلئے قائم فرمایا، اس باب میں پہلے تو انہوں نے اس حدیث کی تشریح کے حوالے سے لوگوں کے غلط اقوال کا تذکرہ کیا، پھر قرآن حکیم کی وہ آیات نقل فرمائیں جن میں مشرکین کا اپنے شرک کے ارتکاب کرنے پر تقدیر میں لکھے ہوئے کو بطور بہانہ یا حجت پیش کرنے کا ذکر ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس حجت کو پیش کرنے پر انہیں جھوٹا قرار دیا؛ کیونکہ وہ اپنے شرک اور کفر پر قائم و مصر رہتے ہوئے تقدیر میں لکھے ہوئے کا عذر پیش کر رہے ہیں۔ یہ بات تو درست ہے کہ ان کا مبتلائے شرک ہونا تقدیر میں لکھا ہوا ہے، مگر ان کا اسے اپنے شرک کی صحت پر محمول کرنا ایک امرِ باطل ہے، لہٰذا ان کا قول حق ہے، مراد باطل ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے حدیث مذکورہ (آدم و موسیٰ کا مناظرہ) کا معنی بیان کرتے ہوئے دو توجیہیں نقل فرمائیں، پہلی توجیہ اپنے شیخ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ کے حوالے سے، اور دوسری توجیہ اپنے فہم اور استنباط سے پیش فرمائی۔

چنانچہ (ص ۳۵ تا ۳۶) میں فرماتے ہیں:

" جب آپ نے یہ بات پہچان لی، تو پھر واضح ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کی جو معرفت حاصل ہے اس کے پیشِ نظر ان کا مقام اس بات سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی کو کسی ایسے گناہ پر ملامت کریں جس سے وہ توبہ کر چکا ہے بلکہ توبہ قبول کرنے کے بعد

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بھی دی اور اپنا چنا ہوا بندہ بھی قرار دے دیا، اور آدم علیہ السلام کو جو اپنے پروردگار کی معرفت حاصل تھی اس کے پیشِ نظر ان کا مقام اس سے کہیں اونچا ہے کہ وہ اپنی معصیت کیلئے تقدیر میں لکھے ہوئے کو بطور حجت پیش کریں، بلکہ اصل معاملہ یوں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو معصیت پر نہیں اس مصیبت پر ملامت فرمائی جس کا جنت سے نکلنے اور فتنوں اور آزمائشوں کے گھر میں آنے کی وجہ سے ان کی پوری اولاد کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس لئے ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: ''اخرجتنا ونفسک من الجنة'' یعنی آپ نے اپنے آپ کو اور ہم سب کو جنت سے نکلوا دیا، اور ایک حدیث میں ''خیبتنا'' کا لفظ بھی مروی ہے، یعنی آپ نے ہمیں نامراد بنا دیا، اس کے جواب میں آدم علیہ السلام نے ان پر اور ان کی پوری ذریت پر نازل ہونے والی اس مصیبت پر تقدیر میں لکھے ہوئے کو بطور حجت پیش فرمایا، اور فرمایا: یہ مصیبت جو میری غلطی کے بسبب میری اولاد کو حاصل ہوئی، یہ میری پیدائش سے بھی قبل تقدیر میں لکھی جا چکی تھی، تقدیر میں لکھے ہوئے کو مصیبتوں میں بطور حجت پیش کیا جاتا ہے، عیبوں اور گناہوں میں نہیں، لہٰذا آدم علیہ السلام کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم مجھے اس مصیبت پر ملامت کیوں کر رہے ہو جو مجھ پر اور میری اولاد پر میری پیدائش سے بھی ہزاروں سال قبل لکھ دی گئی تھی۔

یہ ہمارے شیخ کا جواب ہے، جبکہ ہمیں اس کا ایک دوسرا جواب بھی دکھائی دے رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ گناہ پر تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطور حجت پیش کرنا ایک مقام پر درست اور نافع ہے، اور ایک مقام پر غلط اور نقصان دہ ہے، نافع اس وقت ہے جب بندے سے گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اس پر توبہ کر لے اور پھر کبھی اس گناہ کی طرف جھانک کر بھی نہ دیکھے، جیسا کہ آدم علیہ السلام نے کیا، تو اس صورت میں اپنے گناہ کو نوشتۂ تقدیر قرار دینا عین توحید بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت کی علامت بھی۔

دریں صورت تقدیر کا ذکر، ذکر کرنے والے اور سننے والے دونوں کو فائدہ دے گا؛ کیونکہ تقدیر کے ذکر سے نہ تو وہ کسی امر یا نہی کو ٹال سکتا ہے نہ ہی شریعت کو باطل کر سکتا ہے، اس سے تو توحید کی اساس پر محض حق کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے، نیز یہ کہ بندہ یہ اقرار کرتا ہے کہ نیکی کرنے یا برائی کے چھوڑنے کی مجھ میں کوئی طاقت نہیں (یہ تو محض اللہ کی توفیق ہی سے ممکن ہے)

(یہ بات تھوڑی سی دقیق ہے) لہذا ہم آدم علیہ السلام کے واقعہ سے کچھ توضیح کرتے ہیں:

آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: تم مجھے میرے ایک ایسے گناہ کہ جو میری پیدائش سے قبل ہی تقدیر میں لکھا جا چکا تھا کے ارتکاب پر ملامت کر رہے ہو؟ چنانچہ جب انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، پھر وہ توبہ کر لے اور اس کا گناہ اس طرح ڈھل جائے کہ گویا سرزد ہی نہیں ہوا تھا، اس کے بعد کوئی شخص اسے اس گناہ کے ارتکاب پر ملامت کرے تو دریں صورت اس کا تقدیر کے لکھے ہوئے کو محض حجت بنانا درست ہوگا، اب وہ یہ کہہ سکتا ہے گناہ کا یہ معاملہ میری تقدیر میں میری پیدائش سے قبل ہی لکھا جا چکا تھا۔ اب وہ تقدیر کے ذکر سے نہ تو حق کو ٹال رہا ہے، نہ ہی تقدیر میں لکھے ہوئے کو اپنے گناہ کے جواز کیلئے بطور دلیل پیش کر رہا ہے (کیونکہ وہ تو اپنے اس گناہ سے سچی توبہ کر چکا ہے) لہذا اب تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطور حجت پیش کرنے کا کوئی نقصان نہیں ہے (بلکہ فائدہ ہے کیونکہ یہ اقرار عقیدۂ توحید کی پختگی کی علامت ہے اور اپنے عجز و ضعف کا اظہار بھی ہے کہ گناہ سے بچنا اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے)

واضح ہو کہ گناہ پر تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطور حجت پیش کرنے کا جو نقصان دہ مقام ہے اس کا تعلق زمانۂ حال اور مستقبل سے ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ بندہ کسی حرام کام کا ارتکاب کرتا ہے، یا کسی فریضے کے ترک کا مرتکب ہوتا ہے (اور توبہ بھی نہیں کرتا) اب اسے کوئی ملامت کرتا ہے اور وہ اپنے اس گناہ کے ارتکاب بلکہ اصرار پر تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطور حجت پیش کرے (یعنی یوں کہے کہ تقدیر میں یونہی لکھا ہے کہ میں یہ گناہ کرتا ہوں یا کرتا رہونگا) تو یہ یقیناً نقصان دہ

صورت ہے؛ کیونکہ اس طرح وہ تقدیر کی حجت کے ذریعے اپنے حق کو ترک کرنے، یا باطل کا ارتکاب کرنے کا جواز پیش کر رہا ہے۔

چنانچہ مشرکین نے اپنے عبادت لغیر اللہ اور شرک کے مسلسل اصرار پر نوشتۂ تقدیر ہی کو بطور حجت پیش کیا تھا، انہوں نے کہا تھا ﴿ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا ﴾ (الانعام:۱۴۸) یعنی "اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم، نہ ہمارے آباء واجداد شرک کرتے" (ہم جو شرک کر رہے ہیں تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یونہی چاہتا ہے اور اس نے اسی طرح لکھا ہوا ہے)

ایک اور مقام پر ان کا یہ قول مذکور ہے: ﴿ لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ﴾ یعنی "اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان بتوں کی پوجا نہ کرتے" (الزخرف:۲۰)

لہٰذا وہ اپنے شرک کے جواز پر تقدیر کو بطور حجت پیش کر رہے ہیں، نہ تو انہیں اپنے شرک پر کوئی ندامت یا شرمندگی ہے۔، نہ اس شرک کو مستقبل میں چھوڑنے کا کوئی عزم یا ارادہ ہے اور نہ ہی اس شرک کے باطل یا فاسد ہونے کا اقرار واعتراف ہے۔ گناہ پر تقدیر کو حجت ماننے کی یہ صورت ، پہلی صورت سے بالکل برعکس ہے، کیونکہ پہلی صورت میں گناہ کا اقرار بھی ہے کہ اس کے ارتکاب پر ندامت بھی ہے اور اسے ہمیشہ چھوڑ دینے کا عزم بھی ہے لہٰذا دریں صورت اگر کوئی ملامت کرے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہوا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ارتکاب معصیت کے بعد اس کی قباحت وملامت اگر (توبہ کے ذریعہ) ختم ہو جائے تو نوشتۂ تقدیر کو بطور حجت ذکر کرنا درست ہے اور اگر ارتکاب معصیت کے بعد اس کی قباحت وملامت قائم ہے (اور بندہ نہ تائب ہے نہ نادم اور نہ اس کے ترک پہ عازم) تو تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطور حجت پیش کرنا باطل ہے (کیونکہ یہ تو اس گناہ کا جواز پیش کرنے کے مترادف ہوگا)

(۹) قوله: " تعالیٰ ان يكون في ملكه مالايريد، او يكون لاحد عنه غني، خالقا

کل شیء، ألا ھو رب العباد ورب اعمالھم ،والمقدر لحرکاتھم وآجالھم۔"

ترجمہ: " اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ اسکی بادشاہت میں کوئی چیز اس کے ارادے کے بغیر یا برخلاف ہو، یا کوئی مخلوق اس سے مستغنی ہو، ہر شیٔ کا صرف وہی خالق ہے، تمام بندوں اور انکے تمام اعمال کا وہی رب ہے، اور انکی تمام حرکات وآجال کی تقدیر بنانے والا بھی وہی ہے"

افعالِ عباد اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور یہ بندوں کی مشیئت سے واقع ہوتے ہیں...

واضح ہو کہ یہ تمام جملے، فرقۂ ضالہ قدریہ پر رد ہیں، جن کا عقیدہ یہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود ہی خالق ہیں، اسی طرح بندوں کے افعال کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے اندر ہی سرزد ہورہے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر نہیں ہیں۔ اب بندے چونکہ اپنے افعال کے خود ہی خالق ہیں لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہیں۔ قدریہ کے ان معتقدات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر شیٔ کا خالق تسلیم نہیں کرتے۔ (والعیاذ باللہ)

حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا بھی خالق ہے اور ان کے تمام افعال کا بھی، وہ تمام ذوات کا خالق ہے، اور تمام صفات کا بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ (الرعد:١٦)

ترجمہ: "کہہ دیجئے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے وہ اکیلا ہے اور زبردست غالب ہے"

نیز فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾ (الزمر:٦٢)

ترجمہ: "اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے"

نیز فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصافات:٩٦)

ترجمہ: "حالانکہ تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے"

قدریہ منکرین (منکرینِ تقدیر) کے مقابلے میں ایک اور گمراہ فرقہ ہے جو جبریہ کے نام سے موسوم ہے، انہوں نے بندوں سے ہر قسم کا اختیار سلب کر دیا ہے، اور انہیں ہر قسم کی مشیت وارادہ سے عاری قرار دیا ہے، یہ لوگ اختیاری اور اضطراری تمام حرکات میں برابری کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بندوں کا ہر فعل یا حرکت، درختوں کی حرکت کی طرح ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ بندوں کا کھانا، پینا یا نماز، روزہ ایسے اعمال ان کے ارادے سے صادر نہیں ہوتے، بلکہ وہ ان اعمال کے اصدار پر مجبور ہیں۔ جیسے ایک رعشہ کا مریض، اپنے ارادہ یا اختیار سے اپنے ہاتھ نہیں ہلاتا، بلکہ بہ سبب مرض مجبوراً اس کے ہاتھ ہلتے رہتے ہیں، لہذا (بقول ان کے) بندوں کے افعال وحرکات میں، ان کے کسب وارادہ کو کوئی دخل نہیں۔

ان سے پوچھا جائے کہ پھر انبیاء ومرسلین کی بعثت کا کیا فائدہ رہا؟ کتب سماوی کے نزول کی کیا حکمت رہی؟

شرعی ادلہ سے انتہائی قطعیت کے ساتھ یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ عمل کے تعلق سے بندے کو ایک طرح کا ارادہ ومشیت حاصل ہے چنانچہ وہ اپنے ہر نیک عمل پر قابلِ تعریف بھی ہے اور مستحقِ اجر وثواب بھی جبکہ ہر بُرے فعل پر قابلِ مذمت بھی ہے، اور مستحقِ عذاب بھی۔

اس کے تمام اختیاری افعال، باعتبارِ فعل وکسب اسی کی طرف منسوب ہوں گے، جبکہ اس کی تمام اضطراری حرکات، مریضِ رعشہ کی حرکت کی مانند قرار پائیں گے وہ اضطراری حرکت بندے کا فعل نہیں قرار پائی گی، بلکہ اس کی صفت (کیفیت یا حالت) شمار ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ علماءِ نحو فاعل کی تعریف یوں کرتے ہیں "هو اسم مرفوع يدل على من حصل منه الحدث أو قام به" یعنی: فاعل ایک ایسا اسم ہے جو مرفوع ہوتا ہے، اور ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس سے یا تو کوئی کام صادر ہوتا ہے، یا کوئی کام اسکے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

کام کے صادر ہونے سے ان کی مراد بندے کے وہ اختیاری افعال ہیں جو اس کی مشیت

وارادہ سے صادر ہوتے ہیں (جیسے نماز، روزہ، کھانا، پینا وغیرہ) اور کام کے اس کے ساتھ قائم ہونے سے ان کی مراد ایسے کام جس میں اس کی مشیت وارادہ کو کوئی دخل نہیں، جیسے موت، مرض اور ارتعاش وغیرہ۔

چنانچہ جب یوں کہا جائے گا کہ: زید نے کھایا، پیا، نماز پڑھی یا روزہ رکھا، تو ان تمام مثالوں میں زید ایک ایسا فاعل ہے جس کے اختیار سے کھانا، پینا، نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا ایسے اعمال صادر ہورہے ہیں۔ اور جب یوں کہا جائے کہ: زید بیمار ہوا، یا زید فوت ہوا، یا زید کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہوا، تو ان تمام مثالوں میں جو افعال (بیمار ہونا، مرنا وغیرہ) مذکور ہیں وہ زید کا فعل قرار نہیں پائیں گے۔ بلکہ ایسے اوصاف یا احوال قرار پائیں گے جو زید کے ساتھ (بامر اللہ) لاحق وقائم ہوئے (جن میں زید کے ارادہ ومشیت کو کوئی دخل نہیں ہے۔)

واضح ہو کہ افعالِ عباد کے تعلق سے اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ، جبریہ اور قدریہ کے گمراہ عقیدوں کے بین بین انتہائی اعتدال پر قائم ہے۔ چنانچہ قدریہ تو تقدیر کے سراسر منکر ہیں، جبکہ جبریہ نے تقدیر کے اثبات میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ بندے سے ہر قسم کے ارادہ ومشیت کو سلب کر کے رکھ دیا۔ جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ اعمال کے تعلق سے بندوں کیلئے مشیت ثابت کرتے ہیں جبکہ اللہ رب العزت کیلئے مشیت عامہ کے اثبات کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ بندوں کی مشیت کو اس طرح تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾ (التکویر:۲۹)

ترجمہ: "اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے"

لہذا اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ومرضی کے خلاف کوئی چیز واقع نہیں ہوسکتی۔ یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا وہ واقع ہو ہی نہیں سکتی، بخلاف قدریہ کے جو کہتے ہیں:

بندے اپنے تمام افعال کے خود ہی خالق ہیں اور بخلاف جبریہ کے جو کہتے ہیں کہ بندے اس قدر مسلوب ارادہ ومشیت ہیں کہ کسی بھی گناہ کے ارتکاب پر انہیں مستحق سزا قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اس گناہ کے ارتکاب میں ان کے ارادہ ومشیت کو کوئی دخل نہیں۔

ہماری اس تقریر سے ایک سوال کا جواب آسان ہوگیا جو بار بار پوچھا جاتا ہے اور وہ یہ کہ: بندہ مسیر ہے یا مخیر؟

مخیر سے مراد: جسے اپنے افعال واعمال پر اختیار حاصل ہو، اور مسیر سے مراد جو ہر قسم کے اختیار، ارادہ اور مشیت سے عاری ہو، اور جس طرح چلایا جائے اسی طرح چلنے پر مجبور ہو۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نہ تو اسے مطلقاً مسیر کہا جاسکتا ہے نہ مطلقاً مخیر، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ وہ اس اعتبار سے مخیر ہے کہ اسے اپنے افعال کی انجام وہی میں مشیت وارادہ حاصل ہے، جس کی بناء پر اس کے تمام اعمال اس کا کسب قرار پاتے ہیں، چنانچہ وہ ہر نیک عمل پر مستحق ثواب، اور ہر برُے عمل پر مستحق عذاب ہے۔ جبکہ بندہ اس اعتبار سے مسیر ہے کہ اس سے صادر ہونے والا کوئی بھی عمل اللہ تعالی کی مشیت سے خارج نہیں بلکہ ہر عمل اللہ تعالی کی مشیت، ارادہ، خلق اور ایجاد کے دائرہ میں ہے۔

(۱۰) قوله: يضل من يشاء، فيخذله بعدله ، ويهدى من يشاء فيوفقه بفضله، فكل ميسر بتيسيره الى ماسبق من علمه وقدره، من شقي او سعيد .

ترجمہ" جسے چاہتا ہے، بتقاضۂ عدل گمراہ کرکے ذلتوں اور پستیوں میں پھینک دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، بتقاضۂ فضل ہدایت وتوفیق سے سرشار فرمادیتا ہے، لہذا ہر بد بخت یا نیک بخت پر، اللہ تعالی کے علمِ سابق اور اس کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق اس کی توفیق سے (برا یا اچھا) راستہ آسان کردیا گیا۔

ہدایت اور گمراہی اللہ تعالی کی مشیت وارادہ سے حاصل ہوتی ہے

ہر ہدایت یافتہ انسان کیلئے ہدایت، اور گمراہ شخص کی گمراہی، اللہ تعالی کی مشیت وارادہ سے

حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے سعادت اور ضلالت کا راستہ بیان فرما دیا ہے، اور انہیں زیورِ عقل سے بھی آراستہ فرما دیا جس کی مدد سے وہ نفع بخش اور نقصان دہ چیز میں تمیز کر سکیں، چنانچہ جو ہدایت کا انتخاب کر کے اس پر رواں دواں ہو گیا وہ ضرور بالضرور سعادتِ کاملہ کے عظیم صلہ کو حاصل کرے گا۔ سعادت کی اس راہ پر چلنے میں بندے کی مشیت وارادہ کو پورا پورا دخل حاصل ہے، اور بندے کی یہ مشیت وارادہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے تابع ہے، اور ہدایت کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے بہ سبب ہے۔ اور جس شخص نے طریقِ ضلالت کا انتخاب کر کے اسے اپنا لیا وہ یقیناً شقاوت (بدبختی) کے گڑھے میں جا گرے گا، بندے کے گمراہی کے راستہ کو منتخب کرنے میں اس کی مشیت وارادہ کو مکمل دخل حاصل ہے، اور بندے کی یہ مشیت وارادہ، اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے تابع ہے، اور شقاوت کا یہ معاملہ عدل کے بہ سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ . وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ . وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾

ترجمہ: ''کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے)۔ ہم نے دکھا دیئے اس کو دونوں راستے'' (البلد: ۸ تا ۱۰)

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴾ (الدھر: ۳)

ترجمہ: ''ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکرگزار بنے خواہ ناشکرا''

نیز فرمایا: ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے وہ راہِ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز یا رہنما پا سکیں'' (الکھف: ۱۷)

ہدایتِ ارشاد اور ہدایتِ توفیق میں فرق

ہدایت کی دو قسمیں ہیں: ایک ہدایتِ ارشاد، دوسری ہدایتِ توفیق

ہدایتِ ارشاد: (جس سے مراد راہِ ہدایت کی دعوت دینا ہے) سب کو حاصل ہے؛ کیونکہ دین کی دعوت عمومیت کے ساتھ سب ہی کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

ترجمہ: ''آپ ﷺ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں''

میں اسی قسم یعنی ہدایتِ ارشاد کا ذکر ہے۔

ہدایتِ توفیق: (جس سے مراد راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق کا میسر آجانا ہے) اس شخص کو حاصل ہوسکتی ہے، جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان میں اسی قسم کا ذکر ہے: ﴿ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ (القصص:۵۶)

ترجمہ: ''آپ ﷺ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے''

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ان دونوں قسموں کو اس آیتِ کریمہ میں جمع فرمادیا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہِ راست کی طرف ہدایت دیتا ہے'' (یونس:۲۵)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ'' میں دعوتِ ارشاد کا ذکر ہے؛ کیونکہ دعوت کے مخاطب تمام لوگ ہیں۔ ارادۂ عموم کی وجہ سے مفعول محذوف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ راہ نمائی تو سب کی کردی گئی ہے، مگر قبول کون کرتا ہے ؟...وہی، جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیقِ ہدایت میسر ہو۔ اس بات کا ذکر اس آیتِ کریمہ کے دوسرے حصے میں فرمادیا: ''وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' یہاں مفعول ظاہر کردیا تاکہ خصوص کا فائدہ حاصل ہوجائے، مقصد یہ ہے کہ ہدایت کی توفیق ان مخصوص افراد کو ملتی ہے، جن کی ہدایت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

ہمارے شیخ محمد الامین الشنقیطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''رفع ایھام الاضطراب عن آیات الکتاب'' کے اندر سورۃ الشمس کی تفسیر میں دو حکایتیں ذکر فرمائی ہیں، جن سے تقدیر کے مسئلہ میں معتزلہ کے مذہب کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پہلی حکایت: فرماتے ہیں: جب امام ابو اسحاق الاسفرائنی نے معتزلی عالم عبد الجبار کے ساتھ مناظرہ کیا، تو اس موقع پر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

عبد الجبار معتزلی نے کہا: پاک ہے وہ ذات جو گناہوں سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مثلاً: چوری اور زنا وغیرہ بندے کی مشیئت سے سرزد ہوتے ہیں، ان کے سرزد ہونے میں

اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کوئی دخل حاصل نہیں، کیونکہ ان کے زعم میں اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے کہیں بلند و بالا ہے کہ وہ گناہوں اور معصیتوں کی مشیت فرمائے۔

ابو اسحاق نے فرمایا: یہ کلمہ حق ہے مگر مراد باطل ہے۔ پھر فرمایا: پاک ہے وہ ذات جس کی بادشاہت میں صرف وہی کچھ ہو رہا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

عبد الجبار نے کہا: اگر وہ گناہوں اور معصیتوں کا خالق ہے تو پھر ان کے ارتکاب پر مجھے عذاب کیوں دے گا؟

ابو اسحاق نے فرمایا: اگر گناہ کا صدور (اللہ تعالیٰ کی مشیت کے برخلاف) تمہاری مشیت سے ہے، تو پھر تمہاری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر غالب آ گئی، اور اللہ تعالیٰ کی مشیت تمہاری مشیت کے سامنے بے بس ہو گئی، تو کیا تم رب ہو اور وہ بندہ؟۔

عبد الجبار نے کہا: بتاؤ، اللہ تعالیٰ مجھے دعوت تو ہدایت کی دے لیکن اپنی مشیت سے میرے لئے فیصلہ گمراہی کا فرما دے، تو یہ اس کی میرے ساتھ بھلائی ہے یا بُرائی؟

ابو اسحاق نے فرمایا: جس ہدایت کو اس نے تجھ سے منع فرما دیا، اگر تو اس کا مالک ہے تو پھر یقیناً اس نے بُرا کیا، اور اگر اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اس کا عطا فرما دینا فضل ہے اور منع فرما دینا عدل ہے۔ اس پر عبد الجبار مبہوت اور لاجواب ہو گیا۔

تمام حاضرین عش عش کر اٹھے، اور کہنے لگے، واللہ! اس بات کا کوئی دوسرا جواب ممکن ہی نہیں۔

دوسری حکایت: ایک اعرابی، عمرو بن عبید کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا: میری گدھی چوری ہو گئی ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے لوٹا دے۔

عمرو بن عبید نے یوں دعا کی: اے اللہ! اس شخص کی گدھی چرالی گی ہے، اور اس کے چرائے جانے میں تیری مرضی اور چاہت شامل نہیں، لہٰذا یہ گدھی اس شخص کو واپس لوٹا دے۔

اعرابی نے کہا: اپنی یہ خبیث دعا بند کر دے، اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہی تھا کہ گدھی چوری نہ ہو، مگر پھر بھی چوری ہو گئی، تو پھر ہو سکتا ہے کہ اس کا ارادہ تو لوٹانے کا ہو، مگر وہ لوٹائی نہ جا سکے۔



۱۳. قوله: " الباعث الرسل إليهم لإقامة الحجة عليهم. "

ترجمہ: "لوگوں پر حجت قائم کرنے کیلئے، ان کی طرف رسول مبعوث فرمانے والا۔"

شرح

اللہ تعالیٰ کی بندوں پر سب سے بڑی نعمت

(۱) اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے، اپنے امر سے انہیں گمراہیوں کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت تک پہنچانے، اور اس طرح ان پر اپنی حجت قائم کرنے کیلئے انکی طرف رسول بھیج دیئے اور کتابیں نازل فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾

ترجمہ: "اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور ہر طاغوت کا انکار کرو" (النحل:۳۶)

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ (الانبیاء:۲۵)

ترجمہ: "اور آپ سے قبل ہم نے جس رسول کو مبعوث کیا اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے پس صرف اور صرف میری ہی عبادت کرو۔"

نیز فرمایا: ﴿ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾

ترجمہ: "ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر نہ رہ جائے" (النساء:۱۶۵)

نیز فرمایا: ﴿ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴾ (فاطر:۲۴)

ترجمہ: "اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو"

نیز فرمایا: ﴿ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ ﴾ (الزخرف:٦)

ترجمہ: ''اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے''

تمام رسولوں پر ایمان لانا واجب ہے

خواہ ان کا تذکرہ قرآن مجید میں ہو یا نہ ہو

(۲) رسولوں پر ایمان لانا اصول ایمان میں شامل ہے، اسی طرح ایمان بالکتب بھی ایمان کا ایک اصل ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ﴾ (البقرة:١٧٧)

ترجمہ: ''ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو''

نیز فرمایا: ﴿ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ﴾ (البقرة:٢٨٥)

ترجمہ: ''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے''

نیز فرمایا: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾ (النساء:١٣٦)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں''



ایمان لاؤ! جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اسکے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا“

حدیث جبریل جو خاصی معروف ہے کے مطابق، جب جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان کی بابت پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: [ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وبالقدر خیرہ وشرہ]

یعنی: [ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، اور روز آخرت پر اور تقدیر خواہ اچھی ہو یا بُری پر ایمان لاؤ]

یہ حدیث صحیح مسلم میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے موجود ہے۔

(۳) اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسولوں میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے اندر ذکر فرما دیا اور کچھ وہ ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ (المؤمن: ۷۸)

ترجمہ: ”یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے (قصے) تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے“

جن انبیاء کرام کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، ان کی مجموعی تعداد پچیس (۲۵) ہے، چنانچہ سورۃ الانعام کے اندر (۱۸) انبیاء کا ذکر ہے، فرمایا:

﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ . وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي

الْمُحْسِنِيْنَ . وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰي وَعِيسٰي وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ . وَاسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الانعام:۸۳تا۸۶)

ترجمہ: ''اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراهیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی، ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ بیشک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحٰق دیا اور یعقوب۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانے میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو، سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور نیز اسمٰعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی''

اور باقی انبیاء جن کا ذکر دیگر مقامات پر موجود ہے، یہ ہیں۔

محمد ﷺ، آدم، ھود، شعیب، صالح، ذوالکفل اور ادریس علیہم السلام

اس سلسلہ میں امرِ واجب یہ ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین، خواہ ان کا تذکرہ قرآن مجید میں ہو یا نہ ہو پر ایمان لایا جائے، جس نے کسی ایک نبی کو جھٹلا دیا اس نے تمام انبیاء کا انکار کر ڈالا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (الشعراء:۱۰۵)

ترجمہ: ''قومِ نوح نے بھی رسولوں کو جھٹلایا''

نیز فرمایا: ﴿ كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (الشعراء:۱۲۳)

ترجمہ: ''قومِ عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا''

نیز فرمایا: ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (الشعراء:۱۴۱)

ترجمہ: ''قومِ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا''

نیز فرمایا: ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ٍالْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (الشعراء:۱۶۰)

ترجمہ: ''قومِ لوط نے بھی نبیوں کو جھٹلایا''

نیز فرمایا: ﴿ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (الشعراء:۱۷۶)

ترجمہ: ''اَیکہ والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا''

اب حالانکہ ہر قوم نے صرف اپنے رسول کی تکذیب کی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف تمام رسولوں کی تکذیب کی نسبت فرمادی، اس میں نکتہ یہی ہے کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔

جو شخص ایک رسول پر ایمان لے آئے، مگر کسی دوسرے رسول کی تکذیب کردے تو وہ درحقیقت اس رسول کی بھی تکذیب کر رہا ہے جس پر وہ ایمان لانے کا دعویدار ہے۔

نبی اور رسول میں فرق

(۴) جہاں تک نبی اور رسول میں فرق کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں مشہور قول تو یہی ہے کہ نبی وہ ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہو لیکن وہ اس کی تبلیغ پر مامور نہ ہو، جبکہ رسول وہ ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہو اور وہ اس کی تبلیغ پر بھی مامور ہو۔ لیکن بعض دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اور رسول کے مابین یہ فرق صحیح نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (الزخرف:۶)

ترجمہ: ''اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے''

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْ اُمْنِيَّتِهِ ﴾ (الحج:۵۲)

ترجمہ: ''ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا''

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ہر نبی کی حقیقت باقاعدہ ایک مرسل اور مامور بالتبلیغ کی تھی۔

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ﴾ (المائدۃ:۴۴)

ترجمہ: ''ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے، یہودیوں میں اسی توراۃ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماننے والے انبیاء (علیہم السلام) اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے''

یہ آیتِ کریمہ بڑی صراحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اسرائیل کے انبیاء تھے وہ توراۃ ہی سے فیصلے فرمایا کرتے اور اسی کی طرف دعوت دیا کرتے تھے۔

بناء بریں رسول اور نبی کے مابین فرق کے حوالے سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ: رسول وہ ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہو اور کوئی کتاب اتاری گئی ہو، جبکہ نبی وہ ہے جو بذریعۂ وحی پچھلی رسالت کی تبلیغ پر مأمور کر دیا جائے۔ یہی فرق، ادلہ کے مطابق وموافق ہے۔ البتہ یہاں ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ بعض مرسلین کو اللہ تعالیٰ نے نبی بھی کہا اور رسول بھی۔

مثال کے طور پہ ہمارے پیارے پیغمبر محمد ﷺ کو ایک مقام پر رسول کہہ کر مخاطب فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ (المائدۃ:۶۷)

ترجمہ: ''اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے''

اور ایک مقام پر نبی کہا: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ﴾ (التحریم:۱)

ترجمہ: ''اے نبی! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام

کرتے ہیں؟ (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں"

اسی طرح ایک مقام پر موسیٰ علیہ السلام کو نبی اور رسول کہا:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴾ (مریم:۵۱)

ترجمہ: "اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر بھی کر، جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا"

اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴾

ترجمہ: "اس کتاب میں اسمٰعیل کا واقعہ بھی بیان کر، وہ بڑا ہی وعدہ کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی" (مریم:۵۴)

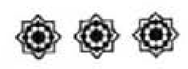
ہمارے پیغمبر جناب محمد ﷺ کو نبی اور رسول کہنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آغاز امر میں آپ پر وحی تو نازل ہوئی، مگر آپ ﷺ تبلیغ پر مامور نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے فرمان:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ . قُمْ فَأَنْذِرْ ﴾ (المدثر:۱،۲)

ترجمہ: "اے کپڑا اوڑھنے والے۔ کھڑا ہو جا اور آگاہ کردے"

کے ذریعہ تبلیغ دین پر مأمور فرمادیا۔ اسی لئے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ نافعہ "الاصول الثلاثۃ" میں فرمایا ہے: آپ ﷺ کو "اقرأ" کی وحی کے ذریعہ نبی اور "المدثر" کی وحی کے ذریعہ رسول بنایا گیا۔

اس تفصیل کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کچھ وقت تبلیغ دین پر مامور نہیں ہوتا (جیسے آغاز امر میں رسول اللہ ﷺ تبلیغ دین پر مأمور نہ تھے بعد میں تبلیغ کا حکم دیکر منصب رسالت پر فائز کردیئے گئے۔) یا کچھ عرصہ شریعتِ سابقہ کی تبلیغ پر مکلف و مامور ہوتا ہے۔



۱۴۔ "ثم ختم الرسالة والنذارة والنبوة بمحمد نبيه ﷺ، فجعله آخر المرسلين، بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله باذنه وسراجا منيرا، وأنزل عليه كتابه الحكيم، وشرح به دينه القويم، وهدى به الصراط المستقيم."

ترجمہ: "پھر اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ رسالت کا اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر اختتام فرمادیا، اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء ومرسلین میں سے سب سے آخر میں مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کو بشیر ونذیر بنایا، اپنے اذن سے اپنا داعی اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا، آپ ﷺ پر اپنی کتابِ حکیم (قرآن مجید) نازل فرمائی، اور آپ ﷺ کے ذریعے اپنے دینِ متین کی شرح وتفصیل فرمادی، نیز آپ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمادی۔"

شرح

ہمارے نبی محمد ﷺ کی رسالت کا بیان

اس آخری زمانہ میں تمام جن وانس پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے رسولِ کریم محمد ﷺ کی بعثت فرمادی، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خیر کے ہر راستے کی نشاندہی فرمادی اور انہیں شر کے ہر راستے سے متنبہ فرمادیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

ترجمہ: "بے شک مؤمنوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے" (آل عمران: ۱۶۴)



نیز فرمایا: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (سبا:۲۸)

ترجمہ: ''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبریاں سنانے والا اور دھمکا دینے والا بنا کر بھیجا ہے، ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے''

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں''

نیز فرمایا: ﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (المائدة:۱۹)

ترجمہ: ''اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آپہنچا ہے۔ جو تمہارے لئے صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی، برائی سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آپہنچا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا. يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴾ (الجن:۱،۲)

ترجمہ: ''(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لا چکے (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے''

نیز فرمایا: ﴿ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا أَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ. قَالُوْا يٰقَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا

أُنزِلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْ إِلَى الْحَقِّ وَإِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ . يٰقَوْمَنَا أَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ. وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ أَوْلِيَآءُ أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الاحقاف:۲۹تا۳۲)

ترجمہ: ”اور یاد کرو! جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے خاموش ہو جاؤ، پھر جب ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کیلئے واپس لوٹ گئے۔ کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین کی اور راہ راست کی طرف رہبری کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو! اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے گا۔ اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی اس کے مددگار ہونگے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں“

امتِ محمدیہ کی دو قسمیں ہیں: اُمتِ دعوت، اُمتِ اجابت

ہمارے نبی محمد ﷺ کی اُمت دو قسم کی ہے: ایک اُمتِ دعوت، دوسری: اُمتِ اجابت۔

اُمتِ دعوت کا اطلاق آپ ﷺ کی بعثت سے لیکر قیامِ قیامت تک آنے والے ہر جن وانس پر ہوتا ہے، (خواہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں۔) جبکہ اُمتِ اجابت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ حنیف میں داخل ہونے کی توفیق مرحمت فرمادی۔ گویا آپ ﷺ کی شریعت تمام جن وانس کیلئے ایک ضروری اور لازمی امر ہے اور تمام جن وانس بلا استثناء اسی شریعتِ مطہرہ کے مخاطب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

[والذی نفس محمد بیده لایسمع به احد من هذه الامة یهودی ولانصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار] (صحیح مسلم:۲۴۰)

یعنی: مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس امت کا کوئی یہودی یا عیسائی میری دعوت کو سنے پھر وہ میری شریعت پر ایمان لائے بغیر ہی مرگیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

پس ہمارے نبی محمد ﷺ کی بعثت کے بعد، یہود ونصاریٰ کا یہ دعویٰ یا زعم کہ وہ موسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کے امتی یا پیروکار ہیں قطعی کفایت نہیں کرے گا، بلکہ ان سب کیلئے انتہائی ضروری اور متعین امر یہ ہے کہ وہ ہمارے نبی محمد ﷺ پر ایمان لائیں۔ آپ ﷺ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کردیا ہے اور آپ ﷺ پر بعثتِ انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ (الاحزاب:۴۰)

ترجمہ: ''(لوگو!) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (ﷺ) نہیں لیکن آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے''

مؤلف رحمہ اللہ کے فرمان: '' آپ ﷺ پر اپنی کتاب حکیم (قرآن مجید) نازل فرمائی، اور آپ ﷺ کے ذریعے اپنے دینِ متین کی شرح وتفصیل فرمادی''

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ (المائدۃ:۴۸)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے''

یہ آیتِ کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآنِ مجید سابقہ تمام کتب کا مہیمن ومحافظ ہے، جبکہ دوسری آیت سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت قرآنِ مجید کی شرح وتوضیح کرتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ﴾

ترجمہ: ”یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں شاید کہ وہ غور کریں“ (النحل:۴۴)

کتاب وسنت میں وارد تمام احکام پر عمل ضروری ہے، جس شخص نے سنت کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی فرضیت کا قرآنِ پاک میں اعلان فرمادیا، جبکہ ان احکام کی، نیز دیگر تمام احکام کی جزئیات وتفصیلات رسول اللہ ﷺ کی سنت سے حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت نے ان نمازوں کے اوقات، تعدادِ رکعات اور اول سے آخر تک ادائیگیِ نماز کا طریقہ بیان کیا، اور پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دے دیا: [صلوا کما رأیتمونی اصلی] (صحیح بخاری:۶۳۱)

یعنی: تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو بالکل اسی طرح پڑھو۔

اسی طرح قرآنِ حکیم نے ادائیگیِ زکوٰۃ کا حکم دیا، اور رسول اللہ ﷺ کی سنت نے وجوبِ زکوٰۃ کے شرائط نیز نصابِ زکوٰۃ بتلا دیا۔

اسی طرح قرآنِ حکیم نے روزہ کا حکم دیا، اور سنتِ رسول ﷺ نے روزے کے جملہ احکام ومفطرات بیان کیئے۔

اسی طرح قرآن نے حج بیت اللہ کا حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت سے حج کا مکمل طریقہ واضح کر دیا اور یہ فرمادیا: [لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا أحج بعد حجتی هذه] (صحیح مسلم:۱۲۹۷)

یعنی: تم مجھ سے طریقۂ حج لے لو، شاید اس حج کے بعد میں کبھی حج نہ کر سکوں۔

مؤلف رحمہ اللہ کے قول: ”آپ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمادی۔“

کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

ترجمہ: ''آپ ﷺ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں''

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ وَاِنَّکَ لَتَدْعُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾

ترجمہ: ''یقیناً آپ تو انہیں راہ راست کی طرف بلا رہے ہیں'' (المومنون:۷۳)

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ: ''اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پہ چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

ثابت ہوا کہ ہدایت کا راستہ صرف نبی ﷺ کی اتباع پر موقوف و منحصر ہے، اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی عبادت کا صرف وہی طریقہ مقبول و معتبر ہے جو نبی ﷺ نے من جانب اللہ بیان فرمادیا، اللہ تعالیٰ سے ملانے والا راستہ بھی نبی ﷺ کی اتباع پر موقوف و قائم ہے۔

صراط مستقیم کی ہدایت ایک ایسی نعمت ہے کہ ایک مسلمان کو کھانے پینے سے زیادہ اس کی ضرورت ہے؛ کیونکہ کھانا پینا تو محض دنیوی زندگی کی طلب ہے، جبکہ صراط مستقیم، دارِ آخرت کا زادِ راہ ہے؛ یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ جس کی ہر نماز خواہ وہ فرض ہو یا نفل، کی ہر رکعت میں قرأت فرض قرار دی گئی ہے، میں صراط مستقیم کی ہدایت کی دُعا وارد ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ . صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴾ (الفاتحہ:۵تا۷)

ترجمہ: ''ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔ ان کی نہیں

جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔"

ایک مسلمان بالاستمرار اور بالتکرار یہ دعا مانگتا ہے، تا کہ پروردگار اسے انعام یافتہ بندوں: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ پر فائز فرمادے، نیز انہیں ان لوگوں کی راہ سے بچالے جو مستحق غضب اور معتوبِ ضلالت ہیں، اس سے مراد یہود و نصاریٰ اور دیگر دشمنانِ دین ہیں۔

نبی ﷺ کے جن وانس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے سے مراد، ان کی طرف وہ نور منتقل کرنا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ذکر فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ (الاحزاب:۴۵،۴۶)

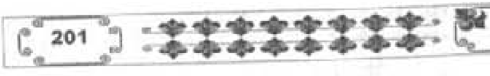
ترجمہ: "ہم نے آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ"

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو سراجِ منیر کے وصف سے متصف فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ بندوں کیلئے اس راستے کو روشن اور منور فرماتے ہیں جو اللہ رب العزت کی طرف جاتا ہے، اسی معنیٰ میں ایک آیت میں قرآنِ حکیم کو بھی نور کہا گیا ہے: ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ﴾ (التغابن:۸)

ترجمہ: "سوتم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ"

قرآن کے نور ہونے سے مراد بھی یہی ہے کہ وہ صراطِ مستقیم کو منور کر کے طریقِ ہدایت واضح کر دیتا ہے۔





قیامت پر ایمان

۱۵۔ قولہ" وان الساعۃ اتیۃ لاریب فیھا وان اللہ یبعث من یموت کما بدأھم یعودون ۔"

ترجمہ: "اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ تمام مُردوں کو اٹھائے گا، جیسے انہیں پیدا کیا تھا، ویسے ہی دوبارہ بن جائیں گے۔"

شرح

(قیامت کے سلسلہ میں چند قواعد کی معرفت ضروری ہے)

(۱) قیامت کے قائم ہونے کا علم صرف اللہ عزوجل کے پاس ہے۔ صحیح بخاری: (۴۶۹۷) میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے: [غیب کی پانچ چابیاں ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے] اس حدیث کے آخر میں فرمایا: [ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ] یعنی: قیامت کب قائم ہوگی، اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے جب قیامت کے وقوع کی بابت پوچھا جاتا تو آپ ﷺ اس کی نشانیاں بیان فرماتے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کس سال، کس مہینہ اور مہینے کے کس دن قائم ہوگی، البتہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: [خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ ؛فیہ خلق آدم ، وفیہ ادخل الجنۃ ، وفیہ اخرج منھا، ولاتقوم الساعۃ الا فی یوم الجمعۃ] (صحیح مسلم:۸۵۴)

یعنی: دنیا کا سب سے بہترین دن جمعہ کا دن ہے؛ کیونکہ اس دن آدم علیہ السلام کو خلق کیا گیا، اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا، اور اسی دن نکالا گیا، اور قیامت بھی جمعہ کے دن قائم ہوگی۔

(۲) "الساعۃ" یعنی قیامت کے لفظ کا اطلاق اس موت پر ہوتا ہے جو صور میں پھونک کے

وقت زندہ لوگوں کو حاصل ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[لا تقوم الساعة الا علی شرار الناس] (صحیح مسلم:۲۹۴۹)

یعنی: قیامت تو بدبخت ترین لوگوں پر قائم ہوگی۔

البتہ جو لوگ نفخ صور سے قبل موت کا شکار ہو چکے ہیں ان کی قیامت اسی وقت (یعنی ان کی موت کے وقت) ہی قائم ہو جاتی ہے اور وہ دار العمل سے دار الجزاء کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ''السـاعة'' یعنی قیامت سے مراد بعث بعد الموت (مرنے کے بعد اٹھنا) بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کے بارے میں فرمایا:

﴿ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ (غافر:۴۶)

ترجمہ: ''آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو''

نیز فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ﴾

ترجمہ: ''کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت قائم ہونے کی نہیں، آپ (ﷺ) کہہ دیجئے! کہ مجھے میرے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی'' (سبا:۳)

کفار کا یہ کہنا کہ ہم پر قیامت قائم نہیں ہوگی، در حقیقت بعث بعد الموت کا انکار ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴾ (التغابن:۷)

ترجمہ: ان کافروں کا خیال ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیئے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے''

(ثابت ہوا کہ ''الساعة'' کا اطلاق موت اور بعث بعد الموت دونوں پر ہوتا ہے۔)

(۳) قیامت لامحالہ آنے والی ہے، اور اللہ رب العزت تمام مرے ہوؤں کو ان کی پہلی خلقت کے مطابق ضرور اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ (غافر:۵۹)

ترجمہ: ''قیامت بالیقین اور بلاشبہ آنے والی ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے''

نیز فرمایا: ﴿ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ﴾ (الکھف:۲۱)

ترجمہ: ''ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں''

نیز فرمایا: ﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ﴾ (الحج:۶،۷)

ترجمہ: ''یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے۔ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا''

یہ آیت کریمہ قبر میں دفن تمام مُردوں کے اٹھائے جانے پر نص ہے، قبر کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ عام طور پر فوت شدہ کو قبر ہی میں دفن کیا جاتا ہے، جب کہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ بعث یعنی اٹھنا ہر مردہ کیلئے ہے، خواہ وہ قبر میں دفن ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔[۱]

[۱] شارح حفظہ اللہ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ عام طور پہ اس گڑھے کو کہ جسے کھود کر میت کو دفن کیا جاتا ہے قبر کہا جاتا ہے، جبکہ اصل یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان جہاں بھی ہو وہی اس کی قبر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق ہر شخص کے بارے میں فرمایا: ﴿ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴾ (عبس:۲۱) یعنی: پھر اللہ تعالیٰ انسان کو موت دیتا ہے اور قبر دیتا ہے۔ حالانکہ ہر شخص کو زمین میں کھودا گیا گڑھا نصیب نہیں ہوتا، کئی لوگ جل جاتے ہیں یا پانی میں ڈوب جاتے ہیں وغیرہ، تو وہ مر کر جس جگہ بھی ہوں گے وہی جگہ اُن کی قبر کہلائے گی۔ (واللہ اعلم) مترجم۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل:۳۸)

ترجمہ: ''وہ لوگ بڑی سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ مُردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ نہ کرے گا۔ کیوں نہیں ضرور زندہ کرے گا یہ تو اس کا برحق لازمی وعدہ ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں''

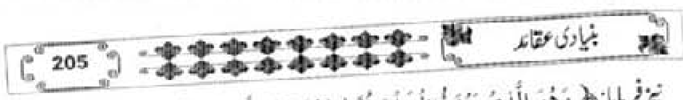
مؤلف رحمہ اللہ کی عبارت ''کہ اللہ تعالیٰ تمام مُردوں کو اٹھائے گا'' میں عموم ہے، یعنی یہ ہر مُردہ کو شامل ہے خواہ وہ قبر میں دفن ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور شاید اسی عموم اور شمول کی وجہ سے مؤلف رحمہ اللہ نے یہ تعبیر اختیار فرمائی ہو۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں بہت سے مقامات پر قیامت کے روز تمام بندوں کے اٹھائے جانے کا ذکر فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے عام طور پہ اس کے اثبات وتقریر کیلئے تین چیزیں بطورِ دلیل ذکر فرمائی ہیں:

اولاً: اللہ تعالیٰ نے بطورِ استدلال یہ ذکر فرمایا کہ ان انسانوں کو ہم ہی نے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا (یعنی انہیں عدم سے حیاتِ دنیوی کی طرف منتقل کیا) چنانچہ فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ . وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ . قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ﴾ (یٰس:۷۷تا۷۹)

ترجمہ: ''کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکایک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔ اور اس نے ہمارے لئے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرسکتا ہے؟ آپ جواب دیجئے! کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے، جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے''



نیز فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴾ (روم:۲۷)

ترجمہ: ''وہی جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا حکمت والا ہے''

نیز فرمایا: ﴿ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ ﴾ (الحج:۵)

ترجمہ: ''لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے تو سوچو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خونِ بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا''

نیز فرمایا: ﴿ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴾ (الانبیاء:۱۰۴)

ترجمہ: ''جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں، جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے''

نیز فرمایا: ﴿ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴾ (ق:۱۵)

ترجمہ: ''کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں''

نیز فرمایا: ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی . اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی . ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی . فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی . اَلَیْسَ ذٰلِکَ

بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ﴾ (القیامۃ:۳۶تا۴۰)

ترجمہ: ''کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا؟۔ پھر وہ لہو کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنایا۔ پھر اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے۔ کیا (اللہ تعالیٰ) اس (امر) پر قادر نہیں کہ مُردے کو زندہ کر دے۔''

ثانیاً: اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کیلئے مردہ اور بنجر زمین کو زندہ اور شاداب کر دینے سے استدلال فرمایا چنانچہ ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَتَرَی الْاَرْضَ ھَامِدَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ کُلِّ زَوْجٍ م بَھِیْجٍ ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ وَّاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴾ (الحج:۵تا۷)

ترجمہ ''تو دیکھتا ہے کہ زمین (بنجر اور) خشک ہے پھر جب ہم اس پر بارشیں برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مُردوں کو جلاتا ہے اور وہ ہر ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا''

نیز فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

ترجمہ ''اس (اللہ تعالیٰ) کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے۔ جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر (ہر) چیز پر قادر ہے'' (فصلت:۳۹)

نیز فرمایا: ﴿ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَکَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ﴾ (الروم:۱۹)

ترجمہ ''(وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔اسی طرح تم (بھی) نکالے جاؤ گے''

نیز فرمایا: ﴿ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً م بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴾ (زخرف:11)

ترجمہ ''اسی نے آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی نازل فرمایا، پس ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔اسی طرح تم نکالے جاؤ گے''

نیز فرمایا: ﴿ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ. وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ. رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴾ (ق:9،11)

ترجمہ ''اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے۔اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔بندوں کی روزی کیلئے ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہے''

نیز فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (الاعراف:57)

ترجمہ ''اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں، تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔یونہی ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو''

نیز فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهٖ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴾ (الفاطر:۹)

ترجمہ" اور اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا (بھی) ہے"

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے بطور استدلال یہ ذکر فرمایا کہ ہم آسمانوں اور زمینوں کے خالق ہیں جو خلق انسان سے کہیں بڑی نشانی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (المؤمن:۵۷)

ترجمہ" آسمان و زمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) اکثر لوگ بے علم ہیں"

نیز فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (الاحقاف:۳۳)

ترجمہ" کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور انکے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا، وہ یقیناً مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے؟ کیوں نہ ہو؟ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے"

نیز فرمایا: ﴿ اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴾ (یٰس:۸۱)

ترجمہ" جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بے شک قادر ہے۔ اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا (بینا) ہے"

نیز فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴾ (بنی اسرائیل:۹۹)

ترجمہ ''کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پورا قادر ہے، اسی نے ان کیلئے ایک ایسا وقت مقرر کر رکھا ہے جو شک شبہ سے یکسر خالی ہے، لیکن ظالم لوگ انکار کیے بغیر رہتے ہی نہیں''

نیز فرمایا: ﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاۗءُ بَنٰهَا ﴾ (نازعات:۲۷)

ترجمہ ''کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا''

(۵) قیامت کے دن بندوں کا اٹھایا جانا ان کے دنیوی جسموں کے ساتھ ہوگا، تاکہ وہ جسم اپنی اپنی روحوں کے ساتھ مل جائیں، اور پھر ثواب یا عذاب دونوں میں سے جس کے مستحق ہوں اسے پالیں۔ یہ جسم نئے نہیں ہونگے کہ جو دنیا میں پہلے موجود نہیں تھے۔

کفار کی وجہ انکار بھی تو یہی امر تھا کہ انہوں نے دنیوی اجسام کے اعادہ کو ناممکن ومحال سمجھا، اور پھر انکار کر دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ. ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ. قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴾ (ق:۲تا۴)

ترجمہ: ''بلکہ انہیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب چیز ہے۔ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے۔ پھر یہ واپسی دور (از عقل) ہے۔ زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے''

یہاں اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے یہ نکتہ سمجھا دیا کہ وہ ان کے جسموں کے ذرات میں سے ہر اس ذرہ کو جانتا ہے جسے زمین کھا جاتی ہے۔ لہذا وہ بعث کے وقت ان ذرات کو ان کے جسموں میں لوٹا کر اس مکمل جسم کے ساتھ اٹھائے گا جو دنیا میں اسے حاصل تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴾

ترجمہ: ''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا، کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا'' (البقرۃ:۲۶۰)

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے علماءِ سلف کی ایک جماعت کے حوالے سے فرمایا ہے: کہ ابراہیم علیہ السلام نے چاروں پرندوں کے گوشت کا قیمہ کر کے اُسے آپس میں خلط ملط کر دیا، پھر ہر پہاڑ کی چوٹی پر اس کا کچھ حصہ رکھ دیا، پھر ان پرندوں کو آواز دی، چنانچہ ہر پرندے کے اجزاء فوراً جمع ہو گئے اور ہر پرندہ اپنے پہلے جسم پر مکمل طور پہ لوٹ آیا، اور بھاگتا ہوا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گیا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ. حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ. وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ. وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ

ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدٰكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (حم السجدۃ:۱۹تا۲۳)

ترجمہ ''اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اور ان (سب) کو جمع کردیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اور انکی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی، وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم (اپنی بداعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی، ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے۔ تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمہیں ہلاک کردیا اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے''

یہ آیاتِ مبارکہ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ قیامت کے دن دنیا کے جسموں کو ہی لوٹایا جائے گا تب ہی تو ان کے کان، آنکھیں اور چمڑے ان کی نافرمانیوں کی گواہی دینگے۔

انہی آیات کے مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (یٰس:۶۵)

ترجمہ: ''ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہریں لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دینگے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (النور:۲۴)

ترجمہ: ''جب کہ ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی



گواہی دینگے"

اس حقیقت کے اثبات پر رسول اللہ ﷺ کی سنت سے بھی دلیل موجود ہے، چنانچہ اس شخص کا قصہ قابلِ غور ہے جس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو اس کے جسم کو جلا دیں، اور کچھ راکھ خشکی کی ہواؤں میں منتشر کردیں اور کچھ راکھ سمندر میں بہادیں۔ بیٹوں نے اس وصیت کو نافذ کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ اس کے جسم کی راکھ کا ایک ایک ذرہ باہر نکال دے اور خشکی کو بھی حکم دیا کہ اس کی راکھ کا ایک ایک ذرہ باہر نکال دے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جسم جیسا تھا ویسا بنادیا............(الحدیث)

(صحیح بخاری:۷۵۰۶، صحیح مسلم:۲۷۵۶، بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ)

صغیرہ اور کبیرہ گناہ

وسائلِ بخشش

١٦۔ قوله : وان الله سبحانه وتعالیٰ ضاعف لعباده المؤمنين الحسنات، وصفح لهم بالتوبة عن كبائر السيئات، وغفر لهم الصغائر باجتناب الكبائر، وجعل من لم يتب من الكبائر صائرا إلى مشيئته ﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾

ترجمہ:اور بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مؤمن اور موحد بندوں کی نیکیوں کو خوب بڑھا دیتا ہے، اور ان کی توبہ کے بہ سبب ان کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، اور بڑے گناہوں سے اجتناب کی برکت سے ان کے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرما دیتا ہے، اور اگر کوئی موحد بندہ اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ نہ کر پایا ہو تو اس کا معاملہ اپنی مشیت کے تحت فرما لیتا ہے۔﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾

ترجمہ:" اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرما دے" (النساء:٤٨)

شرح

(یہاں چند امور غور طلب ہیں)

(۱) اللہ رب العزت اپنے بندوں کی نیکیوں کا اجر و ثواب خوب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور یہ اس کا عین فضل ہے۔ جبکہ گناہ کی جزاء، اس کے برابر (یعنی ایک ہی) عطا فرماتا ہے، اور یہ اس کا عین عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ (الانعام:۱۶۰)

ترجمہ: ”جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گنا ملیں گے اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا“

نیز فرمایا: ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ. وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: ”جو شخص نیک عمل لائے گا اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہونگے۔ اور جو برائی لیکر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ صرف وہی بدلہ دیے جاؤ گے جو تم کرتے رہے“ (النمل:۸۹،۹۰)

نیز فرمایا: ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (القصص:۸۴)

ترجمہ: ”جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا اور جو کوئی برائی لیکر آئے گا تو ایسے بد اعمالی کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے“

نیز فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: ”جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے“ (البقرۃ:۲۶۱)

نیز فرمایا: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ﴾

ترجمہ: ”ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے پس اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر

عطا فرمائے" (البقرة:۲۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

[كل عمل ابن آدم يضاعف ، الحسنة بعشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف، قال الله عز وجل : الا الصوم فإنه لي وأنا اجزى به ...... الحديث]

ترجمہ:[ابن آدم کے ہر عمل کے اجر وثواب کو خوب بڑھا دیا جاتا ہے، چنانچہ ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: روزہ کے علاوہ، کہ وہ تو میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دونگا۔ (اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح (۱۱۵۱) میں بروایت ابوھریرۃ ﷺ نقل فرمایا ہے)

صحیح بخاری (۶۴۹۱) اور صحیح مسلم (۱۳۱) میں ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما ،عن النبي ﷺ فيما يرويه عن ربه عز وجل قال: [ان الله كتب الحسنات والسيئات ، ثم بين ذلك ، فمن هم بحسنة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة ، فان هو هم بها فعملها كتبها الله له عنده عشر حسنات إلى سبعمائة ضعف إلى أضعاف كثيرة، ومن هم بسيئة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة ، فإن هو هم بها فعملها كتبها الله له سيئة واحدة]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، جو نبی ﷺ اپنے رب سے روایت فرماتے ہیں: فرمایا:[بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور گناہوں کو لکھنے کا ایک نظام بیان فرمایا ہے، جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا لیکن وہ نیکی نہ کرسکا، تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اپنے پاس ایک مکمل نیکی کا ثواب لکھ لیتا ہے، اور اگر وہ کسی نیکی کا ارادہ کرلے پھر وہ نیک عمل انجام دے دے، تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اپنے پاس دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ کئی

گنا تک بڑھا کر لکھ لیتا ہے، اور جو بندہ کسی بُرائی کا ارادہ کرے، لیکن وہ بُرائی نہ کر سکا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اپنے پاس ایک مکمل نیکی لکھ لیتا ہے، اور اگر برائی کا ارادہ کرکے اسے اپنا بھی لیا تو اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی بُرائی لکھتا ہے]

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے، کہ جو بندہ باقاعدگی سے نیک اعمال اختیار کیئے رہتا ہے، پھر کسی مرض یا سفر کی وجہ سے وہ عمل چھوٹ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرض اور سفر کی حالت میں (عمل چھوٹ جانے کے باوجود) اسے اتنا ہی اجروثواب عطا فرمادیتا ہے جتنا بحالتِ صحت واقامت، اس عمل کی انجام دہی پر عطا فرمایا کرتا تھا۔

چنانچہ صحیح بخاری (۲۹۹۶) میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اذا مرض العبد او سافر كتب له مثل ما كان يعمل مقيما صحيحا]

یعنی: [جب بندہ بیمار پڑجائے یا کسی سفر پر روانہ ہوجائے تو اس کیلئے (معمول کے عمل میں ناغہ کے باوجود) وہ مکمل ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو مقیم یا صحت مند ہونے کی حالت میں ملا کرتا تھا]

(۲) صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں فرق:

کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کے ارتکاب پر شرعی حد کی تعزیر ہو، یا لعنت، یا غضب، یا جہنم، یا بربادیٔ عمل کی وعید ہو۔ جبکہ صغیرہ گناہ وہ ہیں جو اس تعزیر یا وعید سے خالی ہوں۔

کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (الزمر:۵۳)

ترجمہ: ''(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے''

نیز فرمایا: ﴿ وَالَّذِیْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَافَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کیلئے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی بُرے کام پر اڑ نہیں جاتے'' (آل عمران:۱۳۵)

نیز فرمایا: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ﴾ (التحریم:۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں''

سچی اور خالص توبہ کی تین شرائط ہیں:

الف : جس گناہ سے توبہ مقصود ہو اسے عملی طور پر چھوڑ دے اور مکمل کنارہ کشی اختیار کرلے۔

ب : اس گناہ پر شرمندہ اور نادم ہو۔

ج : اس گناہ کو آئندہ کبھی نہ کرنے کا پختہ عزم کرلے۔

اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو ایک چوتھی شرط عائد ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ ان حقوق کے تعلق سے اپنا دامن صاف کرالے، جس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی کی مال کے تعلق سے حق تلفی کی ہے تو وہ مال اسے لوٹا دے، اور اگر غیبت یا بہتان طرازی کے ذریعہ کسی بھائی کو درپے آزار کیا ہے تو اس سے معافی طلب کرلے، وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتُوْبُوْا إِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ'' (النور:۳۱)

نیز فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّاقَدْ سَلَفَ ﴾ (الانفال:۳۸)

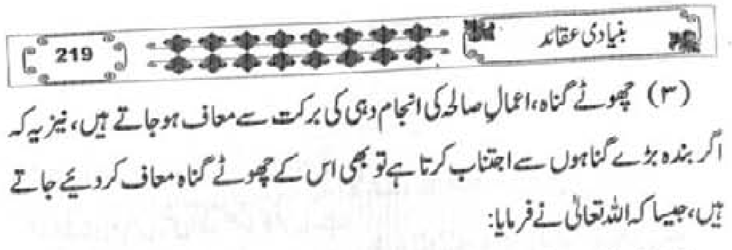
ترجمہ: ''آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے! کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیئے جائیں گے''

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ کفر جو سب سے بڑا گناہ ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ توبہ کر لینے اور اسے یکسر چھوڑ دینے سے معاف فرما دیتا ہے، تو بقیہ تمام گناہ تو کفر سے کہیں چھوٹے ہیں، اگر ان سے سچی توبہ کر لی جائے تو وہ کہیں زیادہ بخشش کے لائق ہیں۔

وہ کبیرہ گناہ جس پر دنیا میں اقامتِ حد کی تعزیر لاگو ہوتی ہے، اگر اس کے مرتکب شخص پر وہ حد قائم کر دی جائے تو وہ اس کا کفارہ بن جاتی ہے؛ کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حدود اس نقص کو پورا کر دیتی ہیں جو گناہ کے ارتکاب سے واقع ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ حدود کی اقامت میں مرتکب گناہ کے ساتھ ساتھ، دوسرے لوگوں کیلئے بھی زجر وتوبیخ اور تنبیہ کا پہلو ہوتا ہے۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد صحابہ کرام کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرو گے، نہ چوری کرو گے، نہ زنا کرو گے، نہ اپنے بچوں کو قتل کرو گے، نہ جانتے بوجھتے الزام تراشی اور بہتان طرازی کرو گے، اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں نافرمانی کرو گے، جس نے ان تمام امور کے تعلق سے وفا کی اس کا اللہ تعالیٰ پر اجر ثابت ہو جائے گا اور جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا اور اسے دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ سزا اس کیلئے کفارہ بن جائے گی، اور جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس گناہ پر پردہ ڈال دیا، تو وہ گناہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے تحت ہے، چاہے تو معاف فرما دے، اور چاہے سزا دے دے۔] چنانچہ ہم نے ان تمام امور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح (ص: ۱۸) اور مسلم نے اپنی صحیح (۱۷۰۹) میں روایت فرمایا ہے)



(۳) چھوٹے گناہ، اعمالِ صالحہ کی انجام دہی کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں، نیز یہ کہ اگر بندہ بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا ہے تو بھی اس کے چھوٹے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيْمًا ﴾ (النساء:۳۱)

ترجمہ: ''اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کردینگے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کرینگے''

امام مسلم نے اپنی صحیح (۲۲۸) میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

[ما من امرئ مسلم تحضره صلاة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعها وركوعها إلا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة، وذلك الدهر كله]

ترجمہ: [جس مسلمان آدمی پر فرض نماز کا وقت آجائے، اور وہ اچھے طریقے سے وضو کرے اور نماز کے خشوع اور رکوع وسجود کی مکمل حفاظت کرے تو وہ نماز اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، بشرطیکہ اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو، اور یہ سلسلہ عمر بھر قائم رہتا ہے]

صحیح مسلم (۲۳۳) ہی میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[الصلوات الخمس، والجمعة الى الجمعة، ورمضان الى رمضان، مكفرات ما بينهن اذا اجتنبت الكبائر]

[پانچوں نمازیں، اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک، اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، بیچ کے گناہوں کا کفارہ ہیں، بشرطیکہ بڑے گناہوں سے اجتناب کرلیا جائے]

صغیرہ گناہوں کا معاملہ بوجہِ اصرار انتہائی خوفناک اور بھیانک ہو جاتا ہے، جبکہ کبیرہ گناہ پر ندامت وپشیمانی اسے ماند کردیتی بلکہ مٹا دیتی ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

"لا صغيرة مع الاصرار ولا كبيرة مع الاستغفار"

یعنی:"چھوٹا گناہ اگر بار بار کیا جائے تو وہ چھوٹا نہیں رہتا، اور بڑے گناہ سے اگر توبہ کرلی جائے تو وہ مٹ جاتا ہے"

(۴) بندۂ مسلم اگر کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کرے اور توبہ کرنے سے قبل موت کا شکار ہو جائے تو (بوجہِ حسنِ عقیدہ) اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد ہے چاہے تو عذاب میں مبتلا کردے، اور چاہے معاف کردے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ (النساء:۴۸)

ترجمہ:"بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرک کوتو معاف نہیں فرماتا، اس کے علاوہ جسے چاہے معاف فرمادے اور جس نے شرک کیا اس نے بڑا جھوٹ باندھا"

نیز فرمایا:﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾

ترجمہ:"بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرک کوتو معاف نہیں فرماتا، اس کے علاوہ جسے چاہے معاف فرمادے اور جس نے شرک کیا وہ پرلے درجہ کا گمراہ ہو گیا"

عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں یہ بیان ہو چکا: [...جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس گناہ پر پردہ ڈال دیا، تو وہ گناہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے تحت ہے، چاہے تو معاف فرمادے، اور چاہے سزا دے دے۔]

نافرمان مسلمانوں کا انجام

۱۷۔ قولہ: "ومن عاقبه الله بناره أخرجه منها بايمانه فأدخله به جنته ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ ويخرج منها بشفاعة النبي ﷺ من شفع له من اهل الكبائر من امته"

ترجمہ: "اور جس (مسلمان) کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کی سزا دے گا اسے جہنم سے بوجہ اس کے ایمان، نکال دے گا، پھر ایمان کی برکت سے جنت میں داخل کر دے گا: "پس جس نے ایک ذرہ کے بقدر نیکی کی وہ اسے ضرور دیکھے گا" اللہ تعالیٰ جہنم سے نبی ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت کے بہت سے اہلِ کبائر کو، جس جس کی آپ ﷺ شفاعت کریں گے، نکال دے گا۔"

شرح

جس شخص نے کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو، پھر وہ سچی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا، لیکن جو شخص گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد، توبہ کیئے بغیر مر گیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو معاف فرما دے اور چاہے مبتلائے عذاب کر دے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے" (النساء:۴۸)

جہنم میں داخل ہونے والے لوگ دو قسم کے ہونگے:

(۱) ایک کفار، یہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے باہر آنے کی کوئی سبیل نہیں ہوگی، جیسا کہ

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

۱ ﴿ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴾ (المائدۃ:۷۲)

ترجمہ: ''یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا''

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرما دے'' (النساء:۴۸)

(۲) دوسری قسم نافرمان مسلمانوں کی ہے، یہ لوگ جب جہنم میں داخل ہونگے تو اپنے جرم کے بقدر عذاب جھیلیں گے۔ پھر اپنے ایمان اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کی برکت سے جہنم سے نکل آئیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو جنت میں، اور اہلِ جہنم کو جہنم میں داخل فرمائے گا، پھر کہے گا: دیکھو، جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لو، چنانچہ بہت سے جہنمیوں کو جبکہ وہ کوئلہ ہو چکے ہونگے، جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ پھر وہ نہر الحیاۃ یا نہر الحیا میں ڈال دیے جائیں گے، اس میں وہ اس طرح پروان چڑھیں گے جیسے دانہ نہر کے جاری پانی کے کنارے اُگتا اور نشو نما پاتا ہے، تم دیکھتے نہیں وہ کس طرح زرد رنگ، بل کھائے نکلتا ہے۔]

(اس حدیث کو بخاری (۲۲) اور مسلم (۳۰۴) نے بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے)

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

[لكل نبي دعوة مستجابة، فتعجل كل نبي دعوته، واني اختبأت دعوتي

شفاعة لأمتي يوم القيامة، فهي نائلة إن شاء الله من مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا]

ترجمہ: [ہر نبی کو ایک دعاءِ مستجاب عطا فرمائی گئی ہے، ہر نبی نے اپنی وہ دعاءِ مستجاب دنیا ہی میں طلب کر لی، میں نے اپنی وہ دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کیلئے چھپا رکھی ہے، میری شفاعت میری امت کے اس فرد کو حاصل ہوگی جو اس طرح مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا] (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح (۶۳۰۴) اور امام مسلم نے اپنی صحیح (۳۳۸) میں بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے)

نافرمانوں کے جہنم سے خروج کیلئے شفاعت کی احادیث درجۂ تواتر تک پہنچتی ہیں۔

واضح ہو کہ شرعی نصوص میں بعض مسلمان نافرمانوں کیلئے ہمیشہ جہنم میں رہنا مذکور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴾ (النساء:۹۳)

ترجمہ: "جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے"

اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے:

ترجمہ: [جس شخص نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اور یوں ہی اونچائی سے گرتا رہے گا، اور جس شخص نے زہر پی کر خودکشی کی، وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کے وہ گھونٹ بھرتا رہے گا اور جس نے لوہے کے تیز دھار آلہ سے خودکشی کی، اس کے ہاتھ میں وہی تیز دھار آلہ تھما دیا جائے گا اور وہ جہنم کی

آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس آلے کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا]

((اس حدیث کو بخاری (۵۷۷۸) اور مسلم (۱۷۵) نے بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے)

واضح ہو کہ ان دونوں نصوص اور اس قسم کے دیگر نصوص میں (بعض نافرمانوں کیلئے) ذکر کردہ ہیشگی، نسبی ہیشگی کہلاتی ہے، جس سے مراد لمبا عرصہ جہنم میں رہنا ہے، اس سے مراد وہ خلود یا ہیشگی نہیں ہے جو کفار کے حق میں مذکور ہے۔ یعنی کفار جہنم میں اتنا عرصہ رہیں گے، جس کی کوئی نہایت نہیں ہوگی۔ (نافرمان مسلمانوں کیلئے جہنم کی ہیشگی اس لئے نہیں ہے کہ) شرک کے علاوہ ہر گناہ کی بخشش اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے'' (النساء:۴۸)



جنت اور جہنم

۱۸. قوله :" وأن الله سبحانه قد خلق الجنة فأعدها دار خلود لأوليائه وأكرمهم فيها بالنظر إلى وجهه الكريم ، وهي التي أهبط منها آدم نبيه وخليفته إلى أرضه بماسبق في سابق علمه ، وخلق النار فأعدها دار خلود لمن كفر به وألحد في آياته وكتبه ورسله وجعلهم محجوبين عن رؤيته ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمادیا ہے، اور اسے اپنے دوستوں کے رہنے کیلئے ہمیشہ کا گھر قرار دے دیا ہے، اس گھر میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے بابرکت چہرے کے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ یہ جنت وہی گھر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور خلیفہ آدم علیہ السلام کو اتار کر زمین پر بھیج دیا تھا، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں یہ بات موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی پیدا فرما چکا ہے، اور اسے کفر کرنے والوں اور اپنی آیتوں، کتابوں اور رسولوں میں الحاد پیدا کرنے والوں کا ہمیشہ کا ٹھکانہ قرار دے چکا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔"

شرح

(جنت اور جہنم کے سلسلہ میں یہاں بہت سی باتیں بیان ہوئی ہیں:)

(۱) جنت اور جہنم دونوں پیدا کی جا چکی ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ جنت اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا گھر ہے جبکہ جہنم دشمنوں کا۔

چند آیات پیشِ خدمت ہیں جن میں یہ بات مذکور ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا گھر ہے:

﴿ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

أَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾ (التوبۃ:١٠٠)

ترجمہ: ”اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کیلئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے“

نیز فرمایا: ﴿ وَسَارِعُوا إِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴾ (آل عمران:١٣٣)

ترجمہ: ”اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے“

نیز فرمایا: ﴿ سَابِقُوا إِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ ءَامَنُوا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ﴾ (الحدید:٢١)

ترجمہ: ”(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے یہ ان کیلئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں“

نیز چند آیات تحریر کی جاتی ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ جہنم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا ٹھکانہ ہے

﴿ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکَاتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَیْھِمْ دَآئِرَۃُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَلَعَنَھُمْ وَأَعَدَّ لَھُمْ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴾ (الفتح:٦)

ترجمہ: ”اور تا کہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب کرے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں رکھنے والے ہیں، (دراصل) انہیں پر برائی کا

پھیرا ہے، اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی ان کیلئے دوزخ تیار کی اور وہ بہت بُری لوٹنے کی جگہ ہے"

نیز فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴾ (آل عمران:۱۳۱)

ترجمہ: "اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے"

نیز فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴾ (البقرۃ:۲۴)

ترجمہ: "اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے"

احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنت اور جہنم اس وقت موجود ہیں، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی، سورج گرہن کی نماز والے قصہ میں یہ بات مذکور ہے:

[صحابہ کرام نے کہا: یارسول اللہ ﷺ نماز میں ہم نے آپ (ﷺ) کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر کوئی چیز اٹھائی ہے، پھر ہم نے آپ (ﷺ) کو پیچھے ہٹتے ہوئے بھی دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جنت دیکھی تھی، آگے بڑھ کر جنت کے پھلوں کا ایک خوشہ اٹھانا چاہا تھا، اگر میں وہ خوشہ اٹھا کر لے آتا تو جب تک دنیا قائم رہتی تم سب ملکر اسے کھاتے ہی رہتے۔ پھر مجھے جہنم دکھائی گئی، اس جیسا خوف ناک منظر میں نے آج تک نہیں دیکھا، اور میں نے دیکھا کہ جہنم میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے.... الحدیث] (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۰۵۲) اور امام مسلم نے اپنی صحیح (۹۰۷) میں روایت فرمایا ہے)

جنت اور جہنم کے اس وقت موجود ہونے کو تسلیم نہ کرنے والوں پر رد

بعض اہلِ بدعت مثلاً معتزلہ، جنت اور جہنم کے اس وقت موجود ہونے کو تسلیم نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ جنت اور جہنم کو قیامت سے قبل پیدا نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ قیامت سے قبل ان کا پیدا کیا جانا عبث ہے، کیونکہ اس طرح یہ دونوں ایک طویل عرصہ اس طرح گزاریں گیں کہ جنت

سے انتفاع کرنے والا کوئی نہیں اور جہنم سے ضرر پانے والا کوئی نہیں؟

معتزلہ کا یہ قول باطل ہے، اور اس قول کے بطلان کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) بے شمار آیات واحادیث ان کے قیامت سے قبل پیدا کیئے جانے اور اس وقت بھی موجود ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ (معتزلہ کا قول ان تمام نصوص کا انکار ہے)

(۲) (جنت کا وجود عبث نہیں ہے) بلکہ اس کے اس وقت موجود ہونے میں لوگوں کیلئے ترغیب وتشویق کا پہلو موجود ہے، اسی طرح جہنم کے موجود ہونے میں تحذیر وتخویف کا پہلو ہے۔

(۳) کتاب وسنت کے بہت سے نصوص میں وارد ہے کہ قیامت سے قبل بھی جنت کی نعمتوں سے انتفاع کی صورتیں موجود ہیں، اسی طرح قیامت سے قبل جہنم کے عذاب سے حصولِ ضرر کے مواقع بھی۔

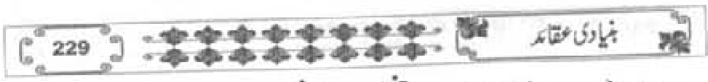
قیامت سے قبل جہنم کا عذاب لاحق ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا آلِ فرعون کے بارہ میں یہ فرمان ہے:

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ (الغافر:۴۶)

ترجمہ: ''آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کا سخت ترین عذاب میں ڈالو''

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ آلِ فرعون کو ان کی قبروں میں جہنم کی آگ سے عذاب دیا جا رہا ہے، پھر جب قیامت قائم ہوگی تو انہیں اس سے بھی سخت عذاب میں منتقل کر دیا جائے گا۔

جنت کی نعمتوں سے قبلِ قیامت حصولِ نفع کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کی شکل دینے کا ذکر ہے، ان کے ساتھ روشن قندیلیں ہونگی جو عرش کے ساتھ معلق ہونگی، وہ روحیں جنت میں جہاں چاہیں گی چرتی رہیں گی، پھر اپنی قندیلوں میں لوٹ آئیں گی۔
(صحیح مسلم (۱۸۸۷) بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)



مسند احمد (۱۵۷۷۸) میں امام احمد بن حنبل، امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے اور وہ اپنے باپ کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: [بے شک مؤمن کی روح، بشکلِ پرندہ جنت کے درخت کے ساتھ معلق ہوتی ہے، جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس روح کو اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا]

یہ حدیث صحیح ہے، اس کی سند میں تین جلیل القدر امام ہیں، جن کا شمار ان ائمہ اربعہ میں ہوتا ہے جن کے مذاہب اہل السنۃ میں معروف ہیں۔ امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" مسند احمد میں ایک حدیث مروی ہے جس میں ہر مؤمن کیلئے ایک عظیم بشارت ہے، اور وہ یہ کہ ہر مؤمن کی روح جنت میں کھاتی پیتی، گھومتی پھرتی رہے گی، جنت کی رونقیں اور مسرتیں دیکھتی رہے گی، نیز اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کیلئے جو عزت وکرامت تیار فرما رکھی ہے، اس کا مشاہدہ کرتی رہے گی۔ یہ حدیث ایک صحیح اور عظیم الشان سند کے ساتھ ثابت ہے، اس کی سند میں ائمہ مذاہب اربعہ میں سے تین جلیل القدر ائمہ مجتمع ہیں۔ (پھر حافظ ابن کثیر نے مکمل حدیث سنداً ومتناً بیان فرمائی)

جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب کے پہنچنے کی ایک دلیل، براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر کے پاس جو ایک صحابی کے دفن کیلئے تیار کی جا رہی تھی، بیٹھ کر نصیحت فرمائی تھی، اس حدیث میں آپ ﷺ نے مؤمن کے بارہ میں فرمایا تھا: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اسے جنت کا بستر اور لباس مہیا کردو، اور اس کی قبر میں جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) اسے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں پہنچتی رہیں گی اور

اس کی قبر کو تاحدِ نگاہ کشادہ کر دیا جائے گا۔

کافر کے بارہ میں فرمایا: اس کے نیچے آگ کا بستر بچھا دو، اور اس کی قبر میں ایک دروازہ بنا دو جو جہنم کی طرف کھلے تاکہ جہنم کی تپش اور گرم ہوائیں اس تک پہنچتی رہیں، اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جائے گی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی۔

(یہ حدیث حسن ہے، دیکھیے مسند احمد (۱۸۵۳۴)

عذابِ قبر اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے حوالے سے بے شمار احادیث مروی ہیں۔

ان تمام ادلہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مؤمنین کو انکی قبروں میں نعمتوں سے نوازا جاتا ہے جبکہ کفار مبتلائے عذاب کیئے جاتے ہیں۔ یہ نعمتیں اور یہ عذاب، روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

(۲) جنت اور جہنم دونوں ہمیشہ قائم رہیں گی، ان پر کبھی فناء نہیں آئے گا، اہلِ جنت، جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نعمتوں سے نوازے جاتے رہیں گے، جبکہ کفار جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مبتلائے عذاب رہیں گے۔

جنت کا بقاء اور اہلِ جنت کا اس میں ہمیشہ رہنا قرآنِ حکیم کے مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۲۵)

ترجمہ: ''اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیئے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ان کیلئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً . خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلاً ﴾ (الکھف: ۱۰۷، ۱۰۸)

ترجمہ "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان کیلئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی انکا ارادہ ہی نہ ہوگا"

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَعُيُونٍ . اُدْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ آمِنِينَ . وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُتَقٰبِلِينَ . لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴾ (الحجر: ۴۵ تا ۴۸)

ترجمہ: "پرہیزگار جنتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ نہ تو وہاں انہیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے"

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحٰتِ أُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ . جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴾ (البینۃ: ۷، ۸)

ترجمہ: "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ ہے اس کیلئے جو اپنے پروردگار سے ڈرے"

جن آیات میں جہنم کا بقاء اور کفار کا اس میں ہمیشہ رہنا مذکور ہے، ان میں سے بعض ذکر کی جاتی ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ (البقرة:۳۹)

ترجمہ: ''اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے''

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴾ (البقرة:۱۶۷)

ترجمہ: ''یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے''

نیز فرمایا: ﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴾ (المائدة:۳۷)

ترجمہ: ''یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے، ان کیلئے تو دائمی عذاب ہے''

نیز فرمایا: ﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴾ (المدثر:۴۸)

ترجمہ: ''پس انہیں سفارش نفع نہ دے گی''

نیز فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴾ (الفاطر:۳۶)

ترجمہ: ''اور جو لوگ کافر ہیں ان کیلئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضاء ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں''

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا. اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴾ (النساء:۱۶۸،۱۶۹)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ ہی انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے''

نیز فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾

ترجمہ: ”(اب) جو بھی اللہ اور اسکے رسول کی نہ مانے گا اس کیلئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے“ (الجن: ۲۳)

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ (الاحزاب: ۶۴،۶۵)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے“

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴾ (البینۃ: ۶)

ترجمہ: ”بیشک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین وہ دوزخ کی آگ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں“

واضح ہو کہ جنت اور جہنم کا ہمیشہ کیلئے باقی رہنا، نیز اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کا خلود، اللہ تعالیٰ کی صفت ”الآخر“ جس کا معنی ہے: جس کے بعد کوئی چیز نہ ہو، کے منافی نہیں ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا باقی رہنا، اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے، جو اس کی ذات کے ساتھ لازم ہے، جبکہ جنت اور جہنم اور ان میں ان کے اہل کا بقاء اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ باقی رکھے گا، اور اگر اللہ تعالیٰ باقی نہ رکھے تو ان سب کیلئے بھی فناء ہے، اس موضوع کی طرف کچھ اشارہ مؤلف رحمہ اللہ کے اس قول کے تحت گزر چکا ہے ”ليس لأوليته ابتداء ولا لآخريته انقضاء“

آدم علیہ السلام کس جنت سے نکالے گئے تھے؟

(۳) مؤلف رحمہ اللہ کے قول ”وهي التي اهبط منها آدم نبيه وخليفته إلى أرضه بما سبق في سابق علمه“ یعنی: یہ جنت وہی گھر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور خلیفہ

آدم علیہ السلام کو اتار کر اپنی زمین پر بھیج دیا تھا۔ اس قول سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اسی اصل جنت سے نکالا گیا۔

اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس جنت سے نکالا گیا وہ دراصل زمین سے اوپر کسی مقام پر ایک باغ تھا، جبکہ تیسرا قول یہ ہے کہ اس بارہ میں توقف اختیار کیا جائے۔

اس بارہ میں پہلا قول ہی راجح اور مطابقِ ادلہ معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف اور قولِ اول وثانی کے دلائل ذکر کیئے ہیں، نیز ہر دلیل کا جواب بھی نقل فرمایا ہے، اور کسی قول کو ترجیح نہیں دی، (دیکھیئے کتاب حادی الارواح ص۱۶ تا ۳۲)

البتہ ان کے "قصیدۃ میمیۃ" میں ان کے ذکر کردہ کلام سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ وہ پہلے قول کی ترجیح کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

فحي على جنات عدن فإنها   منازلك الأولى وفيها المخيم

ولكننا سبي العدو فهل ترى   نعود إلى أوطاننا ونسلم

ترجمہ: "جناتِ عدن کی طرف آجا کہ وہ تیرا پہلا گھر تھا (مراد آدم علیہ السلام کا) اور اسی میں خیمے ہیں، مگر ہم تو دشمن کے قیدی ہیں تو پھر کیا ہم اپنے اصل وطن کی طرف لوٹ سکیں گے؟ اور سلامتی کی زندگی پا سکیں گے؟

(۴) قیامت کے دن مؤمنین کا اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا، دار النعیم یعنی جنت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اس پر قرآن، حدیث اور اجماعِ امت کے دلائل موجود ہیں۔

قرآنی دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ . إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (القیامۃ: ۲۲،۲۳)

"اس روز بہت سے چہرے تر وتازہ اور بارونق ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے"

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴾ (المطففون:۱۵)

ترجمہ: ”ہرگز نہیں، یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے“

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ان لوگوں کو بوجہ، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے محروم کردیا جائے گا تو پھر مؤمنین بوجہ، اللہ تعالیٰ کی رضا، اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار پر، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلیل ہے:

﴿ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ﴾ (یونس:۲۶)

ترجمہ: ”جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید برآں بھی“

یہاں ”الْحُسْنَىٰ“ سے مراد جنت ہے۔ ”وَزِيَادَةٌ“ سے مراد، اللہ تعالیٰ کے چہرہ کا دیدار ہے۔ یہ تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی، چنانچہ صحیح مسلم (۲۹۷) میں صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں مزید کچھ چاہیے؟ اہل جنت کہیں گے: اے اللہ! کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں فرمادیے؟ کیا تو نے ہمیں جہنم سے بچا کر، جنت میں داخل نہیں فرمادیا؟ تب اللہ تعالیٰ اپنا حجاب ہٹادے گا (وہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار کریں گے) انہیں اللہ تعالیٰ کے چہرے کے دیدار سے بڑھ کر پیاری کوئی نعمت حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ﴾

ایک اشکال اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ﴾ سے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کی نفی ثابت کرتے ہیں، جو کہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ آیت رؤیت کی نہیں بلکہ ادراک کی نفی کر رہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت تو ثابت ہے لیکن ازروئے رؤیت ادراک یعنی احاطہ ممکن نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم تو حاصل ہوتا ہے

لیکن از روئے علم، احاطہ ممکن نہیں۔

چنانچہ ادراک کی نفی امرِ خاص ہے، جو رویت کی نفی کو، جو کہ امرِ عام ہے، مستلزم نہیں ہے۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور والے قصہ میں رویتِ باری تعالیٰ کی نفی مفہوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: ''اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمائی، تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش کر گر پڑے''

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک امرِ ممکن کا سوال کیا تھا، کسی ایسے امر کا سوال نہیں کیا تھا جو ناممکن و مستحیل ہو، مگر اللہ رب العزت کی مشیت یہ ہے کہ اس کی رویت صرف دارِ آخرت میں حاصل ہو؛ کیونکہ دارِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت سب سے اکمل و اعظم نعمت ہوگی، اس لئے ''لن ترانی'' کا معنی یہ ہوگا کہ تم مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''حادی الارواح'' (ص۱۷۹تا۱۸۶) میں اللہ تعالیٰ کی روزِ آخرت، رویت کے اثبات میں قرآنِ حکیم کے دلائل ذکر فرمائے ہیں، پھر ستائیس صحابۂ کرام سے، اثباتِ رویت میں مروی احادیث نقل فرمائی ہیں، اسکے بعد صحابۂ کرام، تابعین اور بعد میں آنے والے بہت سے علماءِ اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال و آثار جمع فرمائے ہیں، جو اس بات پر دال ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت پر صحابۂ کرام اور ان کے منہج کے پیروکاروں کا اجماع قائم ہے۔

میدانِ محشر کے حالات

۱۹۔ قوله: " وأن الله تبارك وتعالى يجيء يوم القيامة والملك صفا صفاً، لعرض الأمم وحسابها وعقوبتها وثوابها، وتوضع الموازين لوزن أعمال العباد، فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون، ويؤتون صحائفهم بأعمالهم، فمن أوتي كتابه بيمينه فسوف يحاسب حسابا يسيرا، ومن أوتي كتابه وراء ظهره فأولئك يصلون سعيرا"

ترجمہ: "اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن آئے گا، اور فرشتے بھی قطاروں میں (آئیں گے) تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر پیش کریں، اور اللہ تعالیٰ ان سے سارا حساب لے، اور انہیں عذاب میں جھونکنے یا ثواب عطا فرمانے کے فیصلے فرمائے۔ بندوں کے اعمال کے وزن کیلئے ترازو بھی قائم کردیئے جائیں گے، پس جن کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا، وہ کامیاب قرار پائیں گے۔ اسی طرح لوگوں کو ان کے اعمال کے صحیفے بھی دیئے جائیں گے، پس جنہیں دائیں ہاتھ میں ان کا صحیفہ تھما دیا گیا، ان کا حساب بہت آسان کردیا جائے گا، اور جنہیں ان کا صحیفہ پشت کے پیچھے سے دیا گیا، وہ لوگ جلتی آگ کا لقمہ بن جائیں گے"

شرح

یہاں بہت سے امور بیان ہوئے ہیں:

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فصلِ قضاء کیلئے آئے گا، اللہ تعالیٰ کا یہ آنا اس کی صفاتِ فعلیہ میں سے ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو ارادہ فرمالیتا ہے وہی فیصلہ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس آنے میں وہی عقیدہ ہونا چاہیئے جو بقیہ تمام صفات میں ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن

آنا، بالکل ویسا ہے جیسا اس کے لائق ہے، ہم اس کے آنے کی نہ تو تکییف (بیانِ کیفیت) کرتے ہیں، نہ تمثیل (کسی مخلوق کے مثل قرار دینا) نہ ہی کسی قسم کی تاویل کرتے ہیں، نہ تعطیل (یعنی اس صفت کی نفی یا انکار)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر:۲۲)

ترجمہ: "تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر (آجائیں گے)"

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے درمیان، فصلِ قضاء کیلئے آئے گا، اللہ تعالیٰ کا یہ آنا اس وقت ہوگا جب لوگ سید البشر محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں شفاعت کا مطالبہ کریں گے، اس سے قبل وہ یکے بعد دیگرے تمام اولوالعزم انبیاء (ابراھیم، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ علیھم السلام) سے شفاعت کا سوال کر چکے ہونگے اور ہر نبی یہ جواب دے چکا ہوگا کہ یہ کام ہم نہیں کر سکتے، بالآخر وہ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونگے، آپ ﷺ فرمائیں گے: شفاعت کا منصب میرے لئے ہے، شفاعت کا منصب میرے لئے ہے، پھر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے فصلِ قضاء کیلئے آنے کی سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمالے گا، یہ قیامت کے دن ہونے والی سب سے پہلی شفاعت ہوگی، اور یہی مقامِ محمود ہے، جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں گزر چکا، پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا، بندوں کے فیصلے کرنے کیلئے آئے گا، فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے صفوں اور قطاروں میں آئیں گے۔

اولوالعزم رسل، جن سے ہمارے نبی محمد ﷺ سے قبل شفاعت طلب کی جائے گی، کے نام نوح، ابراھیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیھم السلام ہیں، یہ چاروں انبیاء سورۃ الاحزاب اور سورۃ الشوریٰ کی آیات میں مذکور ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ

وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴾ (الاحزاب:۷)

ترجمہ: ”جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابرھیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان سے (پکا اور) پختہ عہد لیا“

نیز فرمایا: ﴿ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ﴾

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا“ (الشوریٰ:۱۳)

(۴) بندوں کو اللہ تعالیٰ پر پیش کیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا ان سے حساب لے گا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾

ترجمہ: ”اور سب کے سب تیرے رب کے سامنے صف بستہ حاضر کیے جائیں گے۔ یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح آئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا“ (الکھف:۴۸)

نیز فرمایا: ﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴾

ترجمہ: ”اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا، خبردار ہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر“ (ھود:۱۸)

نیز فرمایا: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا

وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ﴾ (الکھف:۴۹)

ترجمہ: ''اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ پس تو دیکھے گا کہ گنہگار اس (کی تحریر) سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا (گناہ) بغیر گھیرے باقی نہیں چھوڑا، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم و ستم نہ کرے گا''

نیز فرمایا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۔ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۔ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۔ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۔ وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ﴾ (الانشقاق:۷تا۱۲)

ترجمہ: ''تو (اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا۔ ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ تو وہ موت کو بلانے لگے گا۔ اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا''

نیز فرمایا: ﴿ یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَةٌ ۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ ۔ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۔ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۔ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۔ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۔ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۔ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۔ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۔ هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۔ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۔ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۔ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ ﴾ (الحاقۃ:۱۸تا۳۲)

ترجمہ: ''اس دن تم سب سامنے پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔ سو جسے

اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہنے لگے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔ پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا۔ بلند و بالا جنت میں۔ جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) کہ مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔ لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، تو وہ کہے گا کہ کاش مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی۔ اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔ کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا۔ میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔ پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑ دو۔''

نیز فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ . فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾ (الزلزال: ٦ تا ٨)

ترجمہ: ''اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (واپس) لوٹیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [من حوسب عذب ، قالت عائشة: فقلت: أوليس يقول الله ﴿ فسوف يحاسب حسابا يسيرا ﴾ قالت: فقال: انما ذلک العرض، ولكن من نوقش الحساب يهلک]

ترجمہ: ''[جس شخص سے حساب لیا جائے گا اسے یقیناً عذاب دیا جائے گا، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ''کہ عنقریب آسان حساب لیا جائے گا''؟ فرمایا: آسان حساب سے مراد اعمال کا بندوں پر پیش کیا جانا ہے مگر جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا (مناقشہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا پوچھنا کہ فلاں گناہ کیوں کیا تھا؟]

(صحیح بخاری (۱۰۳) اور صحیح مسلم (۲۸۷۶)

(۳) پہلے بندوں کے اعمال شمار کیئے جائیں گے، پھر انہیں تولا جائے گا، جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری پڑ گیا وہ نجات پا گیا، اور جس کا ہلکا رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ﴾ (الانبیاء:۴۷)

ترجمہ: "قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک تولنے والی ترازو۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے"

نیز فرمایا: ﴿ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: "اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے" (الاعراف:۸،۹)

نیز فرمایا: ﴿ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَاءَلُوْنَ. فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ ﴾ (المومنون:۱۰۱تا۱۰۳)

ترجمہ: "پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے، نہ آپس کی پوچھ گچھ۔ جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو نجات پانے والے ہو گئے۔ اور جن کی ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کیلئے جہنم واصل ہوئے"

نیز فرمایا: ﴿ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ. فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ. وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ. فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ. وَمَا أَدْرٰكَ مَا هِيَهْ. نَارٌ حَامِيَةٌ ﴾ (القارعۃ:۶تا۱۱)

ترجمہ: ''پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا۔ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے۔ وہ تند و تیز آگ ہے''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [الطھور شطر الایمان والحمد للہ تملأ المیزان وسبحان اللہ والحمد للہ تملآن او تملأ ما بین السموات والارض]

ترجمہ: [صفائی اور پاکیزگی نصفِ ایمان ہے، اور الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ والحمد للہ دونوں یعنی آسمانوں اور زمین کو یا ان دونوں کے مابین کو بھر دیتے ہیں] (صحیح مسلم (۲۲۳)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

[کلمتان حبیبتان الی الرحمن ،خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحا ن اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم]

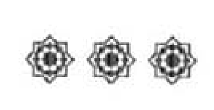
ترجمہ: [دو کلمے جو رحمٰن کو بڑے محبوب ہیں، زبان پر ہلکے، اور میزان پر بھاری ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم] (صحیح بخاری (۷۵۶۳) اور صحیح مسلم (۲۶۹۴)

(یہ دونوں حدیثیں اثبات میزان کی دلیل ہیں)

اعمال اگرچہ اعراض ہیں (یعنی ایسی چیز جس کا جسم نہیں ہوتا) مگر اللہ تعالیٰ انہیں جسم دیکر اپنے میزان میں تول لے گا۔ بندوں کے اعمال کے وزن کی حکمت اولاً: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا اظہار ہو جائے، ثانیاً: بندوں کو ان کے اعمال کی خبر ہو جائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کو جاننے والا ہے۔

اور وزن، جس طرح اعمال کا ہوگا، اعمال کے صحائف کا بھی ہوگا، جیسا کہ حدیث بطاقہ سے واضح ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:[اللہ تعالیٰ میری اُمت کے ایک شخص کو قیامت کے دن، تمام خلائق کے سامنے بلائے گا، اس پر (اس کے گناہوں کے) ننانوے رجسٹر پھیلا دے گا، ہر رجسٹر کا طول وعرض تاحدِ نگاہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا انکار کرتا ہے؟ کیا تجھ پر میرے کاتب فرشتوں نے کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں میرے پروردگار۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تیرے پاس ان گناہوں کیلئے کوئی عذر ہے؟ کہے گا: نہیں میرے پروردگار۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں، ہمارے پاس تیری ایک نیکی محفوظ ہے، آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، ایک پرچی نکالی جائے گی، جس میں (أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبدالله ورسوله) لکھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے بندے! اپنا وزن خود دیکھ لے، کہے گا: اے میرے پروردگار! اس پرچی کا ان رجسٹروں سے کیا مقابلہ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھ پر آج کوئی ظلم نہیں ہوگا، چنانچہ وہ رجسٹر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے، دوسرے میں وہ پرچی۔ رجسٹروں والا پلڑا ہلکا پڑ کے اوپر کو اڑنے لگے گا اور پرچی بہت بھاری پڑ جائے گی، اللہ تعالیٰ کے نام کے سامنے کوئی چیز بھاری نہیں ہوسکتی] (اس حدیث کو امام ترمذی (۲۶۳۹) نے روایت کیا ہے، اور اسے حسن کہا ہے، نیز حاکم (۱/۶ نے بھی، اور اسے امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، اور امام ذھبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانی کا "السلسلة الاحاديث الصحيحة" (۱۳۵) ملاحظہ کیجئے)



پل صراط

۲۰. قوله: "وأن الصراط حق، يجوزه العباد بقدر أعمالهم، فناجون متفاوتون في سرعة النجاة عليه من نار جهنم، وقوم أوبقتهم فيها أعمالهم"

ترجمہ: "(قیامت کے دن) پل صراط برحق ہے، جسے بندے اپنے اپنے اعمال کے بقدر عبور کریں گے، کچھ تو نجات پا جائیں گے جو جہنم سے نجات میں تیزی کے اعتبار سے متفاوت ہونگے۔ اور بہت سے لوگوں کو ان کے اعمال ہلاکت کے گڑھے (جہنم) میں پھینک دیں گے"

شرح

پل صراط حق ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے، یہ ایک پل ہے جو جہنم کی کمر پر نصب ہے، اس پر سے مسلمان، جنت میں پہنچنے کیلئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق گزریں گے، چنانچہ کچھ تو بجلی کی طرح عبور کر جائیں گے، اور کچھ تیز رفتار ہوا کی طرح، اور کچھ ایسے بھی ہونگے جو سُرین پر گھسٹتے ہوئے بالآخر پار کر ہی جائیں گے۔

صحیح بخاری (۸۰۶) اور صحیح مسلم (۲۹۹) میں ابوهریرة رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [.... جہنم کے اوپر درمیان میں ایک پل نصب کیا جائے گا، تمام انبیاء میں سے سب سے پہلے میں اپنی امت کو لیکر اس پل کو عبور کرونگا، اس دن رسولوں کے علاوہ کوئی انسان، کوئی کلام نہیں کر سکے گا، رسولوں کا کلام بھی "اللهم سلم، اللهم سلم" ہوگا، یعنی: اے اللہ سلامتی عطا فرما۔ اور جہنم میں سعدان (ایک خاردار درخت) کے کانٹوں کی طرح لوہے کے نوکیلے کنڈے ہونگے۔ کیا تم نے سعدان کا درخت دیکھا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: وہ کنڈے سعدان کے

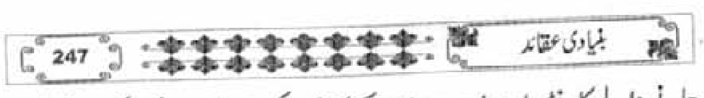
کانٹوں کی طرح ہی ہونگے، البتہ وہ کتنے بڑے ہونگے اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، یہ کنڈے لوگوں کو ان کے اعمال کے بہ سبب اچکتے رہیں گے، کچھ تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک کردیئے جائیں گے، اور کچھ کو (ایک مدت کیلئے) جہنم میں جھونک دیا جائے گا، پھر وہ نجات پاجائیں گے۔

صحیح مسلم (۳۲۹) میں ابوھریرۃ اور حذیفہ رضی اللہ عنھما کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

[امانت اور رحم (رشتہ داری) کو چھوڑا جائے گا یہ دونوں پل صراط کے دونوں کناروں میں دائیں اور بائیں کھڑے ہوجائیں گے۔تم میں سے پہلی جماعت بجلی کی طرح پل صراط کو عبور کرجائے گی، میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں، بجلی کی طرح عبور کرنا کیسا ہے؟ فرمایا: تم نے کبھی بجلی نہیں دیکھی؟ وہ کس طرح گزرتی ہے، اور پھر پلک جھپکنے میں لوٹ آتی ہے۔ پھر کچھ لوگ ہوا کی طرح عبور کریں گے، کچھ پرندے کی اور کچھ گھوڑوں کی رفتار سے عبور کریں گے، درحقیقت ان کے اعمال، انہیں دوڑا رہے ہونگے۔تمہارے نبی (ﷺ) پل صراط پر کھڑے ہونگے، اور "رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ" کہہ رہے ہونگے، حتی کہ ایسے لوگ آجائیں گے جن کے اعمال عاجز ہونگے، اور ایسا شخص بھی آئے گا جو اپنی سُرین پر گھسٹتا ہوا چل سکے گا۔]

مزید فرمایا: [پل صراط کے دونوں جانب لوہے کے نوک دار کنڈے لٹک رہے ہونگے، جنہیں گزرنے والوں کے پکڑنے کا حکم ہوگا، کچھ زخموں سے چور ہوکر نجات پانے والے ہونگے، اور کچھ کٹ کر جہنم میں گرجانے والے ہونگے۔]

صحیح مسلم (۳۰۲) میں ابوسعید خدری ﷛ سے مروی حدیث ہے، جس میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: [پھر جہنم پر ایک پل قائم کردیا جائے گا اور شفاعت کرنا حلال ہوجائے گا، اور انبیاء "اللھم سلم سلم" پکار رہے ہونگے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ یہ پل کیا ہے؟ فرمایا: ایک ایسا راستہ جس پر پھسلن ہی پھسلن ہوگی، اس میں نوچنے والے پرندوں کے پنجوں اور نجد کی سرزمین پر پائے



جانے والے کانٹے دار درخت سعدان کے کانٹوں کی مانند لوہے کے نوک دار کنڈے ہونگے۔مؤمن پلک جھپکنے کی طرح گزر جائیں گے، کچھ بجلی کی طرح، کچھ ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ برق رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح عبور کر جائیں گے۔کچھ تو صحیح سالم عبور کر کے نجات پا جائیں گے، کچھ زخموں سے چور چور بالآخر چھوڑ دیئے جائیں گے، اور کچھ کٹ کر جہنم کی آگ میں گر جائیں گے۔



حوضِ کوثر

۲۱. قوله: "والايمان بحوضِ رسول الله ﷺ، ترده امته، لايظمأ من شرب منه، ويزاد عنه من بدل و غير"

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کے حوض پر ایمان لانا (فرض ہے) آپ ﷺ کے حوض پر آپ ﷺ کی امت وارد ہوگی، جس نے اس حوض سے پانی پی لیا اسے (جنت میں داخلے تک) پیاس نہیں لگے گی، حوضِ کوثر سے اس بدعتی کو دور کر دیا جائے گا جس نے دین میں تبدیل وتغییر کا ارتکاب کیا"

شرح

ہمارے نبی محمد ﷺ کے حوض کا بیان

ہمارے نبی ﷺ کے حوض کے بارہ میں مروی احادیث درجۂ تواتر کو پہنچتی ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب الرقاق میں حوض کا باب ذکر فرمایا ہے، اس باب میں (۱۹) اسناد سے یعنی (۶۵۷۵) سے (۶۵۹۳) تک احادیث حوض نقل فرمائی ہیں۔

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ احادیثِ حوض پچاس سے زائد صحابہ کرام سے مروی ہیں، انہوں نے ان میں سے پچیس صحابہ کا نام قاضی عیاض، جبکہ تین کا امام نووی کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے، اور تقریباً اتنی ہی تعداد کا اپنی تحقیق وتتبع سے اضافہ فرمایا ہے، جس سے ان صحابہ کی تعداد پچاس سے متجاوز ہوگئی۔ (دیکھیے فتح الباری ۱۱/ ۴۶۸ تا ۴۶۹)

امام ابن کثیر نے اپنی کتاب '' النہایة '' میں تیس سے زائد صحابہ سے احادیثِ حوض نقل فرمائی ہیں، ان میں سے اکثر احادیث ان ائمہ کی اسناد سے ذکر فرمائی ہیں، جنہوں نے اپنی کتب میں ان احادیث کی تخریج وروایت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حوض کے بارہ میں جو صفات وارد ہوئی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

آپ ﷺ نے فرمایا: [حوضی مسیرة شهر ، ماء ہ ابیض من اللبن ، وریحه أطیب من المسک ، وکیزانه کنجوم السماء، من شرب منها فلایظمأ أبدا]

ترجمہ: [میرے حوض کی لمبائی ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور خوشبو مسک سے زیادہ عمدہ ہوگی، اس کے آب خورے آسمان کے ستاروں کے برابر ہونگے، جسے ایک بار اس کا پانی نصیب ہوگیا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔] (صحیح بخاری ۶۵۷۹) بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما)

امام مسلم نے اپنی صحیح (۲۲۹۲) میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

[میرے حوض کی طوالت ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہے، اور اس کے تمام کونے برابر ہیں، اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید اور خوشبو مسک سے زیادہ عمدہ ہے، اس کے آب خورے آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں جس نے ایک بار وہ پانی پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔]

صحیح مسلم (۲۳۰۰) میں ابوذر غفاری ﷺ سے مروی ایک حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں:

[یشخب فیه میزابان من الجنة ، من شرب منه لم یظمأ ، عرضه مثل طوله ، مابین عمان إلی أیلة ، ماء ہ أشد بیاضا من اللبن وأحلیٰ من العسل]



ترجمہ: [حوضِ کوثر میں جنت کی طرف سے دو پرنالے گر رہے ہونگے، جس نے حوضِ کوثر کا پانی پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی، اس کا عرض اس کے طول کے برابر ہے، عمان سے لیکر ایلہ تک اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے]

حوضِ کوثر پر اہلِ بدعت کا ہیبت ناک انجام

کچھ لوگوں کو حوضِ کوثر پر وارد ہونے سے روک دیا جائے گا، صحیح بخاری (٦٥٧٦) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أنا فرطكم على الحوض ، وليرفعن رجال منكم ، ثم ليختلجن دوني فأقول: يا رب أصحابي فيقال: انك لا تدري ما أحدثوا بعدك]

ترجمہ: [''میں حوضِ کوثر پہ تمہارا انتظار واستقبال کرونگا، تم میں سے کچھ لوگ ظاہر کیئے جائیں گے پھر میرے سامنے کھینچ کر نکال دیئے جائیں گے، میں کہوں گا: میرے پروردگار یہ تو میرے ساتھی ہیں، کہا جائے گا: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں جانتے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا کیا نئے طریقے اپنالئے تھے]

ان ساتھیوں سے مراد وہ چند لوگ ہیں، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد اختیار کرلیا تھا، اور پھر ان اسلامی کامیاب لشکروں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے تھے، جنہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے قتال کیلئے بھیجا تھا (نوٹ: وہ شرعی نصوص جو کسی مخصوص تناظر میں وارد ہوتے ہیں ان کے حکم میں عموم ملحوظ ہوتا ہے، لہذا قیامت کے دن حوضِ کوثر پہ ہر مبتدع کی اسی طرح بے توقیری اور تذلیل ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں مبتدعین کو دیکھ کر یہ کہوں گا: [سحقا سحقا لمن غير بعدي] یعنی: جن لوگوں نے میرے بعد دین کو تبدیل کردیا انہیں میری نظروں سے دور کردیا جائے۔ مترجم)

روافض کی ہذیان گوئی

روافض، جن کے سینے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حقد وبغض سے لبریز ہیں، کا یہ زعمِ باطل ہے کہ صحابۂ کرام نبی ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے، بہت تھوڑی تعداد دین پر باقی رہی، ان کے بقول احادیث میں جن لوگوں کو حوضِ کوثر سے دور کرنے کا ذکر وارد ہے، وہ (نعوذ باللہ) یہی اصحابِ رسول ﷺ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حوضِ کوثر سے دور ہٹانے کے اصل مستحق خود روافض ہیں؛ کیونکہ وہ وضوء میں اپنے پاؤں نہیں دھوتے، بلکہ مسح کرتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:[ویل للأعقاب من النار] یعنی: وضوء میں جن کے پاؤں کی ایڑیاں تھوڑی سی خشک رہ جائیں ان کیلئے جہنم کی ویل ہے۔(صحیح بخاری (۱۶۵) صحیح مسلم (۲۴۲) بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ)

اس کے علاوہ روافض کے چہرے اس چمک دمک سے محروم ہیں جو وضوء سے پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:[ان أمتی یدعون یوم القیامة غرا محجلین من آثار الوضوء] یعنی: بے شک میری امت قیامت کے دن بلائی جائے گی، ان کی پیشانیاں اور دیگر اعضاءِ وضوء، وضوء کی برکت سے چمک رہے ہونگے] (صحیح بخاری (۱۳۶) بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ)

اس دور کے ایک گمراہ شخص کے صحابہ کرام کے متعلق باطل نظریہ کا رد

واضح ہو کہ اس دور میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جس کا زعم ہے کہ وہ اہل السنۃ میں سے ہے، جبکہ اہل السنۃ سے اس کا کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ ان روافض کے منہج پر قائم ہے جو اپنے سینوں میں صحابہ کے خلاف بغض وعناد رکھتے ہیں، اس شخص کا نام حسن بن فرحان المالکی ہے، یہ سعودی عرب کے انتہائی جنوبی علاقہ بنو مالک کی طرف منسوب ہے۔

اس شخص نے ایک انتہائی سخیف اور گھٹیا سا رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کا عنوان "الصحابة بين الصُّحْبَةِ اللغوية و الصُّحْبَةِ الشرعية" ہے (یعنی صحابہ میں لغوی اور شرعی صحبت کا فرق)

اس رسالہ میں اس کا زعم ہے کہ صحابہ صرف وہ مہاجرین وانصار ہیں جو صلح حدیبیہ سے قبل موجود

تھے جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا یا ہجرت کی ان کیلئے شرعی صحابیت کا کوئی حصہ نہیں بلکہ ان کی صحبت تو منافقین و کفار کی صحبت جیسی ہے۔

اس شخص نے اپنے اس قول سے بہت سے اصحاب رسول ﷺ کو نبی ﷺ کی صحابیت سے خارج کردیا، جن میں عباس بن عبدالمطلب نبی ﷺ کے چچا، اور ان کے بیٹے حبر امت، ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم بھی ہیں۔ اسی طرح ابوموسیٰ اشعری، ابوھریرۃ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنھم وغیرہ جیسے بے شمار صحابہ کو شرف صحابیت سے فارغ کردیا۔

یہ پندرھویں صدی میں ایک بدعت اور محدث قول ہے، اس مالکی سے قبل یہ بات کسی نے نہیں کہی، سوائے اسی جیسے ایک نوعمر نوجوان کے، جس کا نام عبدالرحمٰن بن محمد الحکمی ہے۔

اس کی اس گھٹیا کتاب میں صحابۂ کرام کی عدالت کا بھی انکار ہے، اس کے خیالِ فاسد کے مطابق اکثر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو نبی ﷺ کے حوض سے دھتکار دیا جائے گا اور نعوذ باللہ واصلِ جہنم کردیا جائے گا۔

اس کا کہنا ہے کہ صحابۂ کرام میں سے بہت تھوڑی تعداد نجات پاسکے گی، (اس نے اس تھوڑی تعداد کے بیان کیلئے ”مثل ھمل النعم“ کی تعبیر استعمال کی ہے، یہ تعبیر ایک حدیث میں وارد ہوئی ہے، جس کا بیان آگے آئے گا، اس تعبیر سے کسی شی کی تعداد کی قلت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، ”ھمل النعم“، ریوڑ کے ان چند اونٹوں کو کہتے ہیں جو چرواہے کے بغیر دن یا رات گزاریں، ایسے اونٹوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔)

اس شخص (مالکی) کے مذکورہ بیانات سے ثابت ہوگیا کہ اس کا تعلق اہل السنۃ سے نہیں بلکہ روافض حاقدین علی اصحاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ میں نے ایک کتاب بعنوان ”الانتصار للصحابۃ الاخیار فی رد اباطیل حسن المالکی“، لکھی ہے، جس میں اس کی تمام اباطیل وخرافات کا رد کیا ہے۔

اس کتاب میں، میں نے حوض سے دور ہٹائے جانے کے تعلق سے لکھا ہے:

مالکی نے جو عدالتِ صحابہ کا انکار کیا ہے، اس کے رد کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ مالکی اپنی کتاب کے صفحہ ۶۳ میں لکھتا ہے کہ "صحابہ کرام کی مذمتِ عام میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جس میں صحابہ کے ایک جمِ غفیر کو جہنم کی طرف جاتا دیکھ کر نبی ﷺ فرمائیں گے: یہ تو میرے صحابی ہیں، یہ تو میرے صحابی ہیں۔ کہا جائے گا: آپ (ﷺ) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ (ﷺ) کے بعد کیا کیا نئے طریقے اپنا لئے۔ یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے، جبکہ صحیح بخاری میں (بقولِ مالکی) یہ الفاظ بھی وارد ہیں: [فلا أری ینجو منکم إلا مثل همل النعم] یعنی تم میں سے بہت تھوڑے لوگ "مثل همل النعم" نجات پاسکیں گے۔

اب اس مخالف و معاند کا کہنا ہے کہ صحابہ کیلئے کیا امتیاز باقی رہ گیا جبکہ نبی ﷺ نے فرمادیا کہ ان میں سے بہت تھوڑے لوگ نجات پاسکیں گے، باقی تمام جہنم میں جھونک دیے جائیں گے (والعیاذ باللہ) اس حاقد اور معاند نے یہی بات اپنی کتاب کے صفحہ ۶۴ میں دہرائی ہے۔

ہم اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں: صحیح بخاری، کتاب الرقاق کی جس حدیث کا اس نے حوالہ دیا ہے، وہ ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں (۶۵۸۷):

[بینا أنا نائم فإذا زمرة، حتی إذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم فقال: هلم، فقلت :أین ؟ قال :إلی النار واللہ! قلت: وماشأنهم ؟قال إنهم ارتدوا بعدک علی أدبارهم القهقری، ثم إذا زمرة ،حتی إذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم ، فقال: هلم ، قلت :أین ؟قال :إلی النار واللہ! قلت: ماشأنهم ؟قال: إنهم ارتدوا بعدک علی أدبارهم القهقری، فلا أراه یخلص منهم إلا مثل همل النعم]

ترجمہ: [ایک بار میں سو رہا تھا کہ میں نے ایک جماعت دیکھی جب میں ان کو پہچان چکا تو

میرے اور ان کے درمیان سے ایک شخص نکلا، اس نے کہا: ادھر آؤ، میں نے پوچھا: کہاں؟ اس نے کہا: جہنم کی طرف اللہ کی قسم، میں نے پوچھا: ان کا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: انہوں نے آپ کے بعد اپنی پشتوں کے بل پھر کر ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ پھر ایک جماعت ظاہر ہوئی، جب میں انہیں پہچان چکا تو ایک آدمی میرے اور ان کے درمیان سے برآمد ہوا، اس نے کہا: آؤ، میں نے کہا: کس طرف؟ اس نے کہا: جہنم کی طرف اللہ کی قسم، میں نے پوچھا: ان کا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: انہوں نے آپ (ﷺ) کے بعد اپنی پشتوں کے بل پھر کر ارتداد اختیار کیا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کچھ لوگ بچ کر (حوض تک پہنچ سکیں)، مگر اتنی سی تعداد میں جتنی تعداد میں بن چرواہے رات یا دن گزارنے والے اونٹ ہوتے ہیں۔]

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نبی ﷺ کا فرمان: [بین أنا نائم] اکثر نسخوں میں اسی طرح وارد ہوا ہے، جبکہ کشمیھنی کے نسخہ میں "نائم" بالنون کی بجائے "قائم" بالقاف ہے، اور یہ روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ قیام سے مراد قیامت کے دن حوض پہ کھڑا ہونا ہے، اگر "نائم" لیا جائے تو وہ بھی درست ہے، اس سے مراد یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے دنیا میں خواب میں قیامت کے دن (حوض پہ کھڑا ہونے کا) وہ منظر دیکھا (جس کا آپ ﷺ نے حدیثِ مذکور میں ذکر فرمایا ہے)

حافظ ابن حجر نے حدیث کے آخری حصہ [فلا أراه یخلص منهم إلا مثل همل النعم] کا مطلب بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حوضِ کوثر پہ وارد ہونے کیلئے قریب آئیں گے تو انہیں روک دیا جائے گا۔ (حافظ ابن حجر مزید فرماتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ ان میں سے حوضِ کوثر پر وارد ہونے والے بہت تھوڑے لوگ ہونگے؛ کیونکہ اونٹوں میں سے بن چرواہے اونٹ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

گویا مذکورہ حدیث میں وارد الفاظ "فلا أراه یخلص منهم إلا مثل همل النعم" کا

مطلب یہ ہے کہ حدیثِ مذکور میں جن دو جماعتوں کے حوض پر وارد ہونے کا ذکر ہے، ان میں سے بہت تھوڑے لوگ حوض پر وارد ہوسکیں گے، حدیثِ مذکور سے کہیں یہ ثابت نہیں ہورہا کہ آپ ﷺ پر آپ کے صحابہ کی صرف یہی دو جماعتیں پیش ہونگی۔

مالکی نے جب حدیثِ مذکور کو بیان کیا تو اس میں ایک غلط لفظ ڈال دیا، اور اسی غلط لفظ کی بنیاد پر صحابۂ کرام پر ایک غلط حکمِ عام قائم کردیا، چنانچہ اس کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری میں یوں بھی مروی ہے، "فلا اری ینجو منکم إلا مثل همل النعم" اس نے "منکم" مخاطب کے لفظ کے ساتھ حدیث بیان کی حالانکہ حدیث میں "منهم" ہے، پھر اس نے اپنے غلط لفظ "منکم" کی بنیاد پر یہ بات کہہ دی کہ صحابہ کیلئے کیا امتیاز باقی رہ گیا جبکہ نبی ﷺ نے فرمادیا کہ ان میں سے بہت تھوڑے لوگ نجات پاسکیں گے، باقی تمام جہنم میں جھونک دیے جائیں گے (والعیاذ باللہ)

نیز یہ کہہ دیا کہ نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کے صحابہ میں سے بہت کم لوگ "مثل همل النعم" نجات پاسکیں گے۔

اس نے یہ بات کہہ کر نبی ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے؛ کیونکہ نبی ﷺ نے یہ خبر نہیں دی کہ صحابۂ کرام میں سے بہت کم نجات پاسکیں گے۔ (بلکہ نبی ﷺ کی حدیث کا ملخص یہ ہے کہ قیامت کے دن جو دو جماعتیں حوض پر وارد ہونے کیلئے آئیں گی، چونکہ ان میں سے اکثر نے ارتداد اختیار کرلیا تھا لہذا ان میں سے اکثر کو حوض سے روک لیا جائے گا اور بہت کم حوض پر وارد ہونگے، گویا اس حدیث میں صحابہ کرام کا ذکر نہیں بلکہ ان تھوڑے سے لوگوں کا ذکر ہے، جنہوں نے نبی ﷺ کے دور میں اسلام قبول تو کرلیا لیکن آپ ﷺ کے فوت ہوتے ہی ارتداد اختیار کرلیا۔ مترجم)

ہوسکتا ہے مالکی کی مذکورہ بات عمداً نہ ہو بلکہ بر بنائے خطأ ہو (واللہ اعلم)

بعض احادیث میں جو یہ بات وارد ہوئی ہے، کہ آپ ﷺ کے حوض سے آپ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو دور کردیا جائے گا، اور آپ ﷺ اصحابی یا اصحابی کہیں گے، آپ ﷺ

کو جواب ملے گا کہ آپ (ﷺ) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ (ﷺ) کے بعد کیا کیا نئی چیزیں اپنالی تھیں۔ تو اس سے مراد وہ تھوڑے سے لوگ ہیں جو نبی ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے، امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان مرتدین سے قتال کیلئے اپنے لشکر روانہ کئے، جو ان مرتدین کو قتل کر کے کامیاب وکامران واپس لوٹ آئے۔

میں کہتا ہوں: اگر اس شخص (مالکی) کے زعم میں اکثر اصحابِ رسول ﷺ کا انجام جہنم کی آگ ہے اور بہت کم نجات پاسکیں گے، تو پھر یہ مالکی اپنے لئے کس قسم کا انجام سوچ بیٹھا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں اور ہر قسم کی ذلت وخذلان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

اس شخص (مالکی) کا زعم ہے کہ شرعی صحبت صرف ان مہاجرین وانصار صحابۂ کرام کو حاصل ہے جو صلح حدیبیہ سے قبل موجود تھے، صلح حدیبیہ کے بعد آنے والے اس کے زعمِ فاسد کے مطابق صحابہ کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

اب اس کا یہ قول کہ صحابہ میں سے بہت تھوڑے نجات پائیں گے، بقیہ سب جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے، اس کا اطلاق انہیں انصار ومہاجرین صحابہ پر ہوگا جو حدیبیہ سے قبل آئے، (کیونکہ وہ انہی کو صحابی مانتا ہے) تو یہ صحابہ جو اس امت کا سب سے بہترین طبقہ ہے، اگر جہنم سے نہیں بچ سکتے تو پھر امت کا وہ کون سا فرد ہے تو جہنم سے بچ سکے گا۔

یہود ونصاریٰ بھی موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کے بارہ میں وہ بات نہیں کہہ سکے جو یہ مالکی کہہ گیا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص قبح وفساد اور شر کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، جو شخص بھی اس کی یہ بات سنے گا یا بذاتِ خود پڑھے گا تو وہ یا تو اسے مفقود العقل سمجھے گا یا اسے پرلے درجے کا خبیث اور صحابۂ کرام جو امت کی سب سے افضل جماعت ہے پر حاقد قرار دے گا، خاص طور پہ اس کا یہ کہنا کہ عباس بن عبد المطلب اور ان کا بیٹا عبد اللہ صحابی نہیں تھے، اور خاص طور

پہ اس کا یہ کہنا کہ اکثر صحابہ (تھوڑی تعداد کے علاوہ) جہنم میں جائیں گے۔

پھر اگر اس شخص کے زعم کے مطابق، اکثر صحابہ (علاوہ بعض کے) جہنمی ہیں، تو کتاب وسنت تو ہم تک صحابہ کرام کے طریق ہی سے پہنچا ہے، وہی رسول اللہ ﷺ اور بعد میں آنے والے لوگوں کے درمیان واسطہ ہیں، تو پھر لوگوں کے پاس کون سا حق اور کون سی ہدایت ہے؛ کیونکہ ناقل میں قدح اور جرح منقول میں قدح اور جرح کے مترادف ہے۔

امام ابوزرعۃ الرازی (المتوفی: ۲۶۴) فرماتے ہیں: ''اذا رأیت الرجل ینتقص أحدا من أصحاب رسول اللہ ﷺ فاعلم أنه زندیق وذلک أن رسول اللہ ﷺ عندنا حق والقرآن حق، وإنما اذّی إلینا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول اللہ ﷺ وإنما یریدون أن یجرحوا شهودنا لیبطلوا الکتاب والسنة، والجرح بهم أولیٰ وهم زنادقة''

ترجمہ: ''جب تم کسی شخص کو اصحابِ رسول ﷺ پر جرح کرتے ہوئے دیکھو تو یقین کرلو کہ وہ زندیق ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں، اور قرآن بھی حق ہے، ہماری طرف قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث پہنچانے والے رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، یہ زنادقہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ان گواہوں (صحابہ کرام) پر جرح کرکے کتاب وسنت کو باطل کردیں، حالانکہ یہ خود جرح وقدح کے مستحق ہیں اور زندیق ہیں''

(الکفایة للخطیب البغدادی (ص۴۹)

مالکی کی دیگر اباطیل جنہیں اس نے اپنی کتاب ''قراء ة فی کتب العقائد ''میں ذکر کیا ہے، میں ان سے بھی پردہ اٹھانا چاہتا ہوں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ان تمام اباطیل پر اپنی کتاب ''الانتصار لاهل السنة والحدیث فی رد اباطیل حسن المالکی ''میں بلطف وزر چا کر صفایا کردونگا۔

ایمان کی تعریف اور حقیقت

۲۲. قوله: " وأن الايمان قول باللسان ، وإخلاص بالقلب، وعمل بالجوارح ،يزيد بزيادة الأعمال، وينقص بنقصها ، فيكون فيها النقص وبها الزيادة ، ولا يكمل قول الايمان إلا بالعمل ، ولاقول وعمل إلا بنية ، ولاقول وعمل ونية إلا بموافقة السنة . وأنه لايكفر أحد بذنب من أهل القبلة "

ترجمہ: "اور بے شک ایمان زبان کے اقرار، دل کے اخلاص، اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، نیکیوں کی زیادتی سے بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے، ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، ایمان کا قول، عمل کے بغیر پورا نہیں ہوتا، اور قول وعمل دونوں نیت کی درستگی کے بغیر نامکمل ہیں، اور قول، عمل اور نیت تینوں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مطابقت کے بغیر ناقابلِ قبول ہیں، اور اہلِ قبلہ میں سے کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہو جاتا"

شرح

(یہاں چند مسائل کا ذکر ہے)

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایمان کی تعریف

(۱) اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک، ایمان دل کی تصدیق، زبان کے اقرار اور اعضاء کے عمل سے بنتا ہے، ان کے نزدیک یہ تینوں امور مسمی ایمان میں داخل ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا. لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ (الانفال:۲تا۴)

ترجمہ: ”بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سچے ایمان والے یہی لوگ ہیں ان کیلئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے“

ان آیات میں قلوب و اعضاء کے تمام اعمال ایمان میں داخل کیئے گئے ہیں۔

صحیح مسلم (۵۸) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [الایمان بضع وسبعون أو بضع وستون شعبة ، فأفضلها قول لاإله الا الله ،وأدناها اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان]

یعنی: [ایمان کے ستر سے کچھ زیادہ یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شعبے ہیں، سب سے افضل ”لا إلہ الا اللہ“ کہنا ہے، اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے، اور حیاء بھی ایمان کا شعبہ ہے]

اس حدیث نے بڑی صراحت سے ثابت کیا ہے کہ دل، زبان اور اعضاء سے ادا ہونے والا ہر عمل ایمان کہلاتا ہے۔ البتہ قرآنِ حکیم کی بہت سی آیات میں جو عملِ صالح کا ایمان پر عطف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴾

ترجمہ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کی مہمان نوازی جنت الفردوس میں ہوگی) (الکھف: ۱۰۷)

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴾

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں“ (البینۃ: ۷)

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ﴾

ترجمہ: ''جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کیلئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے'' (الکھف: ۱۰۷)

ان تمام آیات میں عطف کی دلالت یہ نہیں ہے کہ اعمال، مسمیٰ ایمان میں داخل نہیں بلکہ یہ عطف، از قبیل عطف الخاص علی العام ہے، (نہ کہ برائے مغایرت)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں ایمان کے تعلق سے پایا جانے والا تفاوت، اعمال کے تفاوت کی بناء پر ہے، نیز اقوال کے بھی؛ کیونکہ قول بھی زبان کا عمل ہے، بلکہ بعض اوقات تو یہ تفاوت، عملِ قلب کی بناء پر بھی قائم ہو جاتا ہے۔

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری (۱/۴۶) میں امام نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''انتہائی ظاہر اور مختار قول کے مطابق تصدیق، جو دل کا فعل ہے، میں بھی کثرتِ نظر اور وضوحِ ادلہ کی وجہ سے کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے، اسی لئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان، دوسروں کے ایمان سے زیادہ قوی تھا؛ کیونکہ ان کے ایمان میں کسی شبہ کا کوئی شائبہ یا امکان نہیں تھا، ہماری اس بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہر شخص بذاتِ خود یہ بات جانتا ہے کہ اس کے دل کی کیفیت میں تبدیلی، تفاضل یا کمی بیشی آتی رہتی ہے، حتی کہ بعض اوقات دل زیادہ دولتِ یقین واخلاص وتوکل سے معمور ہوتا ہے اور بعض حالات میں یہ کیفیت برقرار نہیں رہتی، اسی طرح تصدیق ومعرفت میں بھی دلائل کی قوت وکثرت کی بناء پر کمی بیشی واقع ہوتی رہتی ہے'' (انتہیٰ)

(۲) ایمان کی تعریف سے عمل کو خارج کرنے والے دو گروہ ہیں، ایک جنہیں ''مرجئة الغلاة'' کہا جاتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان قبول کر لے، کامل الایمان ہوتا ہے، ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، جیسا کہ کفر کی موجودگی میں کوئی نیکی نفع نہیں دیتی۔ یہ قول بہت بڑا باطل، بلکہ کفر ہے۔

دوسرے جنہیں "مرجئة الفقهاء" کہا جاتا ہے، یہ اہلِ کوفہ ہیں جو بیشتر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں، یہ بھی مسمیٰ ایمان میں اعمال کے عدمِ دخول کے قائل ہیں، البتہ "مرجئة الغلاة" کے اس قول کے مخالف ہیں کہ ایمان کی موجودگی میں گناہ نقصان نہیں دیتا۔

بلکہ وہ گناہ پر مواخذہ اور سزا ملنے کے قائل ہیں۔

مرجئة الفقهاء کا قول بھی صحیح نہیں؛ کیونکہ اس سے بھی اہلِ کلام مرجئہ کی بدعات کا راستہ ہموار ہوتا ہے، نیز یہ فکر معاشرہ میں فسق وفجور کے پنپنے اور رواج پانے کا ذریعہ بنتا ہے، تفصیل کیلئے شرح طحاویہ (۴۷۰) ملاحظہ ہو۔

(۳) نیکی کے کاموں سے ایمان بڑھتا ہے، جبکہ معصیتوں کے ارتکاب سے گھٹتا ہے۔

زیادتی ایمان کی ادلہ، درج ذیل آیات ہیں:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴾ (الانفال:۲)

ترجمہ "بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں"

نیز فرمایا: ﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾ (التوبہ:۱۲۴)

ترجمہ: "سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا"

نیز فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا ﴾

ترجمہ: "وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں" (الفتح:۴)

نیز فرمایا: ﴿ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَ

هُمْ اِیْمَانًا ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

ترجمہ: "وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا"

نیز فرمایا: ﴿ وَلَمَّا رَاَى الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴾ (الاحزاب:۲۲)

ترجمہ: "اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (بے ساختہ) کہہ اٹھے! کہ انہی کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شیوۂ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا"

ایمان کے کم ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے:

[من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ،فإن لم يستطع فبلسانه ، فإن لم يستطع فبقلبه ،وذلك اضعف الايمان]

ترجمہ: [جو شخص تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر ہاتھ سے طاقت نہ ہو تو زبان سے اصلاح کرے، اگر زبان کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل میں برا جانے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے] (صحیح مسلم (۷۸)

ایمان کے کم ہونے کی ایک اور دلیل، حدیثِ شفاعت بھی ہے، جس میں ان لوگوں کے جہنم سے نکالنے کا ذکر ہے، جن کے دلوں میں ایمان ایک رائی کے دانے کی صورت ہوگا۔ (دیکھیے صحیح بخاری (۷۴۳۹) اور صحیح مسلم (۳۰۲) بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ)

وہ حدیث بھی ایمان کی کمی کی دلیل ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو ناقصاتِ عقل ودین قرار دیا ہے۔ (صحیح بخاری (۳۰۴) صحیح مسلم (۱۳۲)

حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/۴۷) میں فرماتے ہیں: امام لالکائی نے صحیح سند کے ساتھ امام

بخاری رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں "لقیت أکثر من ألف رجل من العلماء بالامصار ، فما رأیت أحدا منهم یختلف فی أن الایمان قول وعمل ویزید وینقص"

یعنی: میں مختلف شہروں میں ایک ہزار سے زائد علماء و محدثین سے مل چکا ہوں سب کا یہ عقیدہ تھا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، اور بڑھتا اور گھٹتا ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں تھا۔

امام ابنِ ابی حاتم الرازی اور امام لالکائی نے اپنی اسانید سے صحابہ اور تابعین کے ایک جمِ غفیر سے ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کے اقوال نقل فرمائے ہیں، ان میں ایسے صحابہ اور تابعین کے نام بھی ہیں جن پر اجماع دائر ہوتا ہے۔ قاضی فضیل ابن عیاض اور امام وکیع نے ایمان کی کمی وبیشی کو اہل السنۃ والجماعۃ کا قول قرار دیا ہے۔

(۴) "اسلام" اور "ایمان" ان الفاظ میں سے ہیں جو کسی جملے میں اکھٹے مذکور ہوں تو ان کے معنی میں فرق ہوتا ہے اور جب دونوں میں سے ہر کوئی الگ الگ ذکر کیا جائے تو دونوں ایک دوسرے کا معنی دیتے ہیں، چنانچہ حدیث جبریل میں اسلام اور ایمان کو جمع کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ سے جب ایمان کی بابت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سوال کا وہ جواب دیا جو ایمان کے لغوی معنی کے مناسب ومطابق تھا، (یعنی: باطنی امور) آپ ﷺ نے فرمایا:

[أن تؤمن باللہ وملا ئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ]

ترجمہ: [یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے، اور تقدیر پر خواہ اچھی ہو یا بُری]

اور جب آپ ﷺ سے اسلام کی بابت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سوال کا وہ جواب دیا جو اسلام کے لغوی معنی کے مناسب ومطابق تھا (یعنی: ظاہری امور) آپ ﷺ نے فرمایا:

[أن تشهد أن لاالـہ الا اللہ وأن محمدا رسول اللہ وتقیم الصلاۃ ، وتؤتی

الزکوۃ،و تصوم رمضان ، وتحج البیت إن استطعت إلیه سبیلا]

ترجمہ:[یہ کہ تو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرے، اور زکوۃ دے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کا حج کرے اگر استطاعت ہو۔]

اگر لفظِ اسلام کہیں اکیلا مذکور ہو، لفظِ ایمان کے ساتھ مقترن نہ ہو تو اس کا معنی ظاہری و باطنی تمام امور کو شامل ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر لفظِ ایمان، لفظِ اسلام کے بغیر مستعمل ہو تو وہ بھی تمام ظاہری و باطنی امور کو شامل ہو سکتا ہے۔

کلامِ عرب میں اس قسم کے بہت سے مرادفات ہیں، جیسے لفظِ فقیر اور مسکین، اور جیسے لفظِ البر اور التقوی وغیرہ۔

(۵) ایمان میں تین چیزوں کا اجتماع ضروری ہے: اعتقاد، قول، اور عمل۔

اعتقاد اور قول، عمل کے بغیر کافی نہیں، اور ہر قول و عمل کیلئے نیت کا ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:[انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ ما نوی]

یعنی:[تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اور انسان کو اس کے عمل سے وہی ملے گا جو اس نے نیت کی] (صحیح بخاری (۱) اور صحیح مسلم (۱۹۰۷)

اگر قول، عمل اور نیت تینوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں تو یہ اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتیں جب تک رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہوں؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد]

ترجمہ:[جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز جاری کی وہ مردود ہوگی] (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں:

[من عمل عملا لیس علیه أمرنا فهو رد] یعنی:[جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا

امر یا تصدیق نہ ہو تو وہ مردود ہے]

(۶) مؤلف نے فرمایا ہے:''ولا یکفر احد بذنب من أهل القبلة''یعنی:''اہل قبلہ میں سے کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہو جاتا۔''

البتہ اگر کوئی شخص دین کے کسی ایسے عمل کا، جس کا وجوب بداہۃً وظاہراً ثابت ہو، انکار کردے، مثلاً: نماز، زکوۃ، روزہ اور حج، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دین کے کسی ایسے مسئلے کی تحریم کا انکار کردے، جس کی تحریم ظاہراً وبداہۃً ثابت ہو، مثلاً: شراب نوشی، اور زنا وغیرہ تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرلے، بشرطیکہ وہ اس کے ارتکاب کو جائز اور حلال نہ مانتا ہو، تو اہل السنۃ کے نزدیک وہ مؤمن ہے، البتہ اس کا ایمان ناقص ہے، اگر توبہ کئے بغیر مر گیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا، چاہے عذاب دے دے، اور چاہے معاف فرمادے۔ اگر عذاب دے گا تو اسے جہنم میں ہمیشہ نہیں رکھے گا۔

اہل السنۃ کے اس قول کی فرقہ معتزلہ اور خوارج نے مخالفت کی ہے، ان کے نزدیک گناہِ کبیرہ کا مرتکب، دنیا میں ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، اور آخرت میں جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

برزخی حیات

۲۳. قولہ: "وأن الشهداء أحياء عند ربهم يرزقون ، وأرواح أهل السعادة باقية ناعمة إلى يوم يبعثون ،وأرواح أهل الشقاوة معذبة إلى يوم الدين."

ترجمہ: "شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں، نیک لوگوں کی روحیں قیامت قائم ہونے تک نعمتوں سے متمتع ہوتی رہیں گی ،جبکہ بُرے لوگوں کی روحیں قیامت تک مبتلائے عذاب رہیں گی۔"

شرح

شہداء کی برزخی زندگی اور اس کی نعمتوں کا بیان

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

ترجمہ: "جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیے جاتے ہیں (آل عمران:۱۶۹)

نیز فرمایا:﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۵۴)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے"

یہ حقیقی برزخی حیات کہلاتی ہے، جس کی کیفیت اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں یہ بیان ہے کہ شہداء کی روحیں سرسبز پرندوں کے اجواف میں ہوتی ہیں، جبکہ دیگر اہلِ ایمان کی روحیں ایک پرندے کی صورت میں ہوتی ہیں۔ (جنت کے اندر)

قبر میں مؤمنوں کو نعمتیں حاصل ہوتی ہے اور کافروں کو عذاب

مؤمن کی قبر میں جنت کا بستر بچھایا جاتا ہے، ایک دروازہ جنت کی طرف کھول دیا جاتا ہے جہاں سے مسلسل جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں پہنچتی رہتی ہیں، اور اس کی قبر کو تاحدِ نگاہ کشادہ کر دیا جاتا ہے۔

جبکہ کافر کی قبر میں جہنم کا بستر بچھایا دیا جاتا ہے، اور ایک دروازہ جہنم کی طرف کھول دیا جاتا ہے، جہاں سے مسلسل جہنم کی گرم ہوائیں پہنچتی رہتی ہیں، قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔

یہ تمام احادیث مع تخریج گزر چکی ہیں۔



قبر کا فتنہ اور امتحان

۲۴۔ قوله: " وأن المؤمنين يفتنون في قبورهم ويسألون ، ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. ﴾ (ابراهيم:۲۷)

ترجمہ: مؤمنین کو ان کی قبروں میں آزمائش اور امتحان کے مرحلے سے گزارا جائے گا۔ "اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے"

شرح

تمام لوگ اپنی قبروں میں آزمائش اور امتحان (منکر نکیر کے سوالات) کے مرحلے سے دوچار ہونگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیوی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔

قبر کے فتنہ اور سوال کے حوالے سے بہت سی احادیث وارد ہیں، امام بخاری اپنی صحیح (۸۶) میں فاطمہ بنت منذر سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے اسماء سے اور اسماء نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے، سورج گرہن کے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

ترجمہ:[جو چیزیں میں آج تک نہیں دکھایا گیا تھا، آج میں نے اپنے اس مقام میں دیکھ لیں، حتی کہ جنت اور جہنم بھی، اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کر کے بتایا کہ تم اپنی قبروں کے اندر فتنے میں ڈالے جاتے ہو، اور یہ فتنہ، دجال کے فتنے کے مثل یا قریب ہے، (فاطمہ بنت منذر کا کہنا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اسماء نے کون سا لفظ ذکر کیا)

پوچھا جائے گا: اس آدمی کے بارہ میں تم کیا جانتے ہو؟

مؤمن یا موقن (وہ شخص جسے یقین کی نعمت میسر ہو، فاطمہ کا کہنا ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ استعمال کیا) کہے گا: وہ محمد ﷺ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ہمارے پاس بینات اور ہدایت لیکر آئے، ہم نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور آپ ﷺ کی اتباع اختیار کر لی، وہ محمد ﷺ ہیں۔ (یہ لفظ تین بار کہے گا)

اس سے کہا جائے گا: تم میٹھی نیند سو جاؤ، ہمیں پتا چل گیا تھا کہ تم خوب یقین کی نعمت سے مالا مال ہو۔

منافق یا مرتاب (یعنی وہ شخص جو شک وشبہ میں مبتلا ہو، فاطمہ کہتی ہیں مجھے یاد نہیں کہ اسماء نے کون سا لفظ کہا تھا) سے جب یہی سوال ہوگا تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، میں نے تو لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا اور وہی کہنا شروع کر دیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح (۴۶۹۹) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[المسلم إذا سئل في القبر يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، فذلك قوله: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ

الدُّنیَا وَفِی الْآخِرَةِ. ﴾]

ترجمہ: [مسلمان جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی گواہی مراد ہے ''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے''] (یعنی قولِ ثابت سے مراد کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت قدمی کے ملنے سے مراد قبر میں اس کلمہ کو پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمانا ہے، جو کامیابی کی علامت ہے، قبر میں اور قیامت کے دن)

مسند احمد میں، بسندِ حسن، براء بن عازب ﷛ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: [قبر میں مؤمن کے پاس دو فرشتے آئیں گے، اسے بٹھالیں گے اور پوچھیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے۔ وہ پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دے گا: میرا دین اسلام ہے۔ وہ پوچھیں گے: جو شخص تم میں مبعوث ہوا وہ کیا ہے؟ کہے گا: وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔

جب کہ کافر کے پاس وہی دونوں فرشتے آئیں گے، اسے بٹھالیں گے، اور پوچھیں گے: تیرا رب کون ہے؟ جواب دے گا: ہائے افسوس مجھے معلوم نہیں۔ وہ پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دے گا: ہائے افسوس مجھے معلوم نہیں۔ وہ پوچھیں گے: جو شخص تم میں مبعوث ہوا کون ہے؟ جواب دے گا: ہائے افسوس مجھے معلوم نہیں۔]

مصنف عبدالرزاق (۶۷۴۴) میں ابن جریج کے طریق سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے ابو الزبیر نے یہ حدیث سنائی، انہوں نے جابر بن عبداللہ الانصاری سے سنی، فرماتے ہیں:

[بے شک یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے، ایک مؤمن جب اپنی قبر میں داخل ہوجاتا ہے اور اس کے دوست واحباب اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، تو ایک فرشتہ شدید غیظ وغضب کی حالت میں آکر، ڈانٹ ڈپٹ کے انداز میں پوچھتا ہے: اس شخص کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو؟

مؤمن جواب دیتا ہے: وہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ فرشتہ کہتا ہے: ذرا اپنے اس ٹھکانے کو دیکھو جو تمہارے لئے پہلے جہنم میں بنایا گیا تھا، جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نجات دے دی ہے، اور اس کے بدلے میں جنت کا ٹھکانہ عطا فرمادیا ہے۔

مؤمن ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا، پھر خوشی سے کہے گا: میں اپنے اہل کو خوشخبری دے آؤں؟ کہا جائے گا: یہیں پرسکون رہو، اب یہ تمہارا ہمیشہ کا مستقل ٹھکانہ ہے۔

منافق کو جب اس کے ساتھی دفن کر کے چلے جاتے ہیں، تو اس سے فرشتہ پوچھتا ہے: تیرا اس شخص کے بارہ میں کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے: مجھے معلوم نہیں، میں تو وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہا کرتے تھے۔ فرشتہ کہے گا: تو نے کچھ نہ جانا، اب ذرا اپنا وہ ٹھکانہ دیکھ لے جو پہلے تیرے لئے جنت میں تیار کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے جہنم کا ٹھکانہ تیار کردیا ہے۔]

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ مرفوع کے حکم میں ہے (اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی اس قسم کی خبر اپنے رائے سے نہیں دے سکتا لہذا وہ حدیث جو صحابی پر موقوف ہو لیکن مضمونِ حدیث ایسا ہو جس میں ذاتی رائے کی گنجائش نہ ہو تو اسے علماء نے مرفوع کا حکم دیا ہے۔ ملاحظہ ہو الفیۃ الحدیث للامام العراقی وغیرہ)

امام مسلم نے اپنی صحیح (۵۸۸) میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے: [إذا تشهد أحدكم فليستعذ بالله من أربع ، يقول : اللهم إني اعوذبك من عذاب جهنم ، ومن عذاب القبر ، ومن فتنة المحيا والممات ، ومن شر فتنة المسيح الدجال]

ترجمہ: [جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں تشہد پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کی چار چیزوں سے پناہ طلب کرے، یوں کہے: اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور قبر کے عذاب سے بھی، اور زندگی اور موت کے فتنہ سے بھی، اور مسیحِ دجال کے فتنہ کے شر سے بھی (تیری پناہ میں آتا ہوں)]

صحیح بخاری (۱۳۷۷) میں ہے:

عن ابی ھریرۃ ﷜ قال: [کان رسول اللہ ﷺ یدعو: اللھم إنی اعوذبک من عذاب القبر، ومن عذاب النار، ومن فتنۃ المحیا والممات، ومن فتنۃالمسیح الدجال]

ترجمہ: ابوھریرۃ﷜ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: [رسول اللہﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ میں عذاب قبر سے، عذاب جہنم سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں]

یہ تین امور، جن کی بابت قبر میں سوال کیا جائے گا، (یعنی: من ربک ؟ ما دینک ؟من نبیک؟) عباس بن عبدالمطلب﷜ کی ایک حدیث میں اکٹھے ذکر ہوئے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم (۵۶) میں ہے، عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

[ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا ، وبالاسلام دینا، وبمحمد رسولا]

یعنی: [اس شخص نے ایمان کی حلاوت چکھ لی جو اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمدﷺ کو رسول مان کر راضی ہوگیا]

انہی تین امور کا صبح وشام کے اذکار میں بھی ذکر ہے، اس کے علاوہ اذان کی دعا میں بھی یہ تینوں امور مذکور ہیں۔(اس سے شریعت کی یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے، کہ چونکہ یہ تینوں سوال قبر میں پوچھے جائیں گے، اور قبر قیامت کی پہلی گھاٹی ہے، لہذا بندہ ہر روز بار بار ان تینوں امور کو دہراتا رہے، چنانچہ صبح وشام کے اذکار میں، اور پنج وقتہ نمازوں کی اذانوں کے جواب میں یہ تینوں چیزیں یعنی: اللہ پر ایمان، رسول پر ایمان اور دین اسلام کا اقرار، شامل رکھی گئیں، ہم صحیح فہم کے ساتھ یہ دعائیں پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ امتحانِ قبر میں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرمائے)

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے ایک انتہائی نفیس رسالہ بنام ''الاصول الثلاثة وادلتها'' تألیف فرمایا ہے، اس رسالہ کی بنیاد یہی تین امور ہیں۔ چنانچہ اصولِ ثلاثہ سے ان کی مراد یہی تین چیزیں ہیں: معرفتِ رب، معرفتِ دین، اور معرفتِ نبی ﷺ۔ یہ رسالہ ہر شخص اور ہر طالب علم کی ضرورت ہے، کوئی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔



فرشتوں پر ایمان کی حقیقت

۲۵. " وأن على العباد حفظة يكتبون أعمالهم، ولا يسقط شيء من ذلك عن علم ربهم، وأن ملك الموت يقبض الأرواح بإذن ربه. "

ترجمہ: ''بندوں پر نگران فرشتے مقرر ہیں، جو ان کے اعمال لکھتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم سے بھی کوئی عمل ساقط نہیں ہوتا (خواہ فرشتے لکھیں یا نہ) اور ملک الموت فرشتہ اللہ کے اذن سے روحیں قبض کرتا ہے۔''

شرح

ایمان کے چھ اصولوں میں سے ایک اصل فرشتوں پر ایمان لانا ہے، یہ چھ اصول حدیثِ جبریل میں مذکور ہیں:

[أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشره]

ترجمہ: [یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے، اور تقدیر پر خواہ اچھی ہو یا بُری]

فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اس کی دلیل، صحیح مسلم (۲۹۹۶) میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [خلقت الملائكة من نور، وخلق الجان من مارج من نار، وخلق آدم مما وصف لكم]

یعنی: [فرشتوں کو نور سے، اور جنوں کو آگ کے بہت بھڑکنے والے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے، جبکہ آدم کو جس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ تمہیں بتادی گئی ہے (یعنی مٹی)۔]

فرشتوں کے پر بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

ترجمہ: ”اس اللہ کیلئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور دو دو، تین تین، چار چار، پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے والا ہے، مخلوق میں جو چاہے زیادتی کرتا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے“

جبریل امین کے چھ سو پر ہیں۔ (صحیح بخاری (۳۲۳۲) اور صحیح مسلم (۲۸۰)

فرشتے، انسانوں کے پاس اپنی اس ہیئت یا شکل میں نہیں آتے جن پر انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، بلکہ دیگر شکلوں میں آتے ہیں، جیسا کہ جبریل علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک غیر معروف آدمی کی شکل میں آنا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث جبریل، جو امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے، اور یہ صحیح مسلم میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث ہے۔

اسی طرح جبریل علیہ السلام، دحیہ بن خلیفہ الکلبی کی شکل میں بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے، مریم علیہا السلام کے پاس بھی بصورت بشر آئے۔ ملائکہ ابراهیم علیہ السلام کے پاس بھی انسانی شکل میں آئے تھے، جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے:

﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴾ (الحجر:۵۱)

ترجمہ: ''انہیں ابراھیم کے مہمانوں کا (بھی) حال سنا دو''

نیز فرمایا: ﴿ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾ (الذاريات:۲۴)

ترجمہ: ''کیا تجھے ابراھیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟''

فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جسے اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ''البیت المعمور'' جو ساتویں آسمان میں فرشتوں کی مسجد ہے میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، اور جو فرشتہ ایک بار داخل ہو جاتا ہے دوبارہ نہیں لوٹ پاتا۔ (صحیح بخاری (۳۲۰۷) اور صحیح مسلم (۲۵۹)

فرشتوں کی کثرتِ تعداد کی ایک اور دلیل، صحیح مسلم (۲۸۴۲) کی یہ حدیث ہے:

عن عبد الله ابن مسعود ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: [يؤتى بجهنم يومئذ لها سبعون ألف زمام مع كل زمام سبعون ألف ملك يجرونها]

عبداللہ بن مسعود ﷺ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [قیامت کے دن جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ وہ ستر ہزار لگاموں میں جکڑی ہوگی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کی ڈیوٹی ہوگی، جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔] (صرف ان فرشتوں کی تعداد چار ارب نوے کروڑ بنتی ہے)

فرشتوں میں سے کچھ تو وحی پہنچانے پر مامور ہیں، کچھ بارش برسانے پر، کچھ موت پر، کچھ عورتوں کے ارحام پر، کچھ بندوں کی حفاظت پر، کچھ جنت پر، کچھ جہنم پر، اور کچھ ان کے علاوہ دیگر ڈیوٹیوں پر مقرر ہیں۔ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے امر پر سر جھکانے والے اور فوری اطاعت کرنے والے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے کسی امر کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ انجام دیتے ہیں جن کا انہیں پروردگار کی طرف سے حکم ملتا ہے، قرآن وحدیث میں فرشتوں کی بابت جو خبریں وارد ہوئی ہیں، ان پر ایمان لانا اور مکمل تصدیق کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

(۲) ملائکہ کی ایک بڑی تعداد کو، انسانوں کی حفاظت اور ان کے اعمال کی کتابت کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ . كِرَامًا كَاتِبِيْنَ . يَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''یقیناً تم پر نگہبان عزت والے۔ لکھنے والے مقرر ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں'' (الانفطار: ۱۰ تا ۱۲)

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَاتُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ. مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّالَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ (ق: ۱۶ تا ۱۸)

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں، جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے، انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے''

وہ فرشتے جنہیں بندوں کے اعمال کی کتابت کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے، وہ بندوں کے تمام اعمال واقوال لکھ لیتے ہیں، حتی کہ بندے اگر کسی نیکی یا بدی کا ارادہ کریں تو وہ بھی نوٹ کر لیتے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری (۷۵۰۱) اور صحیح مسلم (۲۰۳) میں ہے:

عن ابی هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: [يقول الله : إذا اراد عبدی ان يعمل سيئة فلا تكتبوها عليه حتى يعملها ، فإن عملها فاكتبوها بمثلها ، وإن تركها من أجلي فاكتبوها له حسنة، وإن اراد أن يعمل حسنة فلم يعملها فاكتبوها لها حسنة ،فإن عملها فاكتبوها له بعشر أمثالها إلى سبعمأة]

ترجمہ: ابو ھریرۃ ﷜ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [جب میرا

بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے اس وقت تک نہ لکھو جب تک کر نہ لے اور جب کر لے تو ایک ہی گناہ لکھو، اور اگر اسے میرے خوف سے چھوڑ دے تو اس کیلئے ایک نیکی لکھ دو۔ اور جب بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرلے، تو اگر وہ نیکی نہ کر سکا تو بھی اس کیلئے ایک نیکی لکھ دو، اور اگر اس نے وہ نیکی کرلی، تو اسے دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک بڑھا کر لکھ دو۔]

اور جہاں تک فرشتوں کو انسانوں کی حفاظت کی ڈیوٹی سونپنے کا تعلق ہے، تو یہ ان امور سے حفاظت ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا اور حکم فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لَهُ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾

ترجمہ: ''اس کے پہرے دار انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں'' (الرعد:۱۱)

واضح ہو کہ بندوں کے اعمال واقوال، فرشتے لکھیں یا نہ لکھیں، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، (یعنی اللہ تعالیٰ اعمال واقوال کے علم کیلئے ملائکہ کی کتابت کا محتاج نہیں ہے)

اللہ رب العزت نے کتابت کا حکم اس لئے فرما رکھا ہے کہ فرشتے بندوں کے اعمال واقوال کا شمار واحصاء کرکے، قیامت کے دن بندوں کو آگاہ کردیں، یوں اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا اظہار واعلان ہوگا، اور اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے نیک اعمال سے باخبر کردے گا (اور انہیں ان کا عظیم صلہ عطا فرمادے گا) اور بُرے اعمال کی اطلاع دے کر انہیں ان کی سزا دے گا، جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾

ترجمہ: ''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔'' (الزلزال:۷...۸)

گناہوں میں سے شرک کی سزا تو لازمی ملے گی، دیگر گناہوں کی سزا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے

تحت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے'' (النساء:۴۸)

(۳) ملائکہ پر ایمان لانے میں، ان ملائکہ پر ایمان لانا بھی شامل ہے، جنہیں موت (قبضِ ارواح) کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے۔

قرآنِ حکیم میں ''اَلتَّوَفِّی'' یعنی موت دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے اور ملائکہ کی طرف بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اس آیتِ کریمہ میں مذکور ہے:

﴿ اَللهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ (الزمر:۴۲)

ترجمہ: ''اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کرلیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کیلئے چھوڑ دیتا ہے''

ملائکہ کی طرف موت دینے کی نسبت اس آیتِ کریمہ میں مذکور ہے:

﴿ حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴾ (الانعام:۶۱)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچتی ہے تو اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کرلیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے''

جب کہ ایک مقام پر ملک الموت کی طرف بھی موت دینے کی نسبت مذکور ہے:

﴿ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجئے! کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم سب

اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے" (السجدة: 11)

واضح ہو کہ موت دینے سے متعلق، ان تین مختلف نسبتوں میں کوئی منافات یا تعارض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف موت دینے کی نسبت اس لیئے ہے کہ وہ موت کا حکم اور فیصلہ فرمانے والا ہے، وہی موت کا مقدر و موجد ہے، اور ملک الموت کی طرف اس لئے نسبت ہے کہ وہ مباشرۃً (یعنی اپنے ہاتھوں سے) روح قبض کرتا ہے، جبکہ ملائکہ کی طرف موت دینے کی نسبت اس لئے وارد ہوئی ہے کہ وہ ملک الموت سے، جب وہ روح قبض کر لیتا ہے، لے لیتے ہیں (اور اسے اس کے اصل ٹھکانے تک پہنچا دیتے ہیں)

ان تمام امور کا بیان مسند احمد کی ایک حدیث (۱۸۵۳۴) میں وارد ہے، جو براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بسندِ حسن مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[بندۂ مؤمن پر جب دنیا سے قطعِ تعلق اور آخرت کے سفر پر روانگی کا وقت آتا ہے تو آسمان سے روشن چہرہ فرشتے نازل ہوتے ہیں، شدید روشنی کی وجہ سے ان کے چہرے سورج معلوم ہوتے ہیں ان کے ساتھ جنت کے کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے، وہ اس بندے سے نگاہ بھر کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت علیہ السلام آ جاتا ہے، اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے: اے نفسِ طیبہ اپنے پروردگار کی مغفرت اور رضاء کی طرف نکل جا۔ اس کی روح اس طرح نکلتی ہے جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ بہتے ہوئے نکل جاتا ہے۔ ملک الموت اس روح کو پکڑ لیتا ہے اور جونہی پکڑتا ہے وہ فرشتے فوراً پہنچ جاتے ہیں اور پلک جھپکنے کے اندر ہی ملک الموت سے اس روح کو لے لیتے ہیں، اور اسے جنت کا کفن پہنا کر خوشبوؤں سے معطر کر دیتے ہیں، چنانچہ اس روح سے روئے زمین پر پائی جانے والی سب سے عمدہ خوشبو کے بھبکے نکلتے رہتے ہیں.....

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا) کافر پر جب دنیا کو چھوڑ کر آخرت کے سفر پہ روانگی کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے اپنے ہاتھوں میں ٹاٹ لئے اترتے ہیں، اور اس

سے نگاہ بھر کی دوری پہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت فرشتہ اترتا ہے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے: اے نفسِ خبیثہ! تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کی طرف نکل جا، پھر وہ اس کے جسم سے روح کو اس طرح نکالتا ہے جیسے بھیگی ہوئی اون سے لوہے کی سیخ کھینچ کر نکالی جاتی ہے۔

جب ملک الموت اس کی روح نکال لیتا ہے، وہ فرشتے پلک جھپکنے کے اندر اس روح کو لے لیتے ہیں اور اس ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں، اور اس میں سے روئے زمین پر موجود سب سے بدبودار مردار کی بدبو کے بھبکے پھوٹتے ہیں۔



صحابۂ کرام کا بیان

۲۶۔ "وأن خير القرون القرن الذين رأوا رسول الله ﷺ وآمنوا به، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، وأفضل الصحابة الخلفاء الراشدون المهديون؛ أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم أجمعين.

وأن لا يذكر أحد من صحابة الرسول ﷺ إلا بأحسن ذكر، والإمساك عما شجر بينهم، وأنهم أحق الناس أن يلتمس لهم أحسن المخارج، ويظن بهم احسن المذاهب"

ترجمہ: "اور بے شک سب سے بہترین زمانہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بحالت ایمان رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر ان لوگوں کا جو صحابہ کے بعد آئے، پھر ان کے بعد آنے والوں کا۔ صحابہ کرام میں سے سب سے افضل خلفاءِ راشدین ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں، وہ ابوبکر صدیق پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنھم اجمعین ہیں۔"

ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کو اچھے ذکر سے یاد کیا جائے، ان کے آپس

کے مشاجرات واختلافات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے، وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ (ان کے مشاجرات میں) ان کیلئے بہتر مخرج تلاش کیا جائے، اور ان کے بارہ میں سب سے اچھا گمان قائم کیا جائے۔

شرح

(یہاں بہت سے مسائل مذکور ہیں)

(۱) سب سے پہلے صحابی کی تعریف، صحابی ہر وہ شخص ہے جو ایمان کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ کو ملا ہو اور اسلام ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ یہ تعریف حافظ ابنِ حجر نے اپنی کتاب ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' کے مقدمہ (ص:۱۰) میں نقل فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: ''وأصح ما وقفت علیه من ذلک أن الصحابی من لقی النبی ﷺ مؤمنا به ومات علی الاسلام'' یعنی: میرے علم کے مطابق صحابی کی سب سے صحیح تعریف یہ ہے کہ جو نبی ﷺ پر ایمان کے ساتھ، نبی ﷺ کو ملا ہو اور اسلام ہی پر فوت ہوا ہو۔

حافظ ابنِ حجر (ص:۱۲) میں مزید فرماتے ہیں: ''یہ تعریف محققین مثلاً: امام بخاری اور ان کے شیخ امام احمد بن حنبل اور ان کے اتباع، کے نزدیک سب سے اصح اور پسندیدہ قرار پائی ہے۔

حافظ ابنِ حجر، اس تعریف کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تعریف میں ''نبی ﷺ سے ملنے'' کی جو قید ہے اس میں ہر وہ صحابی داخل ہے جسے نبی ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، خواہ صحبت طویل رہی یا مختصر، خواہ آپ ﷺ سے حدیث روایت کی یا نہ، اور خواہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی غزوہ کیا یا نہ۔ اسی طرح یہ تعریف اس صحابی کو بھی شامل ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو، خواہ مجالست کا شرف نہ ملا ہو۔ اسی طرح یہ تعریف اس صحابی کو بھی شامل ہے جس نے کسی عارضے کی وجہ سے نبی ﷺ کو نہ دیکھا ہو، مثلاً: اندھاپن وغیرہ۔

''بحالتِ ایمان'' دیکھنے کی قید سے وہ شخص نکل گیا جس نے آپ ﷺ کو بحالتِ کفر دیکھا،

خواہ بعد میں اسلام قبول کرلیا ہو، بشرطیکہ دوبارہ آپ ﷺ سے نہ ملا ہو۔

''نبی ﷺ پر ایمان'' کی قید سے وہ شخص خارج ہوگیا جو کسی اور پر ایمان رکھتا ہو، مثلاً: وہ مؤمن اہلِ کتاب جو بعثت سے قبل آپ ﷺ سے ملے تھے۔ البتہ وہ اہلِ کتاب جنہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور اس بات پر ایمان واقرار کا اظہار کیا کہ عنقریب آپ ﷺ کی بعثت ہونے والی ہے، ان پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں، اس بارہ میں علماء کی دونوں رائیں ملتی ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں راہب بحیرا، اور اس جیسے دیگر لوگ شامل ہیں۔

آپ ﷺ پر ایمان لانے کی قید میں ہر مکلّف داخل ہے، خواہ وہ انسان ہو یا جن۔

''اسلام پر فوت ہونے'' کی قید سے وہ لوگ زمرۂ صحابیت سے خارج ہوگئے جنہوں نے بحالتِ ایمان آپ ﷺ سے ملاقات تو کی، لیکن مرتد ہوکر مرے (والعیاذ باللہ)

اس زمرہ میں بہت تھوڑے لوگوں کا نام آتا ہے، ان میں سے ایک عبید اللہ بن جحش ہے، جو امِ حبیبۃ کا شوہر تھا، یہ شخص اُمِ حبیبۃ کے ساتھ ہی اسلام لایا تھا، بلکہ حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی، لیکن بعد میں نصرانی ہوگیا اور نصرانیت پر ہی مرگیا۔

دوسرا نام عبد اللہ بن خطل کا ہے، جسے فتح مکہ کے موقعہ پر جبکہ وہ غلاف کعبہ سے لٹکا ہوا تھا (نبی ﷺ کے حکم پر) قتل کردیا گیا تھا۔

ایک اور نام ربیعہ بن امیہ بن خلف کا ہے، میں اس کا تفصیلی ذکر اپنی کتاب ''الاصابۃ'' کی چوتھی قسم، ''حرف الراء'' میں کرونگا۔

اس قید، یعنی ''اسلام پر فوت ہوا ہو'' کے تحت وہ شخص بھی زمرۂ صحابیت میں داخل ہوگا جو نبی ﷺ پر ایمان لاکر مرتد ہوگیا، لیکن موت سے قبل دوبارہ اسلام قبول کرلیا، خواہ دوبارہ اسلام قبول کرنے کے بعد نبی ﷺ سے ملا ہو یا نہ۔ یہی بات صحیح اور معتمد ہے۔

اس میں پہلی شق یعنی دوبارہ اسلام قبول کرنے کے بعد نبی ﷺ سے ملا ہو، کی صورت میں اس

کے صحابی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن دوسری شق یعنی دوبارہ ملاقات نہ ہونے کی صورت میں بعض لوگوں نے اس کے صحابی ہونے کو تسلیم نہیں کیا، لیکن یہ احتمال مردود ہے؛ کیونکہ تمام اہل الحدیث کا اشعث بن قیس کو صحابہ کی فہرست میں شامل کرنے پر اور اس کی احادیث کو اپنی صحاح ومسانید میں روایت کرنے پر اجماع ہے، حالانکہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہوگیا تھا، پھر دوبارہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلام قبول کیا تھا۔

ابن ابی زید (مؤلف) کا یہ فرمانا: ''اور بے شک سب سے بہترین زمانہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بحالتِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا'' اس قول کے بالکل مطابق اور موافق ہے، جو حافظ ابنِ حجر نے امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور ان کے اتباع کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت، دونوں چیزوں سے مشرف ہوگیا، اسے شرفِ صحابیت حاصل ہوگیا۔ یہ بات اِس دور کی پیداوار، مبتدع شخص (مالکی) کے قول کے خلاف ہے، جس کا ذکر حوضِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث میں گزر چکا ہے۔ جس کذب اور بہتان پر مبنی یہ زعمِ باطل ہے کہ صلحِ حدیبیہ کے بعد اسلام لانے والے اور ہجرت کرنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہیں ہیں، بلکہ ان کی صحبت کفار ومنافقین کی صحبت کی مانند ہے، میں نے اس ظالمانہ زعم کا بطلان اپنی کتاب ''الانتصار للصحابة الاخيار في رد أباطيل حسن المالكي'' میں بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے۔

فضائلِ صحابہ کتاب وسنت سے

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، اس امت کے سب سے بہترین انسان ہیں، اور یہ امت، سابقہ تمام امتوں سے افضل ہے۔ صحابۂ کرام کے بعد، تابعین اور ان کے بعد، تبع تابعین کا درجہ اور مقام ہے، قرآن وحدیث میں صحابۂ کرام کی فضیلت وذہانت کا جابجا تذکرہ موجود ہے۔ قرآنِ حکیم کی چند آیات ملاحظہ ہوں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ (التوبۃ:۱۰۰)

ترجمہ: ’’اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے‘‘

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ إلى قوله ﴿ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: ’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع، اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے‘‘

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ﴾ (الحدید:۱۰)

ترجمہ: ’’تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے

فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے"

نیز فرمایا: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحشر:۸تا۱۰)

ترجمہ: "(نیز یہ مال) ان فقراء مہاجرین کیلئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز ہیں۔ اور (ان کیلئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔ اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے"

اب چند احادیث جو صحابہ کرام کی فضیلت پر مشتمل ہیں پیش کی جاتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:[خير الناس قرني ،ثم الذين يلونهم ،ثم الذين يلونهم] یعنی:[سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے] (صحیح بخاری (۳۶۵۱) اور صحیح مسلم)

یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، اور الفاظ صحیح بخاری کے ہیں جبکہ بخاری ومسلم نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[خير أمتي قرني ،ثم الذين يلونهم ،ثم الذين يلونهم ، قال عمران :فلاأدري أذكر بعد قرنه قرنين أو ثلاثة]

یعنی:[میری امت میں سب سے بہترین لوگ میرے دور کے ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے۔ عمران فرماتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور کے بعد دو زمانے ذکر فرمائے یا تین]

اس حدیث کے الفاظ بھی صحیح بخاری (۳۶۵۰) سے نقل کئے گئے ہیں۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[يأتي على الناس زمان، يغزو فئام من الناس، فيقال لهم: فيكم من رأى رسول الله ﷺ ؟ فيقولون : نعم! فيفتح لهم، ثم يغزو فئام من الناس ، فيقال لهم: فيكم من رأى من صحب رسول الله ﷺ ؟فيقولون :نعم ! فيفتح لهم،ثم يغزو فئام من الناس، فيقال لهم: هل فيكم من رأى من صحب من صحب رسول الله ﷺ ؟فيقولون :نعم! فيفتح لهم]

ترجمہ:[(عنقریب) ایک دور آنے والا ہے، لوگوں کی ایک جماعت غزوہ کرے گی، ان سے کہا جائے گا: کیا تمہارے بیچ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں۔ تو انہیں فتح عطا فرمادی جائے گی۔ پھر لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی، ان

سے پوچھا جائے گا: کیا تمہارے اندر ایسے لوگ ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو دیکھا ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں۔ انہیں بھی فتح دے دی جائے گی۔ پھر لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی، ان سے پوچھا جائے گا: کیا تمہارے بیچ ایسے لوگ ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے ساتھیوں کو دیکھا ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں۔ تو انہیں بھی فتحیاب کردیا جائے گا]

(صحیح بخاری (۳۶۴۹) صحیح مسلم (۲۵۳۲) یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور فرمان ہے: [لا تسبوا اصحابی، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً مابلغ مد أحدهم ولا نصيفه]

ترجمہ: [میرے صحابہ پر گالی گلوچ یا طعنہ زنی نہ کرو، تم میں سے کوئی شخص، اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو ان کے پاؤ بھر خرچ کی ہوئی کھجوروں کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا]

(صحیح بخاری (۳۶۷۳) صحیح مسلم (۲۵۴۱) بروایت: ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[النجوم أمنة للسماء، فإذا ذهبت أتى السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابي، فإذا ذهبت أتى أصحابي ما يوعدون، وأصحابي أمنة لأمتي، فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي مايوعدون]

ترجمہ: [ستارے آسمان کی امان ہیں، جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان پر وہ چیز آجائے گی، جس کا وعدہ کیا گیا ہے (یعنی وہ ٹوٹ پھوٹ جو قیامت کے وقوع کے موقع پر ہوگی)۔

اور میں اپنے اصحاب کی امان ہوں جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ کو (وہ فتنے) لاحق ہونگے، جن کا وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے صحابہ، میری امت کے امان ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت اُن فتنوں میں گھر جائے گی، جن کا وعدہ کیا گیا ہے]

(صحیح مسلم (۲۵۳۱) بروایت: ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ)

(۳) اصحاب رسول ﷺ میں سب سے افضل، خلفاءِ راشدین ہیں، جو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے ہیں، وہ: ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، اور پھر علی رضی اللہ عنھم ہیں، جو ان کی خلافت کی ترتیب ہے وہی ان کے شان ومرتبہ کی ترتیب ہے، اس کی دلیل صحیح بخاری (۳۶۷۱) کی حدیث ہے، جو محمد بن الحنفیہ، جو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، سے مروی ہے۔

محمد کہتے ہیں: [میں نے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ میں نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر میں نے اس ڈر سے کہ آگے عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے لیں، کہا: پھر آپ؟ فرمایا: میں تو مسلمانوں میں ایک عام سا شخص ہوں]

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جو شعیب الأرنؤوط اور عادل مرشد کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے کے (رقم: ۸۳۵) میں روایت لائے ہیں:

ترجمہ: [ہمیں حدیث بیان کی اسمٰعیل بن ابراہیم نے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی منصور بن عبد الرحمٰن الغدانی الاشل نے، انہوں نے شعبی سے سنا، وہ فرماتے ہیں: ہمیں ابو جحیفہ، جنہیں علی رضی اللہ عنہ "وہب الخیر" کا نام دیا کرتے تھے، نے حدیث بیان کی، فرماتے ہیں: مجھ سے علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے ابو جحیفہ کیا تمہیں بتاؤں کہ اس امت میں نبی ﷺ کے بعد، سب سے افضل کون ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ (ابو جحیفہ فرماتے ہیں: میرے خیال میں علی رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی نہیں تھا) لیکن انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے بعد، اس امت میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان دونوں کے بعد ایک تیسری شخصیت ہے، جس کا انہوں نے نام نہیں بتایا] (اس حدیث کی سند صحیح ہے، اس کے راوی بخاری ومسلم کے راوی ہیں، علاوہ منصور بن عبد الرحمٰن کے کہ وہ صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر جو ابو جحیفہ سے مروی ہے، مسند احمد میں بھی وارد ہے، اور ان کے بیٹے عبد اللہ کی زوائد میں بھی صحیح یا حسن اسناد کے

ساتھ وارد ہے، جن کے ارقام (۸۳۳ تا ۸۳۷) ہیں، نیز (۸۷۱) بھی ہے۔

صحیح بخاری (۳۶۵۵) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: [ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں صحابہ کے درمیان از روئے مرتبہ، درجہ بندی کرتے تھے، چنانچہ ہم سب سے افضل ابوبکر ؓ کو قرار دیتے تھے، پھر عمر ؓ کو پھر عثمان بن عفان ؓ کو۔]

حافظ ابن حجر نے ''تقریب التھذیب'' میں علی بن ابی طالب ؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

علی ؓ ماہِ رمضان، چالیس ہجری میں فوت ہوئے، اور اس وقت وہ زمین پر موجود تمام زندہ افراد میں سب سے افضل تھے، اس پر تمام اہل السنۃ کا اجماع ہے۔

خلفاءِ راشدین اور ان کی خلافت کی فضیلت میں، عرباض بن ساریہ ؓ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک وارد ہے:

[... فإنه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الامور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [... میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، اس وقت تم میری سنت کو لازم پکڑ لینا، نیز خلفاءِ راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کو بھی، اسے مضبوطی سے تھام لینا، بلکہ اپنی داڑھوں میں دبا لینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے] (ابوداؤد (۴۶۰۷) ترمذی (۲۶۷۶) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

نیز خلفاءِ راشدین اور ان کی خلافت کی فضیلت، سفینہ ؓ جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، کی حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے، ارشادِ گرامی ہے: [خلافة النبوة ثلاثون سنة، ثم يؤتي الله الملك أو ملكه من يشاء] یعنی: [خلافت علی منہاجِ النبوۃ کی مدت تیس سال ہے، اس کے

بعد اللہ تعالیٰ بادشاہت یا اپنی بادشاہت، جسے چاہے گا عطا فرمادے گا] (سنن ابی داؤد (۴۶۴۶) وغیرہ۔ یہ حدیث صحیح ہے، اسے شیخ البانی نے السلسلۃ الصحیحۃ (۴۶۰) میں ذکر کیا ہے اور نو علماء سے اس کی تصحیح نقل فرمائی ہے)

(۴) رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ عادل ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے، ان کی ثناء بیان کی ہے، اس عظیم الشان تعدیل کے بعد وہ کسی معدِّل کی تعدیل، اور کسی موثق کی توثیق کے محتاج نہیں ہیں، اسی لئے علماءِ سلف اپنی کتب تراجم میں جب کسی صحابی کا ترجمہ لکھتے ہیں تو صرف صحابی کہنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، دیگر رجال کی طرح ان کی توثیق کے اقوال نقل نہیں کرتے (کیونکہ ان کی ثقاہت وعدالت کتاب وسنت کے نصوص سے مسلم ہے)

حافظ ابن عبدالبر اپنی کتاب "التمہید" (۲۲/۴۷) میں فرماتے ہیں:

"تابعی، جب رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی سے حدیث روایت کرتا ہے تو اس حدیث پر وجوبِ عمل کیلئے، اس صحابی کا نام لے یا نہ لے، کوئی فرق نہیں پڑتا؛ کیونکہ تمام صحابہ عادل، ثقہ، ثبت اور انتہائی پسندیدہ ہیں، تمام علماءِ اہلحدیث اس بات پر متفق ومجتمع ہیں "

امام قرطبی، اپنی تفسیر (۱۶/۲۹۹) میں فرماتے ہیں:

" صحابۂ کرام، سب کے سب عادل ہیں، اللہ تعالیٰ کے اولیاء واصفیاء ہیں، انبیاء ورسل کے بعد تمام خلق میں سب سے افضل ہیں۔ یہی اہل السنۃ کا مذہب ہے، اور اس امت کے ائمہ کا قول بھی۔ ایک چھوٹی سی جماعت، جو قطعاً کسی پرواہ کئے جانے کے قابل نہیں ہے کا خیال ہے کہ صحابۂ کرام کا حال بھی عام انسانوں جیسا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی اپنی عدالت کی چھان بین کی ضرورت ہے "

حافظ ابن حجر "الاصابۃ" (۱/۱۷) میں فرماتے ہیں:

" تمام اہل السنۃ، تمام صحابۂ کرام کے عادل ہونے پر متفق ہیں، اس اجماع کی مخالفت صرف

ایک چھوٹے سے بدعتی ٹولے نے کی ہے"

امام سیوطی نے "تدریب الراوی" (۴۰۰) میں اس بدعتی ٹولے کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ معتزلہ ہیں، جن کا کہنا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے قتال کرنے والوں کے علاوہ تمام صحابہ عدول ہیں

شیخ ابن الصلاح "علوم الحدیث" (۲۶۴) میں فرماتے ہیں: "صحابہ کرام کو ایک خصوصی اور امتیازی شرف حاصل ہے، اور وہ یہ کہ کسی صحابی کی عدالت کا سوال نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ ان کی عدالت ایک طے شدہ حقیقت ہے؛ کیونکہ کتاب وسنت کے نصوص اور اجماع معتد بہ سے، علی الاطلاق ان کی عدالت ثابت ہے۔

شیخ ابن الصلاح (ص:۲۶۵) میں مزید فرماتے ہیں: پھر تمام امت، تمام صحابہ کو عادل قرار دینے میں متفق ہے، حتی کہ ان صحابہ کی تعدیل پر بھی جن کے فتنوں میں شامل ہونے کی نقول ملتی ہیں، اس پر ان علماءِ کرام کا اجماع ہے جن کے اجماع کو معتد بہ سمجھا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام کی تعدیل پر یہ اجماع ان کے ساتھ حسنِ ظن اور ان سے ثابت شدہ مآثر ومناقب کی بناء پر ہے، گویا تعدیل صحابہ پر اجماع، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امرِ مقدر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام شریعت کے ناقلینِ اولین ہیں۔" (واللہ اعلم)

امام نووی صحیح مسلم کی شرح (۱۴۹/۱۵) میں فرماتے ہیں:

"اسی لئے تمام اہلِ حق اور وہ ائمہ جن کا اجماع معتد بہ مانا جاتا ہے، صحابۂ کرام کی شہادات، روایات اور کمالِ عدالت پر متفق ہیں"

خطیب بغدادی "الکفایۃ" (ص:۴۶) میں فرماتے ہیں:

"ہر وہ حدیث جس کی سند راوی سے لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو، اس پر اس وقت تک عمل واجب نہیں ہوتا جب تک اس کے تمام راویوں کی عدالت ثابت نہ ہوجائے، چنانچہ اس صحابی کے علاوہ جو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل فرمارہا ہے، تمام رجالِ حدیث کے احوال کی چھان بین

ضروری ہے، صحابہ کے احوال کی چھان بین کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ ان سب کی عدالت اللہ تعالی کی تعدیل سے ثابت ہے، اللہ تعالی ان کی طہارت کی خبر دیتا ہے، اور انہیں پسندیدہ جماعت قرار دیتا ہے۔" (اس کے بعد خطیب بغدادی نے متعلقہ آیات واحادیث نقل فرمائیں)

عدالتِ صحابہ کا نکتہ اس بات سے مزید واضح ہوتا ہے کہ تمام کتبِ حدیث، خواہ وہ صحیح ہوں یا جامع یا سنن یا مسند یا معجم، ایسی روایات پر بھی مشتمل ہیں جنہیں روایت کرنے والے صحابی کا نام مبہم ہے، اہل السنۃ کے نزدیک یہ روایات بھی صحیح اور حجت ہیں (بشرطیکہ ان تک پہنچنے والی سند صحیح ہو) ان روایات میں صحابی کے نام کا مذکور نہ ہونا قطعاً نقصان دہ نہیں ہے؛ کیونکہ مجہول الاسم صحابی، بحکمِ معلوم الاسم ہے۔

واضح ہو کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عدالتِ صحابہ کی بابت قول کا معنی یہ نہیں ہے کہ صحابۂ کرام معصوم ہیں؛ کیونکہ اہل السنۃ کے نزدیک عصمت صرف انبیاء ومرسلین کے ساتھ خاص ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "العقیدۃ الواسطیۃ" (ص:۲۸) میں فرماتے ہیں:

"اہل السنۃ والجماعۃ (جو عدالتِ صحابہ پر متفق ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ) یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ صحابۂ کرام کبائر وصغائر سے معصوم تھے، ان سے فی الجملۃ گناہوں کا ارتکاب ممکن ہے، لیکن ان کے سوابق وفضائل ان کیلئے موجب مغفرت ہیں، انہیں گناہوں کی بخشش کے تعلق سے جو مواقع میسر ہیں، وہ بعد میں آنے والوں کیلئے ممکن نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ان کا خیر القرون ہونا ثابت ہے، ان کا مٹھی بھر اناج کا صدقہ، بعد میں آنے والوں کے احد پہاڑ کے برابر سونے کے صدقہ سے افضل ہے۔

پھر صحابہ کرام سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو وہ ان کے توبہ کرنے یا کوئی نیک عمل کر لینے سے مٹ جاتا ہے، اسی طرح وہ گناہ ان کے سبقت الی الاسلام کی فضیلت کی بناء پر بخش دیا جاتا ہے، نیز وہ نبی ﷺ کی شفاعت کے ذریعے بھی اس گناہ کی بخشش کا حق رکھتے ہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی

شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق صحابۂ کرام ہی ہیں، اس کے علاوہ ان کا دنیا میں کسی آزمائش میں مبتلا ہونا بھی اس گناہ کا کفارہ بن سکتا ہے۔

یہ سارا معاملہ تو ایسے امور کے ارتکاب پر ہے جن کا گناہ ہونا محقق ہے، تو پھر ایسے امور جن میں صحابۂ کرام نے اجتہاد فرمایا ہو، ان میں وہ یقینی طور پر درست اجتہاد پر دو اجروں اور غلط اجتہاد پر ایک اجر کے مستحق ہیں، اور خطا معاف ہو جاتی ہے۔

پھر صحابۂ کرام کی سیرت میں قابلِ اعتراض یا قابلِ انکار حصہ، جو بہت تھوڑے صحابہ سے منقول ہے، کی مقدار انتہائی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، بلکہ وہ حصہ بھی صحابہ کرام کے فضائل اور ان کے محاسن، جن کا تعلق ایمان باللہ، ایمان بالرسول، جہاد فی سبیل اللہ، ہجرت ونصرت اور علمِ نافع وعملِ صالح کے سامنے دب کے رہ جاتا ہے۔ علم وبصیرت اور انصاف کی نظروں سے صحابۂ کرام کی سیَر وفضائل کا مطالعہ کرنے والا لامحالہ اس علمِ یقین کو پالے گا کہ صحابۂ کرام، انبیاءِ کرام کے بعد خیر الخلق اور افضل الخلق ہیں، ان جیسا نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا، امت محمدیہ ﷺ جسے خیر الامم ہونے کا شرف حاصل ہے، میں صحابۂ کرام کی حیثیت کریم کی سی ہے"

اہل السنۃ کا تعدیلِ صحابہ پر مبنی قول جس طرح کتاب وسنت کے نصوص سے منصوص ومستند ہے اسی طرح ان کے ساتھ ان کے حسنِ ظن کا مظہر بھی ہے، اور اس عظیم ومقدس جماعت کے ساتھ یہ حسنِ ظن یقیناً موجب اجر وثواب ہے۔ جبکہ جو لوگ عدالتِ صحابہ کے قائل نہیں وہ اس مقدس جماعت کے ساتھ بدگمانی کی راہ پر قائم ہیں جو کہ گناہ کو مستوجب ومستلزم ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق اُمت پر کیا واجب ہے

(۵) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے ساتھ دوستی، محبت اور حسنِ ثناء جو ان کے شایانِ شان ہو ضروری ہے، ان کا ذکرِ خیر ہمیشہ انتہائی احسن الفاظ کے ساتھ ہو۔ امام طحاوی "عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ" میں فرماتے ہیں:

"ہم اصحابِ رسول ﷺ کے ساتھ محبت کرتے ہیں، ان کی محبت میں افراط وتفریط کا راستہ اختیار نہیں کرتے، نہ ہی کسی صحابی سے اظہارِ براءت کرتے ہیں، اور جو صحابہ کا بغض رکھتا ہے اور ان کا ذکرِ خیر نہیں کرتا ہے، ہم اس سے سخت بغض وعداوت رکھتے ہیں۔ ہم ہمیشہ صحابہ کرام کا ذکرِ خیر کرتے ہیں، ان کی محبت دین، ایمان اور احسان ہے، جبکہ ان کا بغض کفر، نفاق اور طغیان (سرکشی) ہے۔

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "الکفایۃ" (ص:۴۹) میں اپنی سند سے ابو زرعۃ الرازی کا یہ قول نقل فرمایا ہے: [إذا رأیت الرجل ینتقص أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زندیق؛ وذلک أن رسول الله ﷺ عندنا حق والقرآن حق، وإنما ادى إلینا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله ﷺ، وإنما یریدون أن یجرحوا شهودنا لیبطلوا الکتاب والسنة، والجرح بهم أولى وهم زنادقة]

ترجمہ: [جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی پر طعنہ زنی کر رہا ہے، تو جان لو کہ وہ زندیق ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن بھی حق ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی حق ہیں، اور قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین ہم تک پہنچانے والے صحابہ کرام ہیں، وہ (زندیق) یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ان گواہوں کو مجروح قرار دیکر قرآن وحدیث کا بطلان ثابت کر دیں۔ حالانکہ وہ خود جرح کے مستحق ہیں اور زندیق ہیں]

امام بغوی "شرح السنۃ" (۱/۲۲۹) میں فرماتے ہیں کہ امام مالک کا قول ہے:

"من یبغض أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ وکان فی قلبه علیه غل فلیس له حق فی فی المسلمین"

ترجمہ: "جو کسی صحابی کا بغض رکھے اور اس کے دل میں خیانت بھی ہو تو اس کا مسلمانوں کے مالِ فَی میں کوئی حصہ نہیں" (مالِ فَی کفار کا وہ مال ہے جو قتال کے بغیر حاصل ہو جائے)

امام مالک اپنے اس قول پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا کرتے تھے:

﴿ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى ﴾ إلى قوله ﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ...الآية ﴾

ترجمہ: ''بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (فئ کا مال) ان مہاجر مسکینوں کیلئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز ہیں۔ اور (ان کیلئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔ اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے'' (الحشر: ۷ تا ۱۰)

امام مالک کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا، جو اصحابِ رسول ﷺ کی تنقیصِ شان کیا کرتا تھا تو امام مالک نے اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ إلى قوله ﴿ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع، اور سجدے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے''

پھر فرمایا: جس شخص کے دل میں اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی ایک کا بغض یا حقد ہو گا، اس پر یہ آیت کریمہ (مذکورہ آیت) پوری طرح چسپاں ہو گی۔ ''

امام احمد بن حنبل ''کتاب السنۃ'' میں فرماتے ہیں:

''ومن السنة ذكر محاسن أصحاب رسول الله ﷺ كلهم أجمعين، والكف عن الذى جرى بينهم، فمن سب أصحاب رسول الله ﷺ أو واحدا منهم فهو مبتدع رافضي، حبهم سنة، والدعاء لهم قربة، والاقتداء بهم وسيلة، والأخذ بآثارهم فضيلة''

ترجمہ: ''بلا استثناء تمام صحابۂ کرام کے محاسن کا ذکر کرنا سنت ہے، ان کے مابین رونما ہونے والے بعض مشاجرات وتنازعات سے پہلو تہی ضروری ہے، جو شخص اصحاب رسول ﷺ کو یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دیتا ہے وہ بدعتی اور رافضی ہے، ان کی محبت سنت ہے، ان کیلئے دعاء قربتِ الٰہی ہے، ان کی اقتداء ذریعۂ نجات ہے اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی موجبِ فضیلت ہے''

امام احمد بن حنبل مزید فرماتے ہیں:

"کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ اصحاب رسول ﷺ کو بُرے الفاظ سے یاد کرے، یا کسی صحابی پر طعنہ زنی کرے، اگر کسی نے ایسی حرکت کی تو حاکمِ وقت پر اُسے سزا دینا ضروری ہو جائے گا، اسے معاف کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ اسے سزا دے، اس کی اس حرکت پر توبہ طلب کرے، اگر توبہ کرلے تو معاف کردے، نہ کرے تو پھر سزا دے اور اس وقت تک قید خانے میں بند رکھے جب تک توبہ کرکے رجوع نہ کرلے"

ابن ابی حاتم اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" (۱/ ۷ ۸) میں فرماتے ہیں:

"اصحاب رسول ﷺ وہ مبارک لوگ ہیں، جنہوں نے وحی اور نزولِ قرآن کا مشاہدہ کیا، اور اس کی تفسیر کی معرفت حاصل کی، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت ونصرت نیز دین کی اقامت اور حق کے اظہار کیلئے چن لیا، نبی ﷺ کی صحبت ورفاقت کے تعلق سے وہ پسندیدہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نشانِ ہدایت اور بعد میں آنے والوں کیلئے قدوہ اور مثال بنادیا۔ انہوں نے نبی ﷺ سے وہ سارا دین جو آپ ﷺ نے ان تک پہنچایا لیکر محفوظ کرلیا، نیز جو امور آپ ﷺ نے مسنون ومشروع قراردیے، جو فیصلے فرمائے، جن مستحبات، مندوبات، مأمورات، منہیات اور محظورات کا ذکر فرمایا، اور جتنے بھی آداب سکھائے ان سب کو بڑی پختگی اور اتقان کے ساتھ یاد کرلیا۔

چنانچہ وہ دین کے فقیہ بن گئے اور نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی کی مسلسل رفاقت اور آپ ﷺ سے تفسیر قرآن اور استنباطِ احکام کے مشاہدہ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے عالم بن گئے، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں امت کیلئے مثال اور قدوہ ہونے کا شرف عطا فرمادیا... (مزید فرماتے ہیں) وہ اس امت کا سرمایہ عدل، ائمہ ہدایت، دین کے دلائل وحجج اور قرآن وحدیث کے حاملین وناقلین بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا طریقہ اپنانے، ان کے منہج پر چلنے اور ان کے راستہ کو اختیار کرنے کو انتہائی ضروی قرار دے دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴾ (النساء:۱۱۵)

ترجمہ: ”جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ کو چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دینگے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بُری جگہ ہے“

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہت سی احادیث میں صحابہ کرام کو مخاطب کرکے اپنا دین پہنچانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ کچھ احادیث میں دین پہنچانے پر دعا دی، جیسا کہ فرمان ہے: [نضر الله امرأ سمع مقالتى فحفظها و وعاها حتى يبلغها غيره]

یعنی: [اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ کردے جو میری حدیث سنے، اسے اچھی طرح یاد کرلے اور دوسروں تک پہنچادے]

آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا: [فليبلغ الشاهد منكم الغائب] یعنی: [جس نے میرا یہ خطبہ سنا وہ ان تک پہنچادے جو نہیں سن سکے]

ایک اور حدیث میں ارشادِ گرامی ہے:

[بلغوا عنى ولو آية و حدثوا عن بنى اسرائيل ولا حرج]

یعنی: [پہنچادو میری طرف سے خواہ ایک مسئلہ ہی کیوں نہ ہو، اور بنی اسرائیل سے روایت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں]

اس کے بعد صحابۂ کرام مختلف خطوں، ملکوں اور سرحدوں میں پھیل گئے، یہ پھیل جانا علاقوں کو فتح کرنے، غزوات میں شریک ہونے اور مختلف مقامات پر امارت وقضاء کا منصب سنبھالنے کی بناء پر تھا، جو صحابی جس علاقے میں گیا، اس میں نبی ﷺ سے یاد کیا ہوا تمام علم پھیلا دیا، اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلے صادر فرمائے، نبی ﷺ کے طریقہ کے مطابق امور انجام دیئے، جو سوال

ہوتے ان پر نبی ﷺ کے اس جواب کی روشنی میں فتویٰ دیتے جو آپ ﷺ نے اس مسئلہ کے نظائر پر دیا ہوتا۔ انہوں نے حسنِ نیت کے ساتھ، نیز اللہ عزوجل کے قرب کے حصول کیلئے، اپنے آپ کو لوگوں کی تعلیم وتربیت کیلئے وقف کردیا، تاکہ انہیں فرائض، احکام، سنن اور حلال وحرام کے علم سے مالامال کردیں۔ تعلیم وتربیت کا یہ سلسلہ ان کی موت تک جاری رہا۔ (رضوان اللہ ومغفرتہ ورحمتہ علیہم اجمعین)

ابوعثمان الصابونی اپنی کتاب ''عقیدۃ السلف وأصحاب الحدیث'' میں فرماتے ہیں:

''(اہل السنۃ) صحابۂ کرام کے مابین ہونے والے مشاجرات اور منازعات کے حوالے سے خاموشی اور پہلوتہی اختیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں، نیز ہر ایسی چیز کے ذکر سے اپنی زبانوں کو پاک رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں، جو کسی وجہ سے صحابۂ کرام کی شان میں کسی عیب یا نقص کو متضمن ہو (اہل السنۃ) تمام صحابۂ کرام کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضاء کی دعا، نیز تمام صحابہ سے محبت اور دوستی کو فرض قرار دیتے ہیں''

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴/۳۶۵) میں ابومظفر السمعانی کا یہ قول نقل کیا ہے:

'' صحابۂ کرام کی تنقیصِ شان کے درپے ہونا، اس شخص کی ذلت اور گھٹیا پن کی علامت ہے، بلکہ یہ عمل بدعت وضلالت ہے''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''العقیدۃ الواسطیۃ'' میں فرماتے ہیں:

''اھل السنۃ والجماعۃ کے اصول میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صحابہ کرام کے متعلق اپنے دلوں اور زبانوں کی حفاظت کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس سوچ کے حامل لوگوں کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَآءُو مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِى قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾

ترجمہ: ''اوران کے لئے بھی جوان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے'' (الحشر:۱۰)

اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی یہی تقاضہ ہے چنانچہ فرمان نبوی ہے:

[لاتسبوا أصحابی ،فوالذی نفسی بیدہ لو أن أحدکم أنفق مثل أحد ذھبا مابلغ مد أحدھم ولا نصیفہ]

ترجمہ: [میرے صحابہ کو گالیاں مت دو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو وہ ان میں سے کسی ایک کے ایک مد یا نصف مد کے خرچ کے برابر ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا]

(شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:) اہل السنۃ والجماعۃ روافض کے طرز عمل سے بری ہیں، جو کہ صحابۂ کرام سے بغض رکھتے ہیں اورانہیں گالیاں دیتے ہیں، اسی طرح اہل السنۃ نواصب کے طرز عمل سے بھی بری ہیں جو کہ اہل بیت کو اپنے قول وعمل سے ایذاء پہنچاتے ہیں۔

اہل السنۃ مشاجرات صحابہ میں سکوت اختیار کرتے ہیں ان کی لغزشوں سے متعلق مروی آثار کے متعلق اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ بعض آثار تو جھوٹے ہیں بعض میں کمی وبیشی کرکے حقیقت کو مسخ کردیا گیا ہے البتہ بعض آثار صحیح ہیں۔ ایسی لغزشوں کے متعلق اہل السنۃ صحابہ کو معذور سمجھتے ہیں کیونکہ یہ اجتہادی غلطیاں ہیں اور مجتہد مصیب ہوسکتا ہے اور مخطئ بھی (اور دونوں صورتوں میں اس کیلئے اجر ہے)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ آیت کریمہ ﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یہاں اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین وانصار صحابہ سے اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہے جنہیں قبولِ اسلام میں سبقت وتقدم کا شرف حاصل ہے، نیز اُن تمام سے بھی جو بطریق احسن اُن کے نقشِ قدم کے پیروکار بن گئے۔ لیکن افسوس ہے اُن لوگوں پر جو تمام صحابہ یا اُن میں سے بعض کا اپنے سینوں میں بغض رکھتے ہیں، یا انہیں سب وشتم کا نشانہ بناتے ہیں۔ خاص طور پہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام صحابہ کے سردار اور سب سے افضل ہستی، صدیق اکبر اور خلیفۂ اعظم، ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ، کہ روافض میں سے ایک انتہائی گمراہ ٹولہ ان سے عداوت قائم کیے ہوئے ہے، بلکہ ان کے دل تو تمام صحابۂ کرام کے بغض اور دشنام طرازیوں سے لبریز ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے عقول اور قلوب الٹے ہو چکے ہیں، بھلا ان لوگوں کا قرآن حکیم پر کیا ایمان رہا، کہ قرآن تو ان سب سے اللہ تعالیٰ کی رضاء کا اعلان کرتا ہے، اور وہ ان سب کو گالیوں سے نوازتے رہتے ہیں۔ لیکن اہل السنۃ کا منہج یہ ہے کہ وہ ان سب سے راضی ہیں جن سے اللہ راضی ہو گیا اور ان سب کی تنقیص وتفنید کرتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے موردِ سب وشتم ٹھہرایا، ان سب سے دوستی قائم کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی دوستی قائم ہے، اور ان سب سے عداوت قائم کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عداوت قائم ہے۔ لہٰذا اہل السنۃ اتباع اور اقتداء کرنے والے ہیں، بدعات کا ارتکاب کرنے والے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فلاح پانے والی جماعت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ایمان والے بندے ہیں"

ابن ابی العز "العقیدۃ الطحاویہ" کی شرح (ص:۴۶۹) میں فرماتے ہیں:

"جن لوگوں کے دل افضل ترین مومنین اور انبیاءِ کرام کے بعد تمام اولیاء کے سرداروں کے متعلق خیانت سے بھرے ہوں، ان سے بڑا گمراہ کون ہو سکتا ہے، اس حوالے سے یہود ونصاریٰ ان پر سبقت لے گئے، چنانچہ یہودیوں سے پوچھو: تمہاری ملت میں سب سے افضل کون ہے؟ وہ جواب دیں گے: اصحابِ موسیٰ علیہ السلام۔ عیسائیوں سے پوچھو: تمہاری ملت میں سب سے افضل کون

ہے؟ جواب دیں گے: اصحابِ عیسیٰ علیہ السلام۔ اب روافض سے پوچھو: تمہاری ملت میں سب سے بدترین کون ہے؟ جواب دیتے ہیں: اصحابِ محمد ﷺ۔ وہ صحابہ کرام میں سے بہت تھوڑی تعداد کو اپنے بغض وعداوت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اور جنہیں اپنی ناپاک گالیوں کا نشانہ بناتے ہیں اُن میں اُن صحابہ سے کہیں افضل صحابہ موجود ہیں، جن کا استثناء کرتے ہیں''

اس بغض کا اظہار بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے درمیان پیدا ہونے والے ایک رافضی عالم، کاظم الأزری نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے:

أهم خير أمة أخرجت للنا   س هيهات ذاك بل اشقاها !!!

ترجمہ: کیا یہ صحابہ امت میں سب سے افضل ہیں؟ یہ بات انتہائی بعید اور ناممکن ہے وہ تو امت کی سب سے بدبخت جماعت ہے (والعیاذ باللہ)

مجھے اس شعر کا علم، استاد محمود الملاح کے اس نقد سے ہوا جو انہوں نے کاظم کے اس قصیدے پر وارد کیا ہے، ان کا یہ نقد ''الوزيه في القصيدة الازريه'' کے عنوان سے مطبوع ہے۔ اور مذکورہ شعر (ص:۵۱) میں مذکور ہے۔ اس شعر کا مضمون جو خبث وجفاء کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متصادم ومتضاد ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

حافظ ابن حجر اپنی کتاب ''فتح الباری'' (۳۴/۱۳) میں فرماتے ہیں:

''اہل السنہ اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کرام پر، بسبب ان کے مابین قائم ہونے والی جنگوں کے، طعنہ زنی کرنے سے قطعی طور پر باز رہا جائے، اگرچہ کسی کو یہ بات معلوم بھی ہو جائے کہ ان جنگوں میں حق پر کون تھا؛ کیونکہ صحابہ کرام نے ان جنگوں میں محض اپنے اجتہاد کی بناء پر قتال کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ اجتہاد میں خطأ کرنے والے کو معاف فرما دیتا ہے، بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ اجتہاد میں مخطئی کو ایک اجر اور مصیب کو دو اجر ملتے ہیں۔''

شیخ یحییٰ بن ابی بکر العامری اپنی کتاب ''الرياض المستطابة في من له رواية في

الصحیحین من الصحابة'' (ص:۳۱۱) فرماتے ہیں:

''ہر متدین اور متورع شخص کے لائق ہے کہ وہ مشاجراتِ صحابہ میں چشم پوشی سے کام لے، اور کسی صحابی سے سرزد ہونے والی خطأ کا نہ صرف یہ کہ اعتذار کرے بلکہ اس کیلئے اچھا مخرج تلاش اور بیان کرے، اور جس چیز پر صحابہ کا اجماع ثابت ہو اسے تسلیم وقبول کرلے؛ کیونکہ انہیں احوال کی زیادہ آگاہی حاصل تھی، اور شخصِ حاضر کا علم ومشاہدہ، شخصِ غائب سے زیادہ ہوتا ہے۔ عارفین کا طریقہ، لوگوں کے عیوب ونقائص سے اعتذار ہے، جبکہ منافقین کا طریقہ عیوب کی تلاش اور تشہیر ہے۔ جب عام مسلمانوں کے عیوب پر پردہ پوشی ایک لازمی امر قرار پاچکی، اور یہی منہجِ اسلام ہے، تو پھر اس جماعت کے بارہ میں کیا خیال ہے جو خاتم النبیین کے اصحاب ہیں، اور جن کے حق میں یہ فرمان بھی موجود ہے: [لا تسبوا أحدا من أصحابی] یعنی: [میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه] یعنی: [آدمی کے حسنِ اسلام کی دلیل، اس کا ہر لایعنی امر کو چھوڑ دینا ہے] سلف صالحین کا یہی طریقہ ثابت ہے، اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت اور بربادی کا گڑھا ہے۔




مسلمانوں کے حکام اور علماء کی اطاعت بھی ضروری ہے

۲۷۔ "والطاعة لأئمة المسلمين من ولاة أمورهم وعلمائهم"

ترجمہ: "اور (اہل السنۃ) مسلمانوں کے حکام اور علماءِ کرام کی اطاعت بھی (ضروری) قرار دیتے ہیں"

شرح

(یہاں بہت سے اہم امور کا ذکر ہے)

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (النساء:۵۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی"

اس آیتِ کریمہ میں "اولی الامر" سے مراد علماء وامراء ہیں۔ علماء کی بات سنی جائے اور جو امورِ دین وہ بیان کرتے ہیں، اُن میں ان کی اطاعت کی جائے۔ اسی طرح امراء کی بات بھی سنی جائے اور ان کا جو امر اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ بنتا ہو، میں ان کی اطاعت کی جائے۔

"اولی الامر" سے علماء وامراء دونوں مراد ہونے کو امام قرطبی اور حافظ ابنِ کثیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں راجح قرار دیا ہے، چنانچہ امام قرطبی نے اس تفسیر کو ابوھریرۃ، ابن عباس رضی اللہ عنھما اور جمہور علماء کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جابر بن عبداللہ اور مجاہد کے نزدیک "اولی الامر" سے مراد اہل القرآن والعلم ہیں، امام مالک کے نزدیک بھی یہی راجح ہے، ضحاک سے بھی اسی قسم کی تفسیر منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: اس سے مراد فقہاء اور علماءِ دین ہیں۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ، اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: علی بن ابی طلحہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے بیان فرماتے ہیں: "اولی الامر" سے مراد اہل الفقہ والدین ہیں۔ مجاہد، عطاء، حسن

بصری اور ابو العالیہ نے بھی ''اولی الامر'' سے علماء مراد لئے ہیں۔

علماء کی اطاعت کیلئے درج ذیل آیات سے بھی استدلال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل:۴۳)

ترجمہ: ''پس اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے دریافت کرلو''

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿ لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ﴾ (المائدۃ:۶۳)

ترجمہ: ''انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے''

جہاں تک امراء و حکام کی اطاعت کا تعلق ہے تو اس کے وجوب کی دلیل، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: [السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة]

ترجمہ: [ایک مسلمان پر (اپنے حاکم کی) سمع و اطاعت پسندیدہ و ناپسندیدہ ہر امر میں واجب ہے، جب تک اس کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو، اور اگر اس کا حکم معصیت ہو تو پھر کوئی سمع و اطاعت نہیں ہے] (صحیح بخاری (۷۱۴۴) صحیح مسلم (۱۸۳۹) بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [إنما الطاعة في المعروف]

یعنی: [اطاعت تو معروف یعنی نیکی کے کاموں میں ہے] (صحیح بخاری (۷۱۴۵) اور صحیح مسلم (۱۸۴۰) بروایت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [عليك السمع والطاعة في عسرك ويسرك، ومنشطك ومكرهك وأثرة عليك]

ترجمہ: [تم پر، تنگی اور آسانی، خوشی اور ناخوشی میں اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینے کے

باوجود، اپنے حاکم کی سمع واطاعت واجب ہے] (صحیح مسلم (۱۸۳۶) بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ)

صحیح مسلم (۱۸۳۷) میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

میرے خلیل (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ [میں اپنے حاکم کی سمع واطاعت کروں، خواہ وہ ہاتھ پاؤں کٹا غلام ہی کیوں نہ ہو۔]

سہل بن عبداللہ التستری فرماتے ہیں: ''لوگ اس وقت تک خیر پر قائم رہیں گے جب تک اپنے حاکم اور علماء کی تعظیم کرتے رہیں گے، جب ان دونوں کی تعظیم کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی دنیا اور آخرت سنوار دے گا، اور جب ان دونوں کا استخفاف اور تنقیصِ شان کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی دنیا وآخرت دونوں کو بگاڑ دے گا'' (تفسیر قرطبی (۵/۲۶۰)

(۲) منصب امارت یا حکومت پر فائز و متمکن ہونا، مندرجہ ذیل چار امور میں سے کسی ایک امر سے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

''الف'': رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نصاً، کسی کے نام کا تعین ہو جائے، تو وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوگا۔ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریق سے حاصل وثابت ہوئی۔ لیکن صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، آپ کے بعد خلیفہ کے تعین کے سلسلہ میں خاص نص وارد نہیں ہے، نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے، اور نہ کسی اور کیلئے۔

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب ان کے مرض الموت میں، ان کے بعد خلیفہ کے تعین کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ''ان استخلف فقد أستخلف من هو خير مني: ابوبكر ، وإن أترك فقد ترك من هو خير مني: رسول الله صلى الله عليه وسلم''

یعنی: ''اگر میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کا تعین کردوں تو مجھ سے بہتر شخصیت، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تعین فرمایا تھا، اور اگر تعین نہ کروں تو مجھ سے بہتر ہستی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین نہیں فرمایا تھا۔'' (صحیح بخاری (۷۲۱۸) صحیح مسلم (۱۸۲۳)) (تو گویا جناب عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے

صراحتاً یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کا تعین نہیں فرمایا تھا)

لیکن رسول اللہ ﷺ سے بہت سے ایسے نصوص وارد اور ثابت ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ مثلاً: رسول اللہ ﷺ کا اپنے مرض الموت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کیلئے آگے کرنا (اور پھر نبی ﷺ جتنے دن زندہ رہے، انہی کا امامت کراتے رہنا)

اس سلسلہ میں سب سے واضح نص صحیح بخاری (۵۶۶۶) اور صحیح مسلم (۲۳۸۷) میں مروی ہے (اور یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

عن عائشة رضي الله عنها قالت :قال لي رسول الله ﷺ في مرضه :[ادعي لي ابا بكر وأخاك حتى أكتب كتابا، فإني أخاف أن يتمنى متمن ويقول قائل: أنا اولى ، ويابى الله والمؤمنون إلا ابابكر]

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں فرمایا: [ابوبکر کو، اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں ایک خط لکھوں ؛ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کوئی تمنا کرنے والا تمنا کر بیٹھے اور کہے: میں (تولیتِ امر کا) سب سے زیادہ مستحق ہوں، اللہ تعالیٰ اور تمام مؤمنین، ابوبکر صدیق کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔]

"ب" دوسرا طریق جس سے خلیفہ یا امیر کا تعین ہوتا ہے وہ اہلِ حل وعقد کا اتفاق ہے، اس کی دلیل، رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق خلیفہ چن لینا ہے، صحابۂ کرام کا یہ اتفاق، ان دلائل اور نصوص کی بناء پر بھی تھا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اُحق بالخلافۃ ہونے پر دال تھے، جن میں سے بعض نصوص کی طرف اشارہ گزر چکا۔

"ج" تیسرا طریق یہ ہے کہ خلیفۂ وقت اپنے بعد آنے والے خلیفہ کا خود تقرر کردے جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بطورِ خلیفہ تعین فرمادیا تھا، نیز جناب عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ اثر

بھی دلیل بن سکتا ہے۔

''د'' چوتھا طریق یہ ہے کہ کوئی شخص قہر وطاقت سے اقتدار پر غالب آجائے، اور اس کا معاملہ رعیت میں استقرار پکڑ لے، جیسا کہ ابو العباس السفاح نے، بنوامیہ سے خلافت چھین کر اقتدار پر قبضہ اور غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

یہ چاروں امور، امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قولہ تعالیٰ ﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ کے تحت ذکر فرمائے ہیں۔

ہمارے استاد، شیخ محمد الامین الشنقیطی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اضواء البیان'' میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''امام قرطبی فرماتے ہیں: جس شخص میں امامت وامارت کی اہلیت وصلاحیت موجود ہو، اور وہ قہر وغلبہ سے اسے حاصل کر لے تو اسے حصول اقتدار کی چوتھی شکل کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ سہل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کوئی شخص امامت کا اہل ہو اور وہ ہمارے ملک کے اقتدار پر غالب آجائے تو ہم پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ فرمایا: اسے قبول کر لو، اور وہ تم سے اپنے جس حق کا مطالبہ کرے اسے ادا کرو، اس کے کسی اچھے فعل کا انکار نہ کرو، اور نہ ہی اس سے فرار اختیار کرو، اگر وہ کسی امر دین کا تمہیں رازدان بنائے تو اس کا راز بھی افشاء نہ کرو۔

ابن خویز منداد فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص، لوگوں کے مشورہ اور چناؤ کے بغیر اقتدار پر قابض ہوجائے، اور وہ اقتدار کا اہل ہو، اور لوگ اس کی بیعت کرلیں تو وہ بیعت صحیح اور مکمل شمار ہوگی (واللہ اعلم)''

امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح (۲۳۴/۱۲) میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

''أطعه في طاعة الله، واعصه في معصية الله'' یعنی: ''اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں امیر کی اطاعت کرو، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں امیر کی نافرمانی کرو'' امام نووی اس قول کے تحت فرماتے

ہیں: یہ قول اس امیر کی اطاعت کے واجب ہونے کی بھی دلیل ہے جو کسی اتفاق یا تعین کے بغیر قہراً اقتدار پر قابض ہو جائے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۳/۱۲۲) میں فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص بزورِ طاقت، حقیقۃً، اقتدار پر غلبہ حاصل کرلے تو فتنہ کی آگ بجھانے کیلئے اس کی اطاعت واجب ہو جائے گی، بشرطیکہ کسی معصیت کا حکم نہ دے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے ''اعتقاد'' میں فرماتے ہیں:

''جو شخص مسلمانوں کے امام یا سربراہ پر بغاوت یا خروج اختیار کرتا ہے، حالانکہ لوگ اس کی امامت پر مجتمع ہو چکے ہیں اور اس کی خلافت کا اقرار کر چکے ہیں، وہ امامت جیسے بھی حاصل ہوئی ہو، خواہ اربابِ حل وعقد کی رضا سے یا قہر وغلبہ سے، تو اس بغاوت کرنے والے نے مسلمانوں کی جماعت اور وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی، نیز رسول اللہ ﷺ سے ثابت آثار واحادیث کی مخالفت کی، یہ شخص اگر اسی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۳/۷) میں حدیثِ رسول ﷺ: [جو اپنے امیر کی کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس پر صبر کرے؛ کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہو جائے پھر اسی حال میں مر جائے تو اس کی موت جاہلیت کی ہوگی] کے تحت فرماتے ہیں:

''ابن بطال فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات پر حجت ہے کہ بادشاہ، خواہ ظلم ہی کیوں نہ کرے، پر خروج ناجائز ہے، فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ زبردستی اقتدار پر غلبہ حاصل کرنے والے حاکم کی اطاعت اور اس کے ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کرنا واجب ہے، اس کی اطاعت کرنا، اس پر بغاوت کرنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ بغاوت میں لوگوں کے قتل وغارت گری کا بہت امکان ہوتا ہے۔ ان کی دلیل حدیثِ مذکور اور دیگر بہت سی احادیث ہیں۔ فقہاء نے صرف ایک ہی استثنائی صورت ذکر کی ہے، اور وہ یہ کہ بادشاہ سے کسی صریح کفر کا ارتکاب ثابت ہو جائے، ایسی صورت

میں اس کی اطاعت جائز نہیں ہوگی، بلکہ اگر قدرت ہو تو اس کے خلاف جہاد واجب ہو جائے گا، جیسا کہ اس سے بعد والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ وہ بعد والی حدیث، عبادۃ بن صامت ﷛ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں: [ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اپنے ولی امر کی ہر پسند وناپسند میں اور ہر تنگی وآسانی میں اور دوسروں کے ہم پر ترجیح دینے کے باوجود، سمع واطاعت کرتے رہنے پر بیعت کی اور یہ کہ ہم اپنے صاحب امر سے (بسلسلۂ اقتدار) جھگڑا مول نہ لیں، اِلا یہ کہ تم ان کا کسی صریح کفر کا مرتکب ہونا کہ جس کے کفر پر تمہارے پاس واضح برہان ہو، دیکھ لو]

حکام کے ساتھ خیر خواہی

(۳) حکام کا رعیت پر یہ حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کریں، خیر خواہی کی بہت سی صورتیں ہیں: (۱) معروف یعنی نیکی کے کاموں میں ان کی سمع واطاعت (۲) ان کیلئے سداد واستقامت کی دعا (۳) ان پر خروج یعنی بغاوت سے یکسر گریز کرنا، خواہ وہ ظلم ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔

اس خیر خواہی کے بہت سے ادلہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [الدين النصيحة ، قلنا : لمن ؟ قال : لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم]

یعنی: [دین تو خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے پوچھا: کس کیلئے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کیلئے، اسکی کتاب کیلئے، اسکے رسول کیلئے، مسلمانوں کے أئمہ وحکام کیلئے، اور عامۃ الناس کیلئے] (صحیح مسلم (۹۵)

مؤطا امام مالک (۲/۹۹۰) میں سہیل بن ابی صالح اپنے والد ابو صالح، اور وہ ابو ھریرۃ ﷛ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [إن الله يرضى لكم ثلاثا، ويسخط لكم ثلاثا ، يرضى لكم أن تعبدوه ولا تشركوا به شيئا ، وأن تعتصموا

بحبل الله جميعا ، وأن تناصحوا من ولاه الله أمركم ، ويسخط لكم قيل وقال، واضاعة المال ، وكثرة السؤال]

یعنی: [بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزیں پسند فرماتا ہے، اور تین ناپسند۔ جو چیزیں پسند فرماتا ہے وہ یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور یہ کہ تم سب ملکر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنہیں تمہارے امور کا نگران اور حاکم مقرر فرمایا ہے، ان کے ساتھ خیر خواہی کرو۔ اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی اور ناراضگی کا باعث ہیں وہ: قیل وقال، مال کو ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا ہیں۔] اس حدیث کو امام احمد نے بھی اپنی مسند (۸۷۹۹) میں روایت فرمایا ہے، اور یہ صحیح حدیث ہے۔

مسند احمد (۲۱۵۹۰) میں، بسندِ صحیح، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں: [ثلاث لايغل عليهن قلب مسلم أبدا : إخلاص العمل لله ، ومناصحة ولاة الأمر ، ولزوم الجماعة ، فإن دعوتهم تحيط من ورائهم]

ترجمہ: [تین خصلتیں ایسی ہیں جن پر کسی مسلمان کا دل فریب خوردہ نہیں ہوسکتا، ایک اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاصِ عمل، دوسری حکام کے ساتھ خیر خواہی، تیسری جماعت کے ساتھ چمٹے رہنا،...

حافظ ابن القیم، "مفتاح دار السعادة" (ص:۷۹) میں مذکورہ حدیث کے ٹکڑے [لا يغل عليهن قلب مسلم] کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یعنی جب تک مسلمان کے دل میں یہ تین چیزیں باقی اور موجود ہیں، تب تک اس کا دل غِل یعنی دھوکا، فریب، ہر قسم کے فساد اور میل کچیل سے پاک ہوگا۔

پھر مزید فرماتے ہیں: حکام کے ساتھ خیر خواہی بھی فریب خوردگی کے منافی ہے؛ کیونکہ خیر خواہی اور فریب اکٹھے نہیں ہوسکتے، بلکہ خیر خواہی، فریب کی ضد ہے، جو ائمہ اور اُمت کا خیر خواہ ہوگا وہ ہر قسم کے فریب سے پاک ہوگیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: [ولزوم جماعتهم] یعنی

مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ چمٹے رہنا، بھی دل کو دھوکے سے پاک کرتا ہے؛ کیونکہ جب تک ایک شخص بھی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ چمٹا رہے گا، تب تک وہ ان کیلئے وہی کچھ پسند کرے گا یا ناپسند کرے گا، جو اپنے لئے پسند یا ناپسند کرے گا، اور تب تک جو چیز اس کیلئے خوشی یا تکلیف کا موجب ہوگی، اسی چیز کو ان کیلئے بھی خوشی یا تکلیف کی موجب تصور کرے گا۔"

امام نووی شرح مسلم (۲/ ۳۸) میں فرماتے ہیں:

"مسلمان حکام کے ساتھ خیر خواہی کا معنی یہ ہے کہ امورِ حق پر ان کی معاونت اور اطاعت کرے، نیز انتہائی نرم خوئی اور لطف ومحبت کے ساتھ انہیں حق کی تلقین وتبلیغ کرتا رہے، اگر حکام کی طرف سے مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی یا غفلت کا ارتکاب دیکھے تو ان پر تنقید کا طوفان بپا کرنے کے بجائے انہیں اچھے طریقے سے باخبر کرے۔ ان پر خروج یعنی بغاوت سے یکسر گریز کرے، عامۃ الناس کو بھی ان کی اطاعت کی ترغیب دے۔ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حکام کے ساتھ خیر خواہی کا معنی یہ بھی ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھے، ان کے ساتھ مل کر جہاد کرے، اپنے صدقات اُنہی کو ادا کرے، اور اگر ان سے ظلم یا بدمعاملگی ظاہر ہو تو ان سے بغاوت کی راہ اختیار نہ کرے، ان کی جھوٹی تعریفیں کرکے انہیں دھوکے میں نہ رکھے، اور ان کی رشد وصلاح کی دعائیں کرتا رہے۔"

حافظ ابنِ حجر فتح الباری (۱/ ۱۳۸) میں فرماتے ہیں:

"أئمۃ المسلمین کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کاندھوں پر جو بارِ سلطنت ڈال دیا گیا ہے، اس پر ان کی اعانت کرے، بصورتِ غفلت انہیں آگاہی دے کر بیدار کرے، کسی کوتاہی یا غلطی کی صورت میں ان کی اصلاح کردے، ان پر رعیت کا شیرازہ بکھیرنے کی بجائے مجتمع رکھے، جو دل حکام سے متنفر ہوں ان کی اصلاح کرکے انہیں حکام کے قریب کردے۔

سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں ارتکابِ ظلم سے، بطریقِ احسن باز رکھے۔

أئمة المسلمین کے زمرے میں، ائمہ اجتہاد (علماء وقضاۃ) بھی آتے ہیں، جن کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے علوم کو پھیلایا جائے، ان کی مناقب (اچھائیاں) عام کی جائیں اور ان کے ساتھ ہمیشہ اچھا گمان رکھا جائے۔"

واضح ہو کہ حکام کے ساتھ، بلکہ ہر کسی کے ساتھ خیر خواہی تنہائی میں، انتہائی رفق اور نرم خوئی کے ساتھ ہونی چاہئے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا موسیٰ اور ھارون علیہما السلام سے یہ فرمانا ہے:

﴿ اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی. فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾

ترجمہ: "تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے" (طہٰ: ۴۳،۴۴)

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ قال: [إن الرفق لايكون في شي إلا زانه، ولاينزع من شي إلا شانه] یعنی: ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رفق یعنی نرمی جس چیز میں آجائے اسے خوبصورت کر دیتی ہے، اور جس چیز سے چھین لی جائے اسے بدصورت کر دیتی ہے] (صحیح مسلم (۲۵۹۴)

صحیح بخاری (۳۲۶۷) اور صحیح مسلم (۲۹۸۹) میں، ابووائل شقیق بن سلمۃ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اسامہ سے کہا گیا: [آپ امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر داخل ہو کر ان سے بات کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: تم سمجھتے ہو کہ میں ان سے بات کروں تاکہ تم سنو؟ واللہ! میں نے ان سے تنہائی میں بات کی ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ میں ایک ایسی روش شروع کروں، جس کا شروع کرنا میرے ساتھ منسوب کر دیا جائے۔ الحدیث] (یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۳/۵۱) میں اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسامہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے وہ میں امیر المؤمنین سے تنہائی میں کر چکا ہوں؛ کیونکہ مصلحت اور ادب کا یہی تقاضہ ہے، میں نہیں چاہتا کہ

میری بات کسی فتنہ کا سبب بن جائے "

عن عیاض بن غنم ﷺ عن رسول اللہ ﷺ قال: [من أراد أن ینصح السلطان بأمر فلا یبدله علانیة ولکن لیأخذ بیده فیخلو به، فإن قبل منه فذاک، وإلا کان قد أدی الذی علیه له]

ترجمہ: [جس شخص کا بادشاہ وقت کو کوئی نصیحت کرنے کا ارادہ ہو تو وہ علی الاعلان اس کا اظہار نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے تنہائی میں لے جائے (اور وہ نصیحت پیش کردے) اگر وہ اسے قبول کرلے تو بہت بہتر ہے، ورنہ اس نے اپنا فریضہ ادا کردیا] (مسند احمد (۱۵۳۳۳) مستدرک حاکم (۳/۲۹۰) کتاب السنۃ لابن ابی عاصم (۱۰۹۶تا ۱۰۹۸) شیخ البانی اس کی تخریج (۲/۵۲۳) میں فرماتے ہیں: یہ حدیث اپنے طرق کے مجموعہ کی بناء پر صحیح ہے۔)

اگر حاکم کو نصیحت کرنا، رفق ولین (نرمی) سے خالی ہو، اور وہ اعلانیہ بھی ہو، تو وہ فائدہ مند ہونے کی بجائے نقصان دہ ہوگی۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ جب اس میں کوئی عیب ہو تو اسے نرمی سے تنہائی میں نصیحت کی جائے، تو پھر اسے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے جو وہ اپنے بارہ میں چاہتا ہے (اور خصوصاً حکام اس سلوک کے زیادہ مستحق ہیں)

صحیح مسلم (۱۸۴۴) میں عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ سے مروی ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: [جو شخص جہنم سے بچاؤ اور جنت کا داخلہ چاہتا ہے تو اس کی موت اس طرح آنی چاہیے کہ اس کا اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان ہو، اور لوگوں کے ساتھ وہ سلوک اور معاملہ کرے جو اپنے بارہ میں چاہتا ہے]

حکام کی اطاعت معروف میں ہے معصیت میں نہیں

(۴) حکام کے ساتھ خیر خواہی میں یہ انتہائی اہم نکتہ شامل ہے کہ امرِ معروف میں ان کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ کسی معصیت کا حکم دیں تو ان کی سمع واطاعت سے گریز کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (النساء:۵۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی''

حکام کی سمع واطاعت پر بے شمار احادیث مروی ہیں، جن میں سے عبداللہ بن عمر، ابو ھریرۃ، ابوذر غفاری اور عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنھم کی احادیث اسی بحث میں گزر چکی ہیں۔

سنن نسائی (۴۱۶۸) میں صحیح سند کے ساتھ، جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

[بايعت النبي ﷺ على السمع والطاعة وأن أنصح لكل مسلم] یعنی: [میں نے نبی ﷺ کے ہاتھ پر حکام کی سمع واطاعت کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرتے رہنے کی بیعت کی ہے]

صحیح مسلم (۱۸۴۷) میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں، رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں: [تسمع وتطيع للأمير، وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك، فاسمع وأطع]

یعنی: [امیر کی سمع واطاعت کرو، اور اگر وہ تمہاری پشت پر کوڑے مارتا ہو اور تمہارے مال کی زکوٰۃ وصول کرتا ہو تو ضرور اس کی بات سنو اور اطاعت کرو]

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: [من أطاعني فقد أطاع الله، ومن يعصني فقد عصى الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني، ومن يعص الأمير فقد عصاني]

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور جو اپنے امیر کی اطاعت کرتا ہے، اس نے میری اطاعت کی، اور جو اپنے امیر کی نافرمانی کرتا ہے اس

نے میری نافرمانی کی] (صحیح بخاری (۱۳۷ے) صحیح مسلم (۱۸۳۵) یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

صحیح مسلم (۱۸۴۶) میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: سلمۃ بن یزید الجعفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے نبی! اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنے حقوق کا تو تقاضہ کریں، مگر ہمیں ہمارے حقوق سے منع کر دیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [سنو اور اطاعت کرو، ان پر ان کی ذمہ داریاں ہیں اور تم پر تمہاری ذمہ داریاں ہیں]

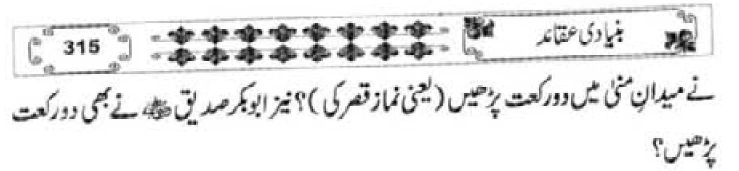
تفسیرِ قرطبی (۲۵۹/۵) میں ہے: ''سھل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حاکم وقت، کسی عالم کو فتویٰ دینے سے روک دے، تو اسے فتویٰ دینا جائز نہیں ہوگا، اور اگر وہ فتویٰ دے گا تو نافرمان قرار پائے گا، خواہ وہ حاکم ظالم ہی کیوں نہ ہو''

اس کی دلیل عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لا یقص إلا أمیر أو مأمور أو مختال] یعنی: [تقریر یا تو حاکم کرتا ہے، یا حاکم کا مأمور، یا پھر متکبر]

(مسند احمد (۲۳۰۰۵) ابوداود (۳۶۶۵) یہ حدیث اپنے جملہ طرق کے ساتھ صحیح ہے، شیخ البانی کی مشکوۃ کی حدیث (۲۳۰) پر تعلیق ملاحظہ ہو)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حجِ تمتع کا فتویٰ دیتے تھے، انہیں یہ خبر پہنچی کے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجِ افراد کا حکم ارشاد فرمایا ہے، تو انہوں نے لوگوں سے کہا: [ہم نے جسے حجِ تمتع کا فتویٰ دیا ہے وہ رُک جائے؛ کیونکہ امیر المؤمنین تشریف لانے والے ہیں، انہی کے حکم کی اقتداء کرنا] (صحیح مسلم (۱۲۲۱)

السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۴۴/۳) میں ہے، عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں: [ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ، میدانِ منیٰ میں تھے جب وہ (ابنِ مسعود) منیٰ کی مسجد میں داخل ہوئے تو پوچھا: امیر المؤمنین نے کتنی رکعت پڑھی ہیں؟ لوگوں نے کہا: چار رکعت، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی چار رکعت پڑھیں۔ ہم نے عرض کیا: آپ ہی تو حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



نے میدانِ منیٰ میں دو رکعت پڑھیں (یعنی نماز قصر کی)؟ نیز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعت پڑھیں؟

فرمایا: کیوں نہیں، یہ حدیث میں اب بھی بیان کرتا ہوں، لیکن چونکہ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ ہمارے امیر ہیں، مجھے ان کی مخالفت گوارہ نہیں؛ اور اختلاف تو انتہائی بُری چیز ہے]

یہ حدیث ابوداؤد (۱۹۶۰) میں بھی ہے، بیہقی (۳/۱۴۳) نے اسے اپنی سند سے روایت کیا ہے مگر اس میں ایک مبہم راوی ہے، بیہقی ایک اور سند بھی لائے ہیں، اس میں بھی ایک مبہم راوی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: [میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں]

سفر میں پوری نماز پڑھنا اگرچہ خلافِ اَولیٰ ہے، مگر ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کی مخالفت ترک کرنے کو بہتر سمجھا اور پوری نماز پڑھی۔

صحیح بخاری (۹۵۶) اور صحیح مسلم (۸۸۹) میں، مروان کا عید کے دن، نماز سے قبل خطبہ دینے اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے انکار کرنے کا قصہ مذکور ہے۔ اس کے تحت حافظ ابنِ حجر فتح الباری (۲/۴۵۰) میں لکھتے ہیں: اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ ایک عالم کا خلافِ اَولیٰ مسئلہ پر عمل کرنا جائز ہے، اس وقت جب حاکم اَولیٰ مسئلہ پر موافقت نہ کرے؛ کیونکہ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ اس انکار کے بعد میدانِ عید سے واپس نہیں گئے بلکہ امیر کے ساتھ خطبہ اور نماز ادا کی۔ جس سے یہ استدلال بھی کیا جاسکتا ہے کہ عید کے دن ابتداء بالصلاۃ، صحتِ نماز کیلئے شرط نہیں ہے (واللہ اعلم)

حافظ ابنِ رجب رحمہ اللہ "جامع العلوم والحکم" (۲/۱۱۷) میں فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کے حکام کی سمع واطاعت، سعادتِ دنیا کی موجب ہے، اس سمع واطاعت کے ساتھ بندوں کی معیشت کی مصلحتوں کا منظم ہونا وابستہ ہے، اور اسی سے پروردگار کی اطاعت کے اظہار پر مدد ملتی ہے۔"

حکام کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا

(۵) حکام کے ساتھ خیر خواہی کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ ان کی استقامت وسداد کیلئے دعا کی جائے، اور بددعا نہ کی جائے، اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی طریقہ تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''السیاسۃ الشرعیۃ'' (ص:۱۲۹) میں فرماتے ہیں:

''اسی لئے سلف صالحین، مثلاً: فضیل بن عیاض اور احمد بن حنبل وغیرہ فرمایا کرتے تھے: ''لو کان لنا دعوۃ مجابۃ لدعونا بھا للسلطان'' یعنی: اگر ہمیں کسی دعا کے قبول ہونے کا علم ہو جائے تو وہ دعا ہم بادشاہِ وقت کیلئے کریں گے۔

شیخ ابو محمد الحسن البربھاری اپنی کتاب ''شرح السنۃ'' (ص:۱۱۶) میں فرماتے ہیں:

''جب تم کسی شخص کو بادشاہ پر بددعا کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ شخص بدعتی ہے، اور جب تم کسی شخص کو بادشاہ کی درستگی واصلاح کی دعا کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ ان شاء اللہ صاحبِ سنت ہے، فضیل بن عیاض فرمایا کرتے تھے: اگر میرے پاس کوئی دعاءِ مستجاب ہو تو میں وہ دعا صرف حاکمِ وقت کو دونگا۔ (امام بربھاری، فضیل بن عیاض کے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) کسی نے ان سے کہا: اے ابو علی! اپنے اس قول کی وضاحت کرو، فرمایا: وہ دعاءِ مستجاب اگر میں اپنے لئے مانگوں گا تو اس کا اثر میری ذات تک محدود رہے گا، آگے نہیں بڑھے گا، اور اگر وہ دعا حاکم کو دونگا تو اس کی اصلاح ہوگی، اور اس کی اصلاح سے لوگوں اور شہروں کی اصلاح ہوگی، تو ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم حکام کی اصلاح کی دعا کریں، یہ حکم نہیں کہ ان پر بددعا کریں، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں؛ کیونکہ ان کا ظلم وجور ان کی ذات پر ہے، اور ان کی اصلاح ان کی ذات اور تمام مسلمانوں کی اصلاح ہے''

امام طحاوی ''عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ'' میں فرماتے ہیں:

''ہم اپنے ائمہ اور ولاۃ امور، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں، پر خروج وبغاوت جائز نہیں سمجھتے،

نہ ہم ان پر بددعا کرتے ہیں، نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں، ان کی اطاعت کو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتے ہوئے، شرعی فریضہ قرار دیتے ہیں، جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں، ان کیلئے ہمیشہ اصلاح وعافیت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں"

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ لابن ابی العز (۵۴۰)

شیخ ابو اسمٰعیل الصابونی اپنی کتاب "عقیدۃ السلف أصحاب الحدیث" (ص:۹۲تا ۹۳) میں فرماتے ہیں:

"اصحاب الحدیث ہر مسلم حکمران، خواہ وہ نیک ہوں یا فاجر، کے پیچھے، جمعہ، عیدین اور دیگر نمازیں ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، نیز ان کے ظلم وجور اور فسق وفجور کے باوجود ان کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد ضروری قرار دیتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کیلئے اصلاح، توفیق، استقامت اور رعیت میں عدل وانصاف عام کرنے کی دعائیں مانگتے رہنے کی تلقین کرتے ہیں"

(۶) حکام سے اگر کسی قسم کے ظلم یا گناہ کا ارتکاب ثابت ہو جائے تو ان پر خروج یا بغاوت جائز نہیں؛ کیونکہ بغاوت پر جو بے انتہاء فتنہ وفساد مرتب ہو سکتا ہے وہ حکام کے ظلم یا معصیت سے کہیں زیادہ ہوگا، الا یہ کہ وہ کسی واضح اور کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ اس مؤقف پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور سلف صالحین کا عمل، بطور دلیل موجود ہے۔

صحیح بخاری (۷۰۵۵) اور صحیح مسلم (۱۷۰۹) میں، عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث موجود ہے، فرماتے ہیں:

[بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا ، وأثرة علینا، وأن لا ننازع الأمر أهله ،إلا أن تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیه برهان]

ترجمہ: [ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اپنے ولی امر کی ہر پسند وناپسند میں اور ہر تنگی

وآسانی میں اور دوسروں کے ہم پر ترجیح دینے کے باوجود، سمع واطاعت کرتے رہنے پر بیعت کی ہے اور یہ کہ ہم اپنے صاحب امر سے (بسلسلۂ اقتدار) جھگڑا مول نہ لیں، اِلا یہ کہ تم ان کا کسی صریح کفر کا مرتکب ہونا کہ جس کے کفر پر تمہارے پاس واضح برہان ہو، دیکھ لو]

عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: [خیارکم أئمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم، وتصلون علیهم ویصلون علیکم، وشرار أئمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم، وتلعنونهم ویلعنونکم، قالوا: قلنا: یارسول اللہ! أفلا ننابذهم عند ذلک؟ قال: لا! ماأقاموا فیکم الصلاة، لا! ماأقاموا فیکم الصلاة، ألا من ولی علیه وال، فرآه یأتی شیئا من معصیة، فلیکره مایأتی من معصیة اللہ، ولا ینزعن یدا من طاعة]

ترجمہ: عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم انہیں دعائیں دو اور وہ تمہیں دعائیں دیں، جبکہ بدترین حکمران وہ ہیں، جن سے تم بغض وعداوت رکھو اور وہ تم سے بغض وعداوت رکھیں، تم ان پر لعنتیں برساؤ اور وہ تم پر لعنتیں برسائیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر ہم ایسے حکمران پائیں تو ان سے اپنا اطاعت کا ہاتھ کھینچ نہ لیں؟ فرمایا: نہیں، جب تک نماز قائم کرتے ہوں۔ نہیں، جب تک نماز قائم کرتے ہوں۔ پھر ارشاد فرمایا: جس شخص پر کوئی حاکم مقرر ہو، اور وہ اس کے اندر کسی گناہ کا ارتکاب دیکھتا ہو تو اس گناہ سے نفرت کرے، لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے] (صحیح مسلم (۱۸۵۵)

عن أم سلمة رضی اللہ عنها عن النبی ﷺ أنه قال: [إنه یستعمل علیکم أمراء، فتعرفون وتنکرون، فمن کره فقد برئ، ومن أنکر فقد سلم، ولکن من رضی وتابع، قالوا: یارسول اللہ ألا نقاتلهم؟ قال: لا ما صلوا]

ترجمہ: اُمِ سلمۃ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: [عنقریب تم پر ایسے امراء وحکام مقرر ہونگے جن کے کچھ امور کو تم (شریعت کی موافقت کی وجہ سے) پہچانتے ہوگے، جبکہ کچھ امور کا (عدمِ موافقت کی وجہ سے) انکار کرتے ہوگے، جس نے قابلِ انکار امور کو ناپسند کیا وہ بری ہوگیا، اور جس نے انکار کردیا اس نے سلامتی پالی، لیکن جو ان امور پر راضی ہوگیا اور متابعت بھی کرلی (وہ بربادی کی راہ پر چل نکلا) صحابہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ کیا ہم ایسے حکام سے قتال نہ کریں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے ہوں] (صحیح مسلم (۱۸۵۴)

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ قال: من رأی من أمیرہ شیئا یکرھہ فلیصبر علیہ، فإنہ من فارق الجماعۃ شبرا فمات إلا مات میتۃ جاھلیۃ]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو وہ اس پر صبر کرے؛ کیونکہ جو شخص ایک بالشت بھر جماعت سے جدا ہوا اور مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی]

(صحیح بخاری (۷۰۵۴) اور صحیح مسلم (۱۸۴۹)

حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۳/۷) میں فرماتے ہیں:

"ابن ابی جمرۃ فرماتے ہیں: اس حدیث میں جماعت سے مفارقت یعنی جدائی سے مراد یہ ہے کہ امیر کو جو عقدِ بیعت حاصل ہے اس کی گرہ کھولنے کی کوشش کرے، خواہ وہ کوشش کتنی ہی معمولی ہی کیوں نہ ہو، اس معمولی کوشش کی مقدار کو "شبر" یعنی بالشت کی تعبیر سے واضح فرمایا؛ کیونکہ اس کوشش کا نتیجہ، ناحق خون ریزی کے سوا کچھ نہیں"

امام احمد اپنے "الاعتقاد" میں فرماتے ہیں:

"کسی شخص کیلئے بادشاہ سے قتال کرنا یا اس پر خروج وبغاوت اختیار کرنا حلال نہیں ہے، جس شخص نے ایسا کیا وہ سنت وہدایت کے راستے سے بھٹک کر بدعتی بن جائے گا"

(السنۃ للالکائی (۱/ ۱۶۱)

ابھی ابھی امام طحاوی کا قول گزرا ہے، (افادیت کیلئے دوبارہ نقل کیا جاتا ہے:)

"ہم اپنے ائمہ اور ولاۃ امور، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں، پر خروج وبغاوت جائز نہیں سمجھتے، نہ ہم ان پر بددعا کرتے ہیں، نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں، ان کی اطاعت کو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتے ہوئے، شرعی فریضہ قرار دیتے ہیں، جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں، ان کیلئے ہمیشہ اصلاح وعافیت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں"

امام صابونی "عقيدة السلف أصحاب الحديث" (ص:۹۳) میں فرماتے ہیں:

"(أهل السنة) حکام پر خروج بالسیف جائز قرار نہیں دیتے، خواہ وہ انہیں راہِ عدل سے انحراف اختیار کرکے، ظلم وستم کی راہ پر مائل کیوں نہ دیکھیں"

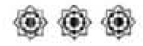
شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ اگر دو ضرر مسلط ہوں تو ان میں سے ہلکے ضرر کا ارتکاب کیا جائے تاکہ بڑے ضرر سے بچ سکیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "اعلام الموقعین" (۱۵/۳) میں فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کیلئے برائی کے انکار کے واجب ہونے کو مشروع قرار دیا ہے؛ تاکہ برائی کے انکار سے، اس کی جگہ وہ نیکی آجائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہے، لیکن جب کسی برائی کا انکار، اس سے بڑی برائی کو مستلزم ہو، جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کو زیادہ مبغوض وناپسندیدہ ہو، تو پھر اس چھوٹی برائی کا انکار جائز نہیں ہوگا، اگرچہ وہ چھوٹی برائی بھی اللہ تعالیٰ کے بغض اور ناراضگی کا باعث ہو۔ اس کی مثال حکام وملوک پر انکار، خروج اور بغاوت سے دی جاسکتی ہے (اگرچہ ان حکام کا باقی رہنا ایک برائی ہوسکتا ہے) لیکن ان پر بغاوت کا راستہ اختیار کرنے سے، ایک ایسی اس سے بھی بڑی برائی جنم لے سکتی ہے جو قیامت تک ہر شر اور فتنہ کی بنیاد بن سکتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے: "تكون امور مشتبهات، فعليكم

بالتؤدة؛ فإن أحدكم أن يكون تابعا في الخير خير من أن يكون رأسا في الشر"
یعنی: "بہت سے ایسے امور ہونگے جو تم پر مشتبہ ہونگے، ان امور کے تعلق سے تم تحمل، بردباری اور دھیماپن اختیار کرو؛ کیونکہ تم اگر خیر میں تابعدار بن کر رہو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم شر میں لیڈر بن کر رہو" (شعب الایمان للبیهقی (۲۹۷/۷)



سلف صالحین کے نقشِ قدم کی پیروی کا بیان

۲۸. قوله: "واتباع السلف الصالح واقتفاء آثارهم و الاستغفار لهم"
ترجمہ: "سلف صالحین کی اتباع، ان کے نقشِ قدم کی پیروی اور ان کیلئے استغفار کرتے رہنا (اہل السنۃ کے معتقدات میں شامل ہے)"

شرح:

تمام تر خیر وسعادت، رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور ان کے اتباع کی پیروی میں ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے کی پیش گوئی فرمائی ہے، اور یہ خبر بھی دی ہے کہ ان فرقوں میں ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے، پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ وہ ایک (جنتی) گروہ کون ہے؟ فرمایا: وہ "الجماعۃ" ہے۔ یہ حدیث پیچھے بیان ہو چکی، نیز رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی گزر چکا:

[...فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى إختلافا كثيرا ، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين ، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الامور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [...میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، اس وقت تم میری سنت کو لازم پکڑ لینا، نیز خلفاءِ راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کو بھی، اسے مضبوطی سے تھام

لینا، بلکہ اپنی داڑھوں میں دبالینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے]

امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول بھی گزر چکا: ''لن یصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها '' یعنی: اس امت کا آخری دور اسی چیز کے ساتھ سنور سکتا ہے، جس چیز کے ساتھ اس امت کا پہلا دور سنورا تھا۔

امام احمد بن حنبل ''الاعتقاد'' کے شروع میں فرماتے ہیں:

''اصول السنة عندنا التمسک بما کان علیه أصحاب رسول الله ﷺ والاقتداء بهم، وترک البدع، وکل بدعة فهی ضلالة، وترک الخصومات والجلوس مع أصحاب الأهواء، وترک المراء والجدال والخصومات فی الدین''

ترجمہ: ''صحابۂ کرام کے منہج کے ساتھ تمسک اور ان کی اقتداء، ہمارے نزدیک اصولِ دین میں سے ہے، نیز بدعات کو چھوڑ دینا بھی؛ کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس کے علاوہ بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنے اور جھگڑنے سے گریز کرنا، نیز دین میں جدال وخصومت سے بچنا بھی اصولِ دین میں شامل ہے'' (السنة للالکائی (۱/۱۵۶)

اللہ تعالیٰ نے ان صحابۂ کرام کی ثناء فرمائی جو انصار ومہاجرین کے بعد آئے اور ان کیلئے استغفار کرتے رہے، نیز اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے رہے کہ ان کی بابت ہمارے دلوں میں کوئی کینہ یا خیانت پیدا نہ فرمانا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

ترجمہ: ''اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے

پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے" (الحشر:١٠)

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب بعض لوگوں کو صحابۂ کرام پر طعنہ زنی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:[أمروا أن يستغفروا لأصحاب النبي ﷺ فسبوهم]

یعنی:[انہیں تو حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی ﷺ کے صحابہ کیلئے استغفار کریں، مگر یہ انہیں گالیوں سے نواز رہے ہیں] (صحیح مسلم:٣٠٢٢)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ﴾ (النساء:١١٥)

ترجمہ:"جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مؤمنوں کی راہ کو چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دینگے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے"

"جامع بيان العلم وفضله "لابن عبدالبر (٢/ ٩٧) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول مذکور ہے:

"من كان منكم متأسيا فليتأس بأصحاب محمد ﷺ؛ فإنهم كانوا أبر هذه الأمة قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا ، وأقومها هديا، وأحسنها حالا، قوما اختارهم الله تعالى لصحبة نبيه ﷺ، فاعرفوا لهم فضلهم ، واتبعوهم في آثارهم؛ فإنهم كانوا على الهدى المستقيم"

ترجمہ:"تم میں سے جو شخص کسی کو مثال بنا کر پیروی کرنا چاہتا ہے تو وہ محمد ﷺ کے اصحاب کو مثال بنالے؛ کیونکہ یہ لوگ باعتبار دلوں کے اس امت کے سب سے نیک لوگ ہیں، باعتبارِ علم

سب سے گہرے ہیں، باعتبار تکلف سب سے کم ہیں، باعتبار ہدایت سب سے سیدھے ہیں، باعتبار حالت سب سے اچھے ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کیلئے چن لیا، ان کے فضل کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم کے پیروکار بن جاؤ؛ کہ یہی لوگ صراطِ مستقیم پر قائم ہیں۔"

سنن الدارمی (۲۱۱) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے:

"اتبعوا ولا تبتدعوا فقد كفيتم" یعنی: "تم (اصحابِ رسول ﷺ) کی اتباع کرو اور نئے طریقے اور راستے مت نکالو، ان کی پیروی میں ہی کفایت ہے"

عثمان بن حاضر فرماتے ہیں: "میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: مجھے نصیحت فرمائیے، فرمایا: ہاں، تم اللہ تعالیٰ کے خوف اور استقامت کا راستہ اختیار کئے رکھو، اصحابِ رسول کی اتباع کرو اور بدعت کے اختیار سے گریز کرو" (سنن الدارمی (۱۴۱)

محمد بن سیرین فرمایا کرتے تھے: "كانوا يرون أنه على الطريق ما كان على الأثر" یعنی: "(صحابہ وتابعین) کا یہ مسلک تھا کہ بندہ جب تک حدیثِ رسول ﷺ کے ساتھ وابستہ ہے، تب تک صراطِ مستقیم پر قائم ہے" (سنن الدارمی (۱۴۲)

سنن الدارمی (۱۴۴) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے:

"تعلموا العلم قبل أن يقبض ، وقبضه أن يذهب أهله ، ألا وإياكم والتنطع والتعمق والبدع ، وعليكم بالعتيق"

ترجمہ: "علم حاصل کرو، قبل اس کے کہ اسے قبض کرلیا جائے، اسکا قبض کرنا، علماء کو اٹھالینا ہے۔ خبردار دین میں غلو، ضرورت سے زیادہ تعمق اور بدعات سے بچو، اور تم "عتیق" کو لازم پکڑلو۔"

"عتیق" سے مراد وہ مسئلہ جس پر قرآن وحدیث کی دلیل موجود ہو، اور جس پر سلف صالحین کا عمل ہو، اور جو محدَث یعنی نیا نہ ہو۔

محمد بن نصر المروزی کی کتاب "السنۃ" (ص:۸۰) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے: "تم آج فطرت دین پر قائم ہو، اور تم احادیث بیان کرتے ہو، اور تمہارے سامنے احادیث بیان کی جاتی ہیں، لیکن جب تم کوئی بھی نئی چیز دیکھو تو پہلی ہدایت (یعنی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ) کے ساتھ چمٹ جاؤ"

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "اے قراء کی جماعت! تم سیدھے راستے پر چلتے رہو، اللہ کی قسم، اگر تم صراط مستقیم پر چلتے رہو گے تو بڑی واضح سبقت حاصل کرلو گے، اور اگر تم دائیں بائیں پھر گئے تو پرلے درجے کے گمراہ ہو جاؤ گے" (حوالۂ مذکور (ص:۸۷)

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "اقتصاد في سنة خير من اجتهاد في بدعة، إنك إن تتبع خير من أن تبتدع، ولن تخطئ الطريق ما اتبعت الأثر"

ترجمہ: "سنت کی راہ میں تھوڑا عمل، بدعت کی راہ میں ڈھیروں عمل سے افضل ہے، تمہارا اتباع کا راستہ اختیار کرنا، بدعت کے راستے سے بہتر ہے، تم اس وقت تک راستہ نہیں بھٹک سکتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے آثار پر چل رہے ہو" (حوالۂ مذکور (ص:۱۰۰)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لوگوں کے نام ایک کھلے خط میں فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مقابلے میں کسی کی رائے نہیں چل سکتی۔ (حوالۂ مذکور (ص:۹۳)

عروۃ بن زبیر رحمہ اللہ کا قول ہے "السنن! السنن! فإن السنن قوام الدين"

یعنی: "سنتوں کو تھامے رہو! سنتوں کو تھامے رہو! کیونکہ سنتیں دین کا قوام ہیں" (یعنی سنتوں پر عمل کرنے سے دین سیدھا رہتا ہے) (حوالۂ مذکور (ص:۱۱۰)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دين النبي محمد أخبار   نعم المطية للفتى آثار

لا ترغبن عن الحديث وأهله   فالرأي ليل والحديث نهار

ولربما جهل الفتى أثر الهدى   والشمس بازغة لها أنوار

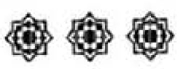
ترجمہ: محمد ﷺ کا دین تو احادیث ہیں، ایک نوجوان کی سب سے بہترین سواری احادیث وآثار ہیں۔ کبھی حدیث یا اہل الحدیث سے بے رغبتی نہ برتنا، کہ رائے تو اندھیری رات ہے اور حدیث جگمگاتا دن۔ کئی لوگوں کو آثار ہدایت دکھائی نہیں دیتے (اور یہ انتہائی تعجب خیز بات ہے کیونکہ) سورج تو اپنی شعاؤں کے ساتھ چمک دمک رہا ہے۔

ایک اور شاعر نے بہت ہی خوب فرمایا:

الفقه فی الدین بالآثار مقترن فاشغل زمانک فی فقه وفی أثر

فالشغل بالفقه والآثار مرتفع بقاصد الله فوق الشمس والقمر

ترجمہ: دین کی فقہ تو احادیث کے ساتھ مربوط ومنسلک ہے، لہذا اپنے اوقات کو حدیث وفقہ دونوں کو ساتھ حاصل کرنے میں گزارو۔ حدیث اور فقہ میں اشتغال، اللہ تعالیٰ جو شمس وقمر سے اوپر ہے کے قاصد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔



دین میں جھگڑے سے یکسر گریز کیا جائے

۲۹. "وترک المراء والجدال فی الدین"

ترجمہ: "(اہل السنۃ کے منہج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ) دین میں جھگڑنے سے یکسر گریز کی جائے"

شرح

کتاب وسنت کی اتباع، اور ان کے نصوص پر مکمل استسلام اور انقیاد، اہل السنۃ والجماعۃ کا منہج

ہے، یہ منہج صافی ان لوگوں کے طریقہ کے خلاف ہے جو عقل پر اعتماد کرنے اور نقل یعنی قرآن وحدیث میں کیڑے نکالنے کی روش پر قائم ہیں، جو اپنے باطل کو لیکر حق سے ٹکرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ کسی بھی طریقہ سے حق کو دبا دیں۔

حالانکہ قرآن وحدیث اس طرز جدال کی مخالفت کرتا ہے، اس سے تحذیر کے حوالے سے کئی دلائل موجود ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَٰلٍ بَعِيدٍ ﴾ (الشوریٰ:۱۸)

ترجمہ: ”یاد رکھو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں“

نیز فرمایا: ﴿ وَجَٰدَلُوا بِالْبَٰطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ﴾ (غافر:۵)

ترجمہ: ”اور باطل کے ذریعہ کج بحثیاں کیں، تاکہ ان سے حق کو بگاڑ دیں“

نیز فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَٰدِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَٰنٍ مَّرِيدٍ ﴾

ترجمہ: ”بعض لوگ اللہ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں اور وہ بھی بے علمی کے ساتھ اور سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں“ (الحج:۳)

نیز فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَٰدِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا كِتَٰبٍ مُّنِيرٍ ﴾

ترجمہ: ”بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں“ (الحج:۸)

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ قال: [إن أبغض الرجال إلى الله الألد الخصم]

ترجمہ: أم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جھگڑالو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہے]

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری (۱۸۱/۱۳) میں جھگڑالو شخص سے مراد کا فریا وہ مسلمان جو اپنے باطل کے ذریعہ حق کے ساتھ مجادلہ کرے، بتلایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور فرمان ہے:[ہدایت پالینے کے بعد کسی قوم کا گمراہ ہو جانا ''جدل'' یعنی جھگڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ (الزخرف:۵۸)

ترجمہ: ''تجھ سے ان کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو''

(جامع ترمذی (۳۲۵۳) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

صحیح مسلم (۲۶۶۶) میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک دن میں دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں، جو ایک آیتِ کریمہ میں اختلاف کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور غضب کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر نمایاں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:[تم سے پہلے لوگ اپنی اپنی کتابوں میں اختلاف کرنے کی بناء پر برباد ہو گئے]

سنن ابن ماجہ (۲۵۴) میں ہے، جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:[علم اس نیت سے حاصل نہ کرو کہ علماء پر فخر کرو، اور نہ ہی اس نیت سے کہ سفہاء کے ساتھ جھگڑو، اور نہ ہی اس نیت سے کہ مجالس پر چھا جاؤ، جس نے ان مقاصد کیلئے علم حاصل کیا اس کیلئے آگ ہے، اس کیلئے آگ ہے۔]

ابن ابی العز الحنفی نے امام طحاوی کے قول ''ولا نماری فی دین اللہ'' کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارا یہ منہج نہیں ہے کہ ہم اہل الحق پر بدعتیوں کے شبہات وارد کر کے ان سے خصومت یا جدال کریں، تاکہ انہیں مبتلائے شک کر کے، انہیں اہلِ بدعت کی طرف مائل کر دیں؛ کیونکہ یہ معاملہ باطل کی طرف دعوت دینے، حق کو خلط ملط کرنے

اور دینِ اسلام کو بگاڑنے کے زمرے میں آتا ہے۔"

جو لوگ کجی اور گمراہی کا شکار ہیں ان کا طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خرافات کے ساتھ جدال کرتے ہیں، نیز قرآن کی متشابہات کا اتباع کرتے ہیں۔ جبکہ اہل الحق کا طریقہ اس کے برعکس ہے، وہ محکم اور متشابہ ہر آیت پر ایمان رکھتے ہیں اور متشابہ کے فہم کیلئے اسے محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں، اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِیْلِهٖ وَمَایَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَایَذَّکَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ. رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً إِنَّکَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ (آل عمران:۷،۸)

ترجمہ: "وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں، پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کیلئے، حالانکہ ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور پختہ ومضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لاچکے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کردے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے"

صحیح بخاری (۴۵۴۷) اور صحیح مسلم (۲۶۶۵) میں ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے آیتِ کریمہ: ﴿ هُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ﴾ تلاوت فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: [جب تم

ایسے لوگ دیکھو جو متشابہ آیات کی اتباع کرتے ہیں، تو ان سے بچو، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالی نے (اہلِ زیغ) قرار دیا ہے]

سنن الدارمی (۲۰۶) میں ابوجعفر محمد بن علی الباقر کا یہ قول مذکور ہے: ''جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ مت بیٹھو یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ متشابہات میں غور وخوض کرتے رہتے ہیں''

''جامع بیان العلم وفضلہ'' لابن عبدالبر (۱۳۲/۱) میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول مذکور ہے:

''دین میں جھگڑنا دل کو سخت کر دیتا ہے، اور کینہ وبغض پیدا کر دیتا ہے''

اسی کتاب (۹۳/۲) میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ قول مذکور ہے:

''جو شخص اپنے دین کو خصومتوں کا نشانہ بنالیتا ہے وہ بے پناہ قلابازیاں کھاتا رہتا ہے''

واضح ہو کہ مجادلہ اس صورت میں حق اور ضروری ہے جب وہ بطریقِ احسن ہو، اور مقصود اظہارِ حق اور ردِ باطل ہو، اس قسم کے مجادلہ کا اللہ تعالی نے خود حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل:۱۲۵)

ترجمہ: ''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے''

نیز فرمایا: ﴿ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ﴾ (العنکبوت:۴۶)

ترجمہ: '' اور اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو، مگر ان کے ساتھ جو ان میں سے ظالم ہیں''

حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں ایک باب مناظرہ، خصومت اور جدال کی ناپسندیدگی واضح کرنے کیلئے قائم فرمایا ہے۔ (دیکھیے ص ۹۲ تا ۹۹) پھر ایک

باب مناظرہ اور مجادلہ کے اثبات کیلئے قائم فرمایا ہے، جس کا مقصود اقامتِ حجت ہو (دیکھئے ص ۹۹ تا ۱۰۸) ان دونوں ابواب میں انہوں نے بہت سے نصوص اور اہلِ علم کے آثار نقل فرمائے ہیں۔



بدعات کو کلی طور پر ترک کرنے کا بیان

۳۰۔ "وترک ما احدثه المحدثون."

ترجمہ: "اہلِ بدعت نے، دین میں جو اضافے کیے ہیں، انہیں کلی طور پہ ترک کر دینا (بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج میں شامل ہے)"

شرح:

مؤلف، ابن ابی زید رحمہ اللہ نے پچھلے صفحات میں یہ بتلایا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا طریق ومنہج، سلف صالحین کی اتباع، ان کے نقشِ قدم کی پیروی اور ان کیلئے استغفار کرتے رہنا ہے، نیز دین کے معاملے میں خصومت وجدال سے گریز کرنا ہے۔

یہ سب کچھ بتا کر اب یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ بدعت کے اس دین میں اضافوں اور زیادتیوں سے بچنا اور گریز کرنا بھی اہل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ ہے۔

قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے آثار سے بدعات ومحدثات کے سلسلہ میں بڑی تنبیہ اور تحذیر وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

ترجمہ: "اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پہ چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ

تم پرہیزگاری اختیار کرو۔" (الانعام:۱۵۳)

نیز فرمایا ہے: ﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاۗءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (الاعراف:۳)

ترجمہ: "تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو"

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے: [من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد]

یعنی: [جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی بھی نئی چیز نکالی، وہ مردود ہوگی]

صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: [من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد]

یعنی: [جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہوگا]

رسول اللہ ﷺ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا تھا:

[وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة]

یعنی: [اور تم بچو (دین میں) نئے نئے امور کی اختراع سے؛ کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے]

یہ مکمل حدیث "الفائدة الاولى" کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

نیز صحیح مسلم (۷۶۷) میں مروی حدیث جابر رضی اللہ عنہ بھی بیان ہو چکی، جس میں رسول اللہ ﷺ کا ہر خطبہ جمعہ میں ان الفاظ کے کہنے کا ذکر ہے: [أما بعد فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [أما بعد، بے شک سب سے بہترین حدیث، کتاب اللہ ہے اور سب سے بہترین طریقہ، محمد ﷺ کا ہے، اور سب سے بدترین کام وہ ہے جو نیا ہو (یعنی قرآن وحدیث سے ثابت

نہ ہو)اور ہر بدعت گمراہی ہے]

پچھلے صفحات میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث گزری ہے، جس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی مذکور ہے:[فمن رغب عن سنتي فليس مني]

یعنی:[جس نے میری سنت سے بے رغبتی اختیار کی وہ مجھ سے نہیں ہے]

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

[إن الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته]

یعنی:[بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی شخص سے توبہ چھپالی ہے، جب تک وہ اپنی بدعت کو چھوڑ نہ دے] امام منذری فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے، جیسا کہ"الترغيب والترهيب"(۱/۶۵) میں بھی ہے۔شیخ البانی نے"صحيح الترغيب"(۵۲) میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہماری اس کتاب کے فقرہ نمبر(۱) میں اس صحابی کا قصہ بیان ہو چکا ہے، جس نے اپنی قربانی کا جانور عید کی نماز سے قبل ذبح کرلیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا:[شاتك شاة لحم] یعنی:[تمہاری یہ بکری محض گوشت کی بکری ہے](یعنی قربانی نہیں ہوئی)

اس کے علاوہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر بھی گزر چکا، جس میں انہوں نے ان لوگوں کے عمل کا انکار فرمایا تھا جو کنکریوں پر تسبیح پڑھ رہے تھے، انہوں نے فرمایا تھا:"فعدوا سيئاتكم فأنا ضامن أن لا يضيع من حسناتكم شيئ"یعنی:"اس کی بجائے تم اپنے گناہ شمار کرلو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس طرح کم از کم تمہاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی"(اس کے برعکس جو تسبیح کا عمل جس طریقے سے انجام دے رہے ہو یہ چونکہ بدعت ہے لہذا اس بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے تمہاری تمام نیکیاں برباد ہو جائیں گی)

امام محمد بن نصر المروزی کی"كتاب السنة"(۸۲) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول

مذکور ہے: ''کل بدعة ضلالة وإن رآها الناس حسنة''

یعنی: ''ہر بدعت گمراہی ہے، خواہ لوگ اسے کتنا ہی اچھا سمجھتے ہوں''

امام شاطبی کی کتاب ''الاعتصام'' (۲۸/۱) میں ہے، ابن الماجشون فرماتے ہیں: میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''من ابتدع فی الاسلام بدعة یراھا حسنة، فقد زعم أن محمدا خان الرسالة؛ لأن اللہ یقول: ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ فمالم یکن یومئذ دینا فلایکون الیوم دینا''

ترجمہ: ''جس شخص نے دینِ اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کر ڈالی اور اسے اچھا سمجھا، تو گویا وہ شخص اس زعمِ باطل میں مبتلا ہے کہ محمد ﷺ نے رسالت پہنچانے میں خیانت سے کام لیا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لئے، تمہارا دین مکمل کردیا ہے'' تو جو چیز رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے دور میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتی''

ابونعیم الاصبھانی ''حلیۃ الاولیاء'' (۲۴۴/۱۰) میں ابوعثمان النیساپوری کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

''من أمر السنة علی نفسه قولا وفعلا نطق بالحکمة، ومن أمر الھویٰ علی نفسه قولا وفعلا نطق بالبدعة''

یعنی: ''جس شخص نے اپنے نفس پر، قولاً وفعلاً، رسول اللہ ﷺ کی سنت کی حاکمیت قائم کرلی، وہ ناطقِ حکمت ہے، اور جس شخص نے اپنے نفس پر، قولاً وفعلاً، خواہشاتِ نفس کی حکمرانی قائم کرلی، وہ ناطقِ بدعت ہے''

سھل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ کا قول ہے:

''جس شخص نے علم میں کوئی نئی چیز جاری کی اس سے قیامت کے دن اس کی بابت سوال ہوگا، اگر وہ چیز سنت کے مطابق ہوئی تو وہ نجات پاجائے گا، ورنہ تباہ وبرباد ہوجائے گا''

حافظ ابن عبدالبر ''جامع بیان العلم وفضلہ'' (۹۵/۲) میں فرماتے ہیں:

"ہر علاقے کے تمام محدثین وفقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہلِ کلام (متکلمین) بدعتی اور مجروح ہیں، نیز علماء کے نزدیک وہ لوگ طبقۂ علماء میں شمار نہیں ہوتے، علماء تو صرف وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث حاصل کرتے اور ان میں تفقہ کرتے ہیں، اور احادیث میں اتقان وتمیز کی بناء پر ایک دوسرے پر فوقیت وفضیلت حاصل کرتے ہیں"

امام ابن امام، عبداللہ بن ابی داود السجستانی اپنے "منظومۃ حائیۃ" کے مطلع میں کیا خوب فرماتے ہیں:

تمسک بحبل اللہ واتبع الھدی ولا تک بدعیا لعلک تفلح

ودن بکتاب اللہ والسنن التی أتت عن رسول اللہ تنجو وتربح

ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے، راہِ ہدایت کی اتباع کرلے، اور بدعتی نہ بن، شاید کہ تو فلاح پاجائے۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار بن جا، نجات پاجائے گا، اور خوب نفع حاصل کرے گا۔

آج کے دور میں بڑی بدعات ومحدثات میں سے ایک بدعت کی نشاندھی ہم حوضِ کوثر کی بحث میں کرچکے ہیں، جس میں ایک معاصر نے شرعی صحابیت کو ان انصار ومہاجرین تک محدود کردیا ہے جو صلحِ حدیبیہ سے قبل اسلام لاچکے تھے، وہ ان صحابۂ کرام کو جو حدیبیہ کے بعد اسلام لائے یا ہجرت کی، صحابی تسلیم نہیں کرتا، اسی طرح جن صحابہ نے ہجرت نہیں کی لیکن انہیں نبی ﷺ سے لقاء کا شرف حاصل ہوگیا تھا، انہیں بھی صحابی تسلیم نہیں کرتا، وہ ان تمام صحابہ کی صحبت کو جن میں سرِ فہرست عباس بن عبدالمطلب اور ان کے بیٹے عبداللہ جیسے صحابہ کا نام آتا ہے، منافقین وکفار جیسی صحبت قرار دیتا ہے۔

یہ بدعت ضلالت ہے، گزشتہ صدیوں میں ایسی بات کوئی نہ کہہ سکا، ایک مثل مشہور ہے: ''کم ترک الاول للآخر '' جس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے دور میں گذرے ہوئے بدعتیوں نے، بعد میں آنے والے بدعتیوں کیلئے بہت سی باتیں چھوڑ رکھی ہیں، چنانچہ سابقہ ادوار کے مبتدعین کو تو یہ بدعت نہ سوجھی، لیکن معاصر بدعتی (مالکی) کے ہاتھ لگ گئی۔

ان بدعات کا بوجھ، سابقہ مبتدعین پر بھی ہے اور بعد میں آنے والے وہ مبتدعین بھی اس ہولناک بوجھ کے متحمل ہونگے جو ان کے نقشِ قدم کے پیروکار بن گئے۔

''وصلی اللہ علی سیدنا محمد نبیہ، وعلی آلہ وأزواجہ وذریتہ ،وسلم تسلیما کثیرا''

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار، نبی پاک محمد ﷺ پر، آپ کی آل، ازواجِ مطہرات اور ذریات پر رحمتیں اور بہت زیادہ سلامتیاں نازل فرمائے۔

شرح:

مؤلف ابن ابی زید رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ کے مقدمہ کا اختتام رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام سے فرمایا ہے، یہی سلف صالحین کا طریقہ تھا، بہت سے مؤلفین نے اپنی مؤلفات کا اختتام اسی مبارک طریقہ یعنی رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام کے ساتھ کیا ہے۔

اس شرح کی تألیف سے، جمعرات کی صبح، جمادی الاولیٰ کی آٹھ تاریخ ۱۴۲۳ھ کو فراغت حاصل ہوئی۔

(مترجم عبداللہ ناصر الرحمانی کہتا ہے اس ترجمہ کی براہِ راست کمپیوٹر پر املاء سے یکم شعبان ۱۴۲۶ھ بمطابق ۶ ستمبر 2005، بروز منگل فراغت حاصل ہوئی۔)

والحمد للہ أولا وآخراً علی نعمہ الظاھرۃ والباطنۃ، وصلی اللہ وسلم وبارک علی عبدہ ورسولہ نبینا وامامنا محمد ومن سلک سبیلہ واھتدی بھدیہ إلی یوم الدین.